ارسال کردیا۔ سرجان نے وکلاء سے جلد حاضر ہونے کی خواہش ظاہر کی وہ ۴ بجے تک نہ آئے بلکہ اتحادیوں کے نمائندوں کو اپنے ہمراہ لیکر ۶ بجے شام کو پہنچے۔ اجلاس شروع ہوئے پر وکلاء نے عرض کیا کہ ہمارے سلطان نے آپ کی شرائط قبول کرلی ہیں اور اب صرف اسقدر کسر باقی رہ گئی ہے کہ گورنر جنرل بہادر اور اتحادی بعض شرائط میں کسی قدر ترمیم کردیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ ہمارے سلطان مطلوبہ علاقے کا نصف حصہ اپنے حساب کی رو سے اور باقی نصف اتحادیوں کے حساب کے مطابق دینے پر تیار ہیں اور آپ کی سرحدوں کے واسطے جن اضلاع کی ضرورت ہے انکا بھی کچھ حصہ دیا جائے گا۔ لیکن باقی اضلاع کے متعلق انہیں اعتراض ہے مثلاً کورگ کے دینے کی بابتہ جو سرنگاپٹم کے قریب ہونے کے باعث سرنگاپٹم کا دروازہ متصور ہو سکتا ہے۔ سلطان فرماتے ہیں کہ آپ اپنے مرتبہ معاہدہ کی رو سے کورگ پانے کے مستحق نہیں ہیں چونکہ وہ آپ کی سرحد سے فاصلے پر واقع ہے۔ اس کے جواب میں سرجان نے فرمایا کہ لفظ "متصل" پر سلطان کو زیادہ بحث کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ اس کے معنی زیادہ دور نہ ہونے کے ہیں اور اس لفظ کے اندراج سے اتحادی ٹیپو کی مملکت کے مرکزی اضلاع لینے سے محروم ہو جائیں گے آپ کورگ کو سرنگاپٹم کا دروازہ بتاتے ہیں جو وہاں سے ۴۰ کوس یعنی ۸۰ میل کے فاصلے پر ہے اور ہمارے علاقہ ٹیلی چری سے ۱۵ کوس یا ۳۰ میل پر واقع ہے وہ کالی کٹ کے متصل ہے جس کے دینے پر آپ رضامند ہیں اور یہ کہ ہم کورگ کے راجہ سے پیشتر ہی معاہدے کرچکے ہیں جن کی خلاف ورزی ہم نہیں کرسکتے ہیں ورنہ پھر ٹیپو کو ہمارے معاہدے پر کیا اعتبار اور بھروسہ ہوگا جو ہم ان سے کر رہے ہیں۔ وکلاء نے اپنے بیان کئے ہوئے لفظ متصل کے معنی پر زور دیا لیکن سرجان نے اُسے قبول نہیں کیا۔ بہت کچھ ردو قدح کے بعد

(۲۹)

وکلا، کی درخواست پر یہ معاملہ لارڈ کارنوالس کے روبرو پیش کیا گیا۔ سرجان نے لارڈ موصوف کے پاس سے واپس آکر بیان کیا کہ چونکہ آپ نے لارڈ موصوف کو مجبور کر دیا کہ وہ اپنے اختیارات کو کام میں لاکر معاہدہ مرتب کریں اور معاملہ کے پختہ ہونے کے بعد اب وہ کسی قسم کی ترمیم کرنے اور مندرجہ علاقوں میں کمی بیشی کرنے پر ہرگز آمادہ نہیں ہیں وکلاء کو فوراً قلعہ عملی کو واپس جانا چاہیئے اور ٹیپو کا آخری جواب لانا چاہیئے وکلاء نے عرض کیا کہ ہمارے آقا کے روبرو پھر اس معاملے کے پیش ہونے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ اگر لارڈ کارنوالس ہماری درخواست نہیں قبول کرتے ہیں تو ہم بھی ان شرائط کو نامنظور کرتے ہیں اور مستقبل کو تقدیر کے سپرد کرتے ہیں۔ سرجان نے کہا کہ اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں لیکن انہوں نے کہا کہ ہم چاہتے ہیں کہ جو کچھ اس وقت وقوع میں آیا ہے اس کی اطلاع ہماری روانگی سے قبل لارڈ کارنوالس کو کر دی جائے۔

لارڈ کارنوالس کے احکام موصول ہونے پر سرجان نے سلطان کے وکلاء کو اطلاع دی کہ ٹیپو کے مرسلہ حسابات کا کچھ اعتبار اور بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے جن کی بابتہ کہا گیا تھا کہ وہ لوٹ مار میں ضائع ہو گئے اور اب پھر وہ پیش کئے جاتے ہیں اور سخت معاملات کو زیادہ بڑھنے سے روکنے کی محض اس خیال سے کہ معاملات جلد سے تجاوز نہ کرنے پائیں لارڈ موصوف چار لاکھ پچاس ہزار پگوڈا معاف کر کے ۱۳۰۴۹۹ ۱۲ روپیہ پگوڈا کی آمدنی کے علاقے کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن جن مقامات کے دینے میں عذر ہے وہ اور بالخصوص کورگ ضرور دینا پڑے گا وکلاء نے اس کا جواب ایک مراسلے میں دیا جس میں یہ استدعا کی گئی تھی کہ جو علاقے درکار ہیں وہ بوضاحت بیان کر دئیے جائیں اس مراسلے کے بعد وکلاء خود ہی چلے آئے اور سرجان نے اتحادیوں کے نمائندوں کو بلوا کر مطلوبہ فہرست سلطان کے وکلاء کے حوالے کی۔

علی رضا نے نہایت جوش کے ساتھ یہ کہنا شروع کیا کہ ابتدائی معاہدہ کی رو سے آپ کو کورگ کے مطالبے کا استحقاق حاصل نہیں ہے سرجان نے گذشتہ دلائل بیان کر کے فرمایا کہ چونکہ اب کوئی نئی بات نہیں پیش کی جاتی ہے اس لئے اس معاملے کی بابتہ مجھے بھی کسی جدید دلیل کے پیش کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ علی رضا نے اب نہایت نرم الفاظ میں اپنی اس امید کو ظاہر کیا کہ چونکہ گورنر جنرل بہادر نے ازراہ نوازش بنگلور اور سیوندرگ کے مطالبے سے دست برداری دیدی ہے اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ وہ اسی طرح کورگ کے مطالبہ پر بھی اصرار نہ کریں گے۔ علی رضا نے نہایت پرجوش الفاظ میں دریافت کیا کہ صلح کی گفت و شنید ناتمام رہنے کی صورت میں آپ ہمارے شہزادوں کے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔ سرجان نے جواب دیا کہ معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی پاداش میں شہزادے بطور یرغمال کے ہمارے قبضے میں رہیں گے۔

وکلاء نے دریافت کیا کہ شرائط صلح کی کس نے اور کس طرح خلاف ورزی کی ہے۔ سرجان نے بتایا کہ ٹیپو سلطان نے صلحنامے کو تین طرح توڑ ڈالا۔

اولاً علاقہ جات مطلوبہ کے انتخاب کی پابندی کرنے سے انکار کیا

دوسرے زر مطلوبہ کے متعلق عذر اور بہانے پیش کئے۔ (۳۱)

تیسرے وہ باوجود ہمارے تنبیہات اور اپنے وعدہ وعید کے ہماری خندقوں کے محاذی قلعہ جات وغیرہ کی مرمت اور درستی ابھی تک کرا رہے ہیں وکلاء نے عرض کیا کہ ہمیں تو یہ یاد ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ شہزادے نہیں روکے جائیں گے اور چونکہ حیدر کے مامور کردہ ایک معزز شخص کو انگریزوں نے رہا کر دیا تھا اس لئے ہمیں تو آپ سے اس کی توقع نہ تھی کہ آپ شہزادوں کو روک لیں گے۔ سرجان نے اس کے جواب میں کہا کہ اگر آپ کے سلطان ابتدائی صلحنامے کی خلاف ورزی نہ کرتے تو

کسی اور وجہ کی بنا پر لارڈ کارنوالس شہزادوں کو ہرگز نہ روک سکتے۔ ہم نے تو صلحنامے پر عملدرآمد ہونے کا تعین کرکے اپنی خندقوں وغیرہ کی درستی کو ترک کردیا تھا حالانکہ اُن کی درستی پر سرنگاپٹم کا دس دن کے اندر فتح کرلینا بالکل ممکنات سے تھا بفرض محال اگر شہزادے واپس کردئے جائیں تو اس تضئیع اوقات کے نقصان کی تلافی کس طرح ہوگی۔ آپ نے جس معاملے کا حوالہ دیا ہے اس کا یہاں اطلاق نہیں ہوتا البتہ آپ کی حالت بھی اسی طرح کی ہے اس لئے جسوقت آپ پسند کریں آپ واپس جاسکتے ہیں۔ سر جان نے انھیں مطلع کیا کہ شہزادے آج اس جگہ سے دوسرے مقام کو منتقل کردیے جائیں گے اور جو محافظ شہزادے کے ہمراہ ہیں اُنھیں اب واپس جانا چاہئے۔ وکلاء نے عرض کیا کہ شہزادوں کے ساتھ جانے کی ہمیں اجازت دیجائے۔ لیکن یہ بات نامنظور ہوئی۔

سر جان کو سوتے سے بیدار کرکے علی رضا کا ایک پیام دیا گیا اور فوراً وہ خود بھی آپہنچا۔ سر جان نے معذرت کی کہ میں نے ابھی کپڑے نہیں بدلے ہیں علی رضا نے کہلا بھیجا کہ اسکی چنداں حاجت نہیں میں آپ کی خوابگاہ ہی میں حاضر ہوتا ہوں۔ وہاں پہنچکر اُس نے نہایت منت سماجت کے ساتھ کہا کہ آپ اپنے اثر سے کام لیکر شہزادوں کے محافظ کپتان ویلسن کی روانگی ایک روز کے لئے ملتوی کرادیجئے اور میں آج شام تک علاقہ مطلوبہ کی بابتہ سلطان کا جواب لیکر حاضر ہوں گا ورنہ اگر شہزادے آج ہی بھیجدیئے گئے تو میرا اور میرے رفقا کا سر قلم کردیا جائیگا۔

سر جان نے جواب دیا کہ کپتان ویلسن حکام بالادست کے احکام کی تعمیل کررہے ہیں اور وہ میرے ماتحت نہیں ہیں مگر میں لارڈ کارنوالس کو لکھونگا کہ اس رعایت کی اشد ضرورت ہے۔ اس مراسلے کی روانگی سے پیشتر ہی شہزادے اس مقام سے منتقل کردئے گئے تھے لیکن وکیل کی استدعا پر سر جان نے درخواست کی کہ وکیل کی قلعہ سے واپسی تک شہزادوں کا کوچ ملتوی رکھا جائے۔ اس پر لارڈ کارنوالس نے

حکم دیا کہ شہزادے مستقر سے ایک میل کے فاصلے پر رکھے جائیں۔

علی رضا شام کے وقت واپس آیا اور اُس نے مع اپنے رفقاء کے سر جان کینیڈی سے ملاقات کی۔ سلطان سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرنے کے بعد اطلاع دی کہ بجز کورگ کے جملہ مطلوبہ علاقے دینا قبول ہے جو سلطان کے دارالسلطنت کے نزدیک واقع ہیں اور ہم امید کرتے ہیں کہ نواب گورنر جنرل بہادر اسپر نظر ثانی فرمائینگے علاوہ بریں چند دیگر مقامات دینے میں یہ عذر پیش کیا کہ ان کے دینے سے علاقے خلط ملط ہو جائیں گے اور جو سرحد کہ لارڈ موصوف قائم کرنا چاہتے ہیں وہ قائم نہ ہو سکے گی۔ سر جان نے شوانس راؤ سے کہا کہ ایسے مقامات نام لیکر بتائے اُس نے بطور مثال کے عرض کیا کہ آتور اور پرمالی ٹیپو کے قبضہ میں چھوڑ دئے گئے ہیں اور وہ کمپنی کی پورانی سرحد پر لالی اور نمکول کے درمیان واقع ہیں۔ سر جان نے بیان کیا کہ لالی اور نمکول وغیرہ کے مقابل یہ فرد گذاشت درج ہے اور یہ کہ دریائے کاویری کے غربی اور شمالی کل علاقے کمپنی کو ملنا چاہئیں۔ سر جان نے ان سے دریافت کیا کہ آیا اِن کے علاوہ اس قسم کے کچھ اور اضلاع بھی ہیں؟

وکلاء نے عرض کیا کہ اس کا جواب ہم نقشہ اور کاغذات دیکھکر دے سکتے ہیں جو قلعۂ معلیٰ میں ہیں اور سر جان نے فرمایا کہ اچھا کل اسکا جواب پیش کیجئے گا۔

غلام علی نے کہا کہ اب تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کچھ دینے کی بجائے ہم سے اور طلب کر رہے ہیں۔ سر جان نے فرمایا کہ ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ اپنی سرحد مضبوط کرنے کے واسطے ہم جو اضلاع لیں گے اُسکے مساوی ہم دوسرا علاقہ دیدیں گے۔ اس پر وکلاء نے پھر کورگ کا تذکرہ چھیڑا۔ سر جان نے فرمایا کہ کورگ کی بحث محض فضول ہے کیونکہ جو مقامات فہرست مورخہ ۱۳ مارچ میں درج ہیں وہ ہرگز نہیں دئے جا سکتے

ہیں اور پھر نہایت صریح الفاظ میں دریافت کیا کہ کیا ٹیپو سلطان کورگ دینے پر راضی ہیں یا نہیں؟

وکلاء نے جواب دیا کہ صلح نامہ نہ ہونے کے اندیشہ سے تو وہ کورگ دینے پر آمادہ ہو جائیں گے لیکن انھیں لارڈ کارنوالس سے یہ توقع ہے کہ کورگ لینے پر زیادہ اصرار نہیں کیا جائیگا۔

سر جان اس معاملے کی بابت لارڈ کارنوالس کی رائے معلوم کرنے کے واسطے پھر راضی ہو گئے۔ اس کے بعد علی رضا نے ایک کاغذ پیش کیا جس میں صلحنامے کی بعض شرائط درج تھیں اور ان کے متعلق اُس نے عرض کیا کہ ان کی تصحیح کرلی جائے۔ ۹ مارچ کو شرائط صلح وکلاء کے نام روانہ کرنے کے بعد ان ترمیمات کے بڑے حصہ کا اضافہ صلحنامہ میں کر دیا گیا تھا۔

۱۵ مارچ۔ سر جان کینی وے نے وکلاء کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا کہ شوانس راؤ کو نقشے اور ضروری کاغذات لانے اضلاع مفوضہ کی درستی اور سرحدوں کا تعین کرنے کے واسطے قلعۂ معلی کو روانہ کر دیا جائے۔ کیونکہ آج شام تک اگر معاہدہ تکمیل نہوا تو لارڈ کارنوالس شہزادوں کو کل تک یہاں سے روانہ کرنے میں مزید تاخیر نہ فرمائیں گے۔

سر جان نے بوقت ۸ بجے صبح اتحادیوں کے نمائندوں کو بلایا اور اُن کے آنے پر تقسیم مملکت میں اُن کے حصوں کی تصحیح کی گئی۔ اس اثناء میں سر جان نے دوپہر تک معاہدے کی تکمیل کی اور سلطان کے وکلاء کو طلب کر لیا اگرچہ شوانس راؤ سرنگاپٹم سے ابھی واپس نہیں ہوا تھا۔ وہ دو بجے دن کو آ گئے اور انھوں نے کورگ کے متعلق لارڈ کارنوالس کا ارادہ دریافت کیا سر جان نے جواب دیا کہ لارڈ کارنوالس ٹیپو کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کرنا چاہتے ہیں لیکن کسی عنوان سے بھی وہ کورگ کے راجہ کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہو سکتے ہیں لارڈ موصوف کا خیال ہے کہ معاہدوں کی پابندی اور انکا احترام مذہبی احکام کی تعمیل کے مانند لازمی اور ضروری اور ہر ایک دیگر خیال سے اعلیٰ اور افضل ہے (۴۱) اس لئے اس مسئلہ کے متعلق آئندہ وہ ایک لفظ کا سننا بھی پسند نہ کریں گے

اس کے بعد سرجان نے صلحنامہ اُن کے حوالہ کیا اس کے ساتھ علاقہ جات مطلوبہ کی فہرست نہ تھی جس کے دینے کا انحصار شوانس راؤ کی آمد پر رکھا گیا صلحنامے کی صرف اُن شرائط پر اعتراض ہوا جن کی رو سے سلطان کو گذشتہ تھا یا مالگذاری کے مطالبے کا دعوے ہوا اور لفظ رعیت خذف کردیا گیا جسکے یہ معنی تھے کہ جب ایک ضلع کے افسر و زمیندار دوسرے ضلع میں چلے جائیں تو ان کی حفاظت کی ذمہ داری نہ لی جائے گی۔

سرجان نے اس کے جواب میں کہا کہ یہ شرط باشندگان کے متعلق ہے اور اس شرط سے مختلف حکومت کے جملہ ناگوار جھگڑوں کا ہمیشہ کے واسطے خاتمہ ہو جائے گا اس لئے اس شرط میں ترمیم نہ ہونی چاہئے اور یہی دلیل لفظ رعیت کے اندراج کے واسطے کافی ہے کیونکہ افسران اور زمینداران کے الفاظ درج کردینا کافی ہے اب پانچ بج چکے تھے اور شوانس راؤ نہیں لوٹا تھا اس لئے سرجان نے اپنے کاغذات کی بنا پر علاقہ جات مطلوبہ کی فہرست مرتب کرنی شروع کردی اس دوران میں شوانس راؤ آپہونچا اور اُس نے اطلاع دی کہ دریائے کاویری کے مغرب میں اگر اضلاع اور شدمین گلم اور ولی نور ٹیپو کے قبضے میں چھوڑ دیئے جائیں گے تو اس سے سرحدیں خلط ملط ہو جائیں گی۔

سرجان نے ان مقامات کو کمپنی کے حصے میں شامل کرلیا اور اس کے مساوی اور علاقہ ٹیپو کے حصہ میں دیدیا اس تقسیم سے کمپنی کے حصہ میں حسب ذیل علاقہ جات آگئے

علاقہ جات	آمدنی سالانہ
کالی کٹ مع ۶۳ تعلقہ جات	۸،۴۸،۷۶۵ - ۵ - ¼
پال گھاٹ چیری	۸۸،۰۰۰
ڈنڈیگول وپلناویر کلشی	۹،۰۰۰
سالم	۲۴،۰۰۰
کورگ	۸،۰۰۰
نمکول	۱۶،۰۰۰

سنکاگیری	۴،۰۰۰
بارہ محل	۶۴،۰۰۰
کاویری پٹن	۱،۰۰۰
ویریدی درگ	۸،۰۰۰
رائے کوٹہ	۸،۰۰۰
کان گونڈی	۶،۰۰۰
دارام پوری	۸،۰۰۰
دینا گیر	۱،۰۰۰
تنگری کوٹہ	۱۲،۰۰۰
کاویری پورہ	۸،۰۰۰
اتوروانکوٹ گیری	۱۸،۰۰۰
پیرمٹی	۱۴،۰۰۰
شادی منگلم	۲،۰۰۰
وخلم تور	۱۶،۰۰۰
میزان	۶۵،۱۶،۱۴ پگوڈا سکے ¼ - ۵ - ¼ -

اب سلطان کے وکلاء اور حیدر آباد کے نمائندوں میں حضور نظام کے حصے کی بابتہ سخت کلامی ہونے لگی۔ کیونکہ سالم کڈاپا، کھمم اور حصہ دوآب اور تنگرابلی کے تعلقے شامل کر لینے کے بعد حضور نظام کے حصے میں صرف ۱،۳۰ ہزار پگوڈا دینے رہ جاتے ہیں اور اس میں سے بھی گوٹی اور بلاری کا معاملہ ابھی فیصلہ طلب ہے جن کے مطالبہ پر اتحادی اصرار کر رہے ہیں کیونکہ یہ علاقے اُن کی جنوبی سرحد قائم کرنے کے واسطے ضروری ہیں۔ ان قلعوں اور اُن کے متعلقہ چند تعلقے کے معاوضے میں وکلاء سے کہا گیا کہ وہ کڈاپہ میں ہیں دیگر اور چینیوں کے اضلاع قبول کر لیں۔ سلطان کے وکلاء نے ان کے لینے سے قطعی انکار کیا کیونکہ اگر یہ مقامات لے لئے جائیں تو ٹیپو کے باقی ملک سے

یہ مقامات بہت دور جا پڑیں گے اور ان کی سرحد پر کالستری اور ونکٹاگیری کے راجاؤں کی عملداری ہے اور چونکہ یہ راجے نہایت شریر و مفسد اور جھگڑالو ہیں اور اس لئے اس قسم کے تنازعات پیش آنے کا احتمال ہے جیسے جھگڑوں سے موجودہ جنگ کو وقوع میں آگئی اور ایسے جھگڑے کے مقامات لینے سے تو ٹیپو اپنے دیگر علاقہ جات کے ساتھ ان کا دیدینا ہی گوارہ کریں گے۔

سلطان کے وکلاء اور حضور نظام کے نمائندوں میں بہت کچھ سخت کلامی ہونے کے بعد بھی حیدرآباد کے نمائندے اُن اضلاع کے دینے سے انکار کرتے رہے جو ٹیپو سلطان اپنے پاس رکھنا چاہتے تھے بالاخر ٹیپو کے وکلاء نے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ گوٹی اور بلاری کے لینے پر اصرار نہ کیجئے۔ میر عالم نے فرمایا کہ اگر لارڈ کارنوالس آپ کی اس تجویز کو پسند فرمالیں تو میں اور ہمارے وزیر صاحب اس پر اعتراض نہ کریں گے۔ سرجان نے اس تجویز کی مخالفت کی۔ زیادہ دیر ہوجانیکے باعث اجلاس برخاست ہوا اور یہ قرار پایا کہ لارڈ کارنوالس اور عظیم الامرا کی رائے اس کے بارے میں دریافت کی جائے اور سب لوگ کل صبح کو پھر تشریف لائیں۔

۱۶ مارچ۔ آج بوقت صبح سرجان نے میر عالم کو مطلع کیا کہ لارڈ کارنوالس کو گوٹی اور بلاری ٹیپو کے لئے چھوڑ دینے میں کوئی عذر نہیں ہے۔ میر عالم نے اپنے یہاں کے وزیر صاحب سے استصواب رائے کرنیکے بعد بیان کیا کہ ہمارے وزیر صاحب بھی لارڈ کارنوالس کی رائے کی تائید کرتے ہیں اگرچہ گوٹی کا ہمارے قبضہ میں رہنا ضروری ہے لیکن وہ گوٹی سے دست بردار ہو کر بدویل اور چیتول کو قبول کرلیں گے بشرطیکہ ٹیپو سلطان قلعۂ کرومنڈا اور اس کے ماتحت ایسے تعلقے ہمیں دیدیں جن سے ہمارا حصہ پورا ہو جائے۔ مرہٹوں کے نمایندے بھی جلسہ میں موجود تھے اسلئے اس تجویز پر خوب بحث و مباحثہ ہوا اور اگر حضور نظام اور مرہٹوں دونوں کے

نمائندے رضامند ہو جاتے تو ٹیپو کے لئے گوٹی کا چھوڑ دینا ضروری ہو جاتا
سرجان نے فرمایا کہ چونکہ ان قلعوں کا اتحادیوں کے قبضے میں رہنا
دانشمندانہ پالیسی میں داخل ہے اس لئے میں مرہٹوں کے نمائندوں
کے روبرو یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ ان قلعوں کی بجائے ہوآنور اور
بنکاپور کا ایک حصہ چھوڑ دینا مناسب ہے لیکن انھوں نے اس تجویز
سے قبول کرنے سے قطعی انکار کر دیا۔

پھر دوسری تجویز یہ پیش کی گئی کہ گوٹی کی بجائے ہم کرو منڈا وغیرہ
قبول کرلیں اور اگر اس میں بھی عذر ہو تو لارڈ کارنوالس کے راضی ہونے
پر گوٹی سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔ (۳۷)

مرہٹوں کے نمائندوں نے درخواست کی کہ مکمل صلحنامہ اب
پیش ہونا چاہئے اور جب صلحنامہ پڑھکر سنایا گیا تو ہری پنت نے
عرض کیا کہ اس میں ۳ ترمیمات یا اضافے کردیئے جائیں۔

(۱) دیباچہ میں سے الفاظ "ورثاء اور جانشین" محذوف کردیئے جائیں
(۲) یہ صلحنامہ پچھلے سب معاہدوں کی تصدیق و توثیق کرے البتہ
صرف وہ معاہدے مستثنےٰ رہیں جن کی ترمیم موجودہ صلحنامہ کے مفصلہ ذیل سے
ہوگئی ہے

(۳) سرنگاپٹم کے منادر کی جاترا کو جانے والے جاتریوں کی
حفاظت کی جائے۔

ان تجاویز کے متعلق سرجان نے فرمایا کہ آپ کی اول تجویز
منظور نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ یہ عام الفاظ ہیں اور اگر آپ کی نیت
بخیر رہے تو ان الفاظ پر آپ کو اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ مرہٹوں
کے وکلاء نے اس کا یہ جواب دیا کہ ہم ایسے الفاظ استعمال کرنیکے
عادی نہیں ہیں۔

دوسری تجویز کی بابتہ سرجان نے کہا کہ اسپر ہمیں کوئی اعتراض
نہیں ہے بشرطیکہ آپ اپنی چوتھ کا حق نہ جتائیں۔ اور یہ اعتراض

ناگزیر ہے کیونکہ موجودہ صلحنامہ کی رو سے علاقے مل جانے کے بعد چوتھ کے مطالبہ سے دست بردار ہو جانا چاہئے۔

تیسری تجویز کے متعلق سر جان نے کہا کہ اگر ٹیپو نے جانریوں کا اپنے دارالخلافت میں آنا پسند نہ کیا تو اس پر شرط کے لگا دینے سے ٹیپو کے ساتھ آیندہ بہت سے تنازعات پیدا ہو جائیں گے اور اگر اس نے پسند کیا تو یہ شرط محض بے سود ہوگی۔ المختصر اگر آپ اس معاہدہ کو ناپسند کرتے ہیں تو آپ ٹیپو کے ساتھ علیحدہ معاہدہ کر لیجئے۔

انھوں نے جداگانہ معاہدہ کرنے سے قطعی انکار کیا اور سر جان کی تائید کر کے عرض کیا کہ صلحنامے کی جو نقل ہمیں دیجائے گی اس میں ہم ورثا اور جانشینوں کے بجائے یہ الفاظ درج کرلیں گے کہ صلحنامہ تا قیام آفتاب و ماہتاب و کواکب قائم رہے گا۔ جانریوں کے مسئلہ کے متعلق ہم سلطان کے نام علیحدہ عریضہ ارسال کریں گے لیکن ہم سر جان سے بھی عرض کرتے ہیں کہ وہ براہ نوازش سلطان کو یہ نوازش کرنے کے لئے توجہ دلائیں۔

اب ٹیپو کے وکلا بھی آپہنچے اور گرومکمنڈا کے معاوضے میں گوٹی وغیرہ دینے کی تجویز اُن کے روبرو پیش کر دی گئی۔

اس تجویز پر مندرجۂ ذیل وجوہ کی بنا پر انھوں نے فوراً اعتراض کیا اور صاف انکار کر دیا کہ گورم کنڈہ چونکہ سلطنت میسور کا اول مفتوحہ شہر ہے اور وہاں پر حیدر علی کے سالہ (یا بہنوئی) میر صاحب کی ہڈیاں قلعہ کے نزدیک ایک قبر میں دفن ہیں۔ (۳۰۹)

لارڈ کارنوالس نے اپنی یہ توقع ظاہر کی کہ وزیر نظام اب گوٹی کو چھوڑ دیں گے اور سلطان کے وکلاء کو اطلاع دی گئی کہ آپ کے پیش کئے ہوئے اعتراض کو قبول کر لیا جائے گا جملہ نمائندوں نے اب علاقہ جات کی تقسیم شروع کر دی جو تبادلے میں لئے جانیوالے تھے

پرگنہ جات کے مبادلے پر بہت کچھ سخت کلامی ہوئی بالآخر ہر ایک کا وہی حصہ قرار پایا جو صلحنامہ میں درج کیا گیا تھا۔ سلطان کے وکلاء صلحنامہ لیکر حاضرین کی اجازت سے قلعۂ معلیٰ کو چلے گئے اور وعدہ کیا کہ کل صبح اس کی تعمیل کر کے ہم واپس آجائیں گے۔ سرجان نے انہیں متنبہ کردیا کہ اس میں ایک نقطہ بھی ترمیم نہ کیا جائے کیونکہ معاملات اسقدر نازک ہیں کہ ترمیم و تنسیخ کا انجام بہت برا ہوگا۔

۱۷ مارچ۔ وکلاء کے متعلق ۴ بجے شام تک کوئی خبر نہ ملی پھر محمد علی نے یہ اطلاع دی کہ وہ کچھ اور خزانہ لیکر جلد آتے ہیں۔ ۶ بجے شام کو سرجان کے نام وکلاء کا ایک عریضہ آیا جس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ہم نے صلحنامہ ٹیپو سلطان کے حضور میں پیش کردیا اور آپ سے یہ شکایت کرتے ہیں کہ پرسرام بھاؤ کی سپاہ نے لوٹ مار اور ظلم و زیادتی کر رکھی ہے سرجان نے جواباً تحریر کیا کہ پرسرام بھاؤ کی زیادتیوں کی اطلاع لارڈ کارنوالس کو دیدی گئی اور ان حرکات سے آئندہ وہ باز رکھا جائے گا اور ہم آپ کو متنبہ کئے دیتے ہیں کہ اگر مزید تاخیر یا صلحنامہ میں ایک نقطہ کی بھی تبدیلی کی گئی تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔

۱۸ مارچ۔ وکلاء بوقت ۳ بجے سرجان کے خیمہ پر آگئے اور وہاں حضور نظام کے نمائندے بھی تشریف فرما تھے۔ مرہٹوں کے نمائندوں کو بلوایا گیا مگر وہ موجود نہ تھے۔ سلطان کے وکلاء نے پرسرام بھاؤ کی شکایتیں پیش کرنی شروع کیں اور ان کی گفتگو کے دوران ہی میں ٹیپو سلطان کا ایک مراسلہ موصول ہوا جس میں سٹرک سیرا پر پرسرام بھاؤ کی زیادتیوں کی مفصل کیفیت درج تھی کہ اس نے جبریہ روپیہ وصول کیا رعیت کو مارا پیٹا اور مقید کرلیا اور وہ ۶۳ اونٹ اور ۳۰۰۰ بیل وغیرہ لے گیا ہے۔ سرجان نے جواب دیا کہ نواب گورنر جنرل بہادر ان زیادتیوں کے انسداد کے لئے اپنی پوری قوت سے کام لیں گے لیکن یہ حادثے تمہارے آقا کی بدعہدی کی بدولت وقوع میں آئے ہیں

(۳۹)

کیونکہ انھوں نے تاکید اور تنبیہ پر بھی قلعہ کی مرمت وغیرہ کو بدستور جاری رکھا اور اسی کے باعث لارڈ کارنوالس نے پرسرام بھاؤ کو دریا کے عبور کرنے کی اجازت دیدی تھی۔ وکلاء نے اس کو باور کرنے سے انکار کیا لیکن سرجان نے ایک نقشہ پیش کیا جو نہایت معتبر روزانہ کی اطلاعات سے تیار کیا گیا تھا اور جس میں مرمت وغیرہ کی کیفیت تفصیل کے ساتھ دکھائی گئی تھی۔

وکلاء نے پھر صلحنامہ کی صاف شدہ اور دستخط شدہ نقول پیش کیں جن کا مقابلہ تصحیح اور نظر ثانی ہو چکی تھی ان میں دو اہم فروگذاشتیں پائی گئیں جن کا اندراج ٹیپو کی خاص اجازت کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔ انھوں نے سالم۔ تمکول وغیرہ کے قلعے حوالہ کئے جانے کے متعلق سلطان کے ۹ احکام بھی پیش کئے۔ قرار پایا کہ کل شہزادے ۳ عہدنامے لارڈ کارنوالس کے حضور میں پیش کریں اور حضور نظام و مرہٹوں کے نمائندوں سے استدعا کی گئی کہ وہ بھی تشریف لائیں

۱۹ مارچ۔ مرہٹوں کے نمائندوں نے آج بوقت صبح صلحنامے میں اضافہ کرنے کے واسطے یہ شرط ارسال کی کہ حکومت میسور کے ساتھ جس قدر معاہدے ہو چکے ہیں اُن کی تصدیق اور توثیق کیجاتی ہے۔ سرجان نے جواباً تحریر کیا کہ چونکہ ٹیپو نے صلحنامہ کی تصدیق اور اسپر اپنے دستخط کردئے ہیں اس لئے اب ترمیم کا وقت باقی نہیں رہا ہے اور لارڈ کارنوالس صلحنامے میں اس قسم کا اضافہ ہونے کے لئے صلحنامہ واپس نہیں کریں گے اور آپ سرکاری حیثیت سے گورنر جنرل بہادر کے خیمے پر تشریف لائیے اور اور شہزادوں کے ہاتھ سے معاہدہ کی نقل لے لیجئے۔ انھوں نے (۴۰) یہ جواب دیا کہ ہم ہری پنت سے دریافت کرلیں کیونکہ بغیر اُنکی اجازت کے ہم حاضر نہیں ہو سکتے ہیں۔ سرجان کی کسی دلیل سے بھی وہ اپنی رائے تبدیل کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے اور شہزادے بھی

صلحنامہ پیش کرنے اور جلسہ کے برخاست ہو جانے کے بعد گوبندراؤ آیا لارڈ کارنوالس نے عہدنامہ اس کے حوالہ کیا اس نے کہا کہ یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اس میں ہری پنت چند اعتراضات جو وہ خود گورنر جنرل بہادر سے مل کر اگر وہ وقت مقرر کریں بیان کریں گے۔ لارڈ کارنوالس نے کہا کہ وہ بخوشی مجھ سے اس کے متعلق تبادلہ خیالات کر لیں۔

دربار برخاست ہو جانے کے بعد گوبند راؤ کشن نے لارڈ کارنوالس سے گفتگو کی بالآخر قرار پایا کہ جن شرائط کے اندراج کی آپ خواہش کرتے ہیں ان کے متعلق ہری پنت ہم سے ملکر تبادلہ خیالات کر لیں۔

۲۰ مارچ۔ علی رضا نے سرجان کی خدمت میں ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں پرسرام بہاؤ کی مسلسل چیرہ دستیوں کی شکایت تھی۔ اسکے جواب میں سرجان نے لکھا کہ بہاؤ کو روکنے کے واسطے میں نے اپنی امکانی کوشش صرف کی ہے اور اسے آج اپنے اصلی مقام پر واپس آجانے کا حکم دیدیا گیا ہے یقیناً وہ کل تک اپنے مقام پر واپس آجائے گا اور یہ بھی بیان کیا گیا کہ بہاؤ کے سپاہیوں کی طرح ٹیپو کے بیدی اور پنڈاری بھی دست درازیاں کر رہے ہیں۔

ہری پنت نے شام کے وقت لارڈ کارنوالس سے ملاقات کی اور صلحنامے کو بشکل موجودہ منظور کر لیا اور چونکہ اس کی نقل اسکے یہاں کل صبح تک تیار نہیں ہو سکتی تھی اس لئے لارڈ کارنوالس نے مختلف اتحادی سلطنتوں سے نقول موصول ہونے کے لئے ۲۲ مارچ مقرر کی۔

۲۱ مارچ۔ سرجان کینی وے نے میر عالم اور بھیکاجی پنڈت کو تحریر کیا کہ معاہدہ کی نقول سرکاری طور پر حوالہ کر دی جائیں۔

۲۲ مارچ۔ آج صبح کے وقت حضور نظام اور مرہٹوں کے نمائندے

سر جان کے خیمہ میں تشریف لائے اور نواب گورنر جنرل بہادر کی آمد پر یہ نمائندے لارڈ موصوف کے ہمراہ شہزادوں کے خیمے پر تشریف لے گئے اور مختلف سلطنتوں کی جانب سے توپوں کی سلامی سر ہونے پر صلحنامے کی مصدقہ نقول ان کے حوالے کردی گئیں۔ رسمی اداب و کورنش کے بعد سر جان نے علی رضا کو اطلاع دی کہ قلعہ جات ٹیپو کے حوالے کئے جانے کی بابت احکام تیار ہورہے ہیں اور عرض کیا کہ کشن گڈھی اور سنگاگیری وغیرہ کے قلعہ جات کمپنی کے حوالے ہونیکے متعلق بھی باقی ماندہ احکام مرحمت فرمائیے۔ علی رضا نے بیان کیا کہ ان کے متعلق احکام تیار تھے لیکن عجلت میں وہ رہ گئے اس کے بعد اس نے سر جان سے یہ استدعا کی کہ مرہٹوں پر لارڈ کارنوالس کا اثر ڈلوائیے تاکہ اسیران جنگ اور بالخصوص ہرداس دیوان دار دار رہا کردئے جائیں اور مرہٹوں اور حضور نظام کا جو روپیہ ہمارے ذمہ واجب الادا ہو انہیں سے ہم ۲۰ فی صد وضع کرلیں جیسا کہ ریاستوں کے مابین روپیہ کے لین دین میں وضع کرلینے کا عام دستور ہے۔ چونکہ لوگوں کا زیادہ مجمع تھا اس لئے لارڈ کارنوالس نے یہ تجویز پیش کی کہ اب جلسہ برخاست کیا جاتا ہے اور مناسب ہوگا کہ ہم ان معاملات کو سر جان کے خیمہ میں چل کر آپس میں طے کرلیں۔

ٹیپو کے وکلاء نے ہرداس کی رہائی کا مطالبہ کرکے گفتگو کا آغاز کیا اس کے جواب میں لارڈ کارنوالس نے ارشاد فرمایا کہ جنگ سے بڑی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اور ہرداس جیسے مقتدر شخص کو ناراض آقا کے سپرد کردینے سے ان مصیبتوں میں اور اضافہ ہوجائے گا جو اپنی خوشی سے مرہٹوں کی پناہ میں چلا گیا ہے اور مرہٹوں نے اُسے جبر یہ اپنے قبضے میں نہیں رکھ چھوڑا ہے اس لئے وہ قیدی متصور نہیں ہوسکتا ہے اور اس لئے صلحنامے میں اسیران جنگ کی

رہائی کی جو شرط ہے وہ اس پر منطبق نہیں ہوتی ہے۔

سلطان کے وکلاء نے اس بات کو تسلیم کر لیا کہ ہرداس اپنی خوشی سے مرہٹوں کے یہاں ملازم ہو گیا ہے اور وہ بطیب خاطر ٹیپو کے پاس آنا گوارہ نہ کرے گا مگر چونکہ اُس کے ذمہ تیس۔ چالیس لاکھ روپیہ باقی ہے اور اپنے آقا سے دغا کر کے وہ اسی تغلب کے باعث چلا گیا ہے۔ وہ بدرالزمان خاں کی ماتحتی میں قلعہ میں محصور تھا (۴۲) اور اس نے دیگر محصورین کے ساتھ چند شرائط پر اطاعت قبول کر لی لیکن پرسرام بھاؤ نے ان شرائط کی خلاف ورزی کی اور محصورین کو لوٹ گھسوٹ کر انھیں قید کر لیا اس کے علاوہ ان پر اور بھی زیادتیاں ہوئیں اور ان وجوہ سے ہرداس کو چلے جانے کا موقع اور بہانہ مل گیا اور اسی وجہ سے ہم اسے اسیران جنگ کے زمرہ میں شمار کرتے ہیں۔ لارڈ کارنوالس نے محصورین درور کے اطاعت قبول کرنے یا بیوفائی کرنے کی بحث میں پڑنے سے انکار کر دیا میرے خیال میں واقعہ صرف اسقدر ہے کہ وہ اپنے آقا کو چھوڑ کر اپنی خوشی سے چلا گیا اس لئے صلحنامہ کی رو سے اُس کی حوالگی کی شرط نہیں لگ سکتی ہے گویندراؤ نے بیان کیا کہ ہری پنت اس بات پر تیار ہیں کہ وہ ہرداس کو لارڈ کارنوالس کے خیمے میں پہونچا دیں اور اگر وہ چاہے تو ٹیپو کے پاس واپس چلا جائے۔ اس مسئلے پر آیندہ بحث کو بند کرنے کے لئے لارڈ کارنوالس اپنے پہلے جواب پر قائم رہے۔

اس کے بعد انھوں نے دس فیصد وضعات کے مطالبے پر بحث چھیڑی۔

لارڈ کارنوالس نے فرمایا کہ مجھے تو کوئی ایسا دستور معلوم نہیں ہے اس پر سلطان کے وکلاء نے حضور نظام اور مرہٹوں کے نمائندوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر آپ لوگ اس دستور کے وجود سے

انکار کردیں تو ہم اپنے اس مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں گے
اس پر لارڈ کارنوالس نے کہا کہ معاہدہ پر عملدرآمد ہونے کے لئے ہم
اپنے افسران بالادست کو جوابدہ ہیں اور معاہدہ میں تو اس قسم کی
وضعات کا کوئی تذکرہ درج نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ انگریزوں
کی حکومت کے درمیان روپیہ کے لین دین کا یہ نیا معاملہ ہے
اس لئے آپ ہم سے تو اس کے مطالبہ پر اصرار نہیں کر سکتے ہیں
لیکن بقیہ دو سلطنتوں کے لین دین میں یہ معمولی بات ہے اور سب
اسے سمجھتے ہیں۔
لارڈ کارنوالس نے کہا کہ میں اس میں دخل دینا نہیں چاہتا
اگر ہری پنت اور دوسرے وزیر راضی ہیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں
میر عالم نے کہا کہ ریاست میسور اور مرہٹوں کے درمیان
اس کا رواج عام طور پر ہے لیکن ہماری ریاست میں اس کا رواج
مطلق نہیں ہے اور جب مرہٹوں کے نمائندوں نے کہا کہ ہم یہ معاملہ
ہری پنت کے روبرو پیش کریں گے تو میر عالم نے فرمایا کہ عظیم الامرا (۴۳)
کے روبرو اس کا پیش ہونا محض بے سود ہے کیونکہ وہ صاف
انکاری جواب دیں گے۔
اب اس کی بحث ختم ہوگئی اور وکلاء یہ خیال
لے کر چلے گئے کہ کوئی حسابات وضعات دینے پر
رضامند نہ ہوگی۔
سر جان نے شام کے وقت ٹیپو کے وکلاء کو
اسیران جنگ کی رہائی کے واسطے مراسلہ تحریر کیا جو
ابھی تک مقید تھے۔ ان میں علاوہ دیگر اصحاب
کے فان بلینک (Fonblanque) اور ہور (Hoare) دو افسران
بمقام مڈگیری مقید تھے۔
پھر اجلاس برخواست ہوگیا اسکے ذری دیر بعد اتحادیوں کی

فوجوں نے اپنی اپنی سرحدوں کی جانب کوچ کرنا شروع کردیا اور پھر لارڈ کارنوالس اور سلطان کے درمیان بجز خوش اخلاقی ظاہر کرنیکے کوئی اور گفتگو نہیں ہوئی۔

ٹیپو سلطان نے شفاخانہ سے مریضوں کے لئے جانیکے واسطے بہت سی ڈولیاں اور کہار بھیجدیئے کیونکہ سرنگاپٹم کے محاصرہ کے دوران میں مریضوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا تھا۔
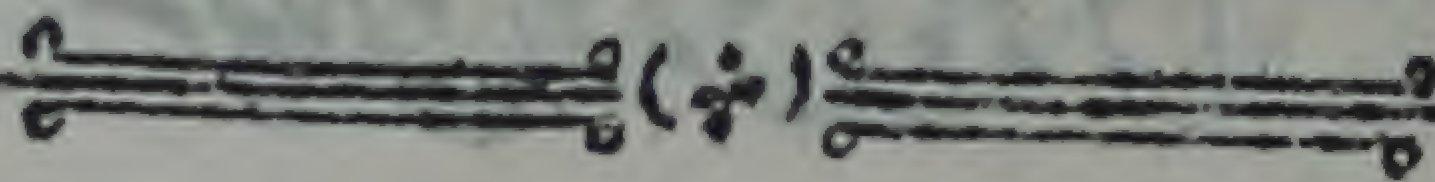
ضمیمہ نمبر (۲)

سرجان شور کی یادداشت

از مقام کلکتہ مورخہ ۱۸ فروری ۱۷۹۵ء

اگرچہ مرہٹوں اور فرمانروائے دکن کے درمیان سردست لڑائی بند ہے لیکن فطرتاً حکومت ان واقعات پر غور کر رہی ہے جن کے وقوع میں آنے کا امکان موجود ہے اور جن سے کہ ہندوستان کے سیاسی معاملات کی کایا پلٹ ہو جائے گی۔ ابھی یہ طے ہو چکا ہے کہ اگر ہندوستان کی ایک ریاست دوسری سے برسر جنگ ہو تو کسی معاہدہ کی رو سے ہم اس کے پابند نہیں کہ ہم نبرد آزما ریاست کا ساتھ دیں۔

۴۴

سرجان شور نے اپنی اس یادداشت میں سلطنت آصفیہ کو ۱۷۹۵ء میں مرہٹوں کے خلاف امداد نہ دینے کے لئے اپنے دلائل پیش کئے ہیں اور یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اتحاد ثلاثہ ۱۷۹۰ء کی رو سے کمپنی پر اس قسم کی امداد نہ لازم تھی اور نہ اس کا یہ منشا تھا۔

سرجان میلکام نے باب سوم جلد اول میں ان دلائل کی تردید کی ہے اور سرجان شور کے مسلک کو انصاف، مصلحت نیز کمپنی کے مفاد کے خلاف ثابت کیا ہے لہٰذا اس یادداشت کا مطالعہ مندرجہ بالا باب کیساتھ کیا جائے تاکہ اس مسئلہ کے دونوں پہلو پیش نظر رہیں۔ (مترجم)

برطانیہ کے قوانین نے بھی ہم کو ایسی لڑائی میں مداخلت کرنیکی ممانعت کردی ہے جس کے باعث جنگ میں ہماری شرکت لازمی ہو جائے اس فیصلے کے بعد جبکہ صرف سلطنت آصفیہ اور مرہٹوں کے درمیان اختلافات ہیں ہمیں یہ اندیشہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں کہ ہمیں اپنے فیصلے کے خلاف عمل کرنا ہوگا لیکن بفرض محال اگر ان کے اختلافات بڑھتے بڑھتے جنگ کی صورت اختیار کرلیں اُس وقت ہمیں یہ سوچنا ہوگا کہ ایسی صورت میں ہم کیا کریں۔

اگر حضور نظام اور پیشوا کی لڑائی کے دوران میں ٹیپو سلطان پیشوا کا ساتھی بن کر یا بذاتِ خود والی حیدرآباد کے علاقے پر حملہ کردے تو ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا چاہئیے۔

اس مسئلے کے متعلق حضور نظام اور مرہٹوں کے ساتھ ہمارے دو معاہدے پنگول اور پونا میں بماہ جون و جولائی ۱۷۹۰ء ہو چکے ہیں اور جو مدافعانہ و جارحانہ اتحاد کے نام سے موسوم ہیں۔

حضور نظام کے ساتھ جو معاہدہ ہوا تھا اُس کے مقدمہ میں تین فریق درج ہیں اور اتحاد ٹیپو سلطان کے خلاف کیا گیا تھا۔

۴۵

اول شرط میں ۳ ریاستوں کے مابین گذشتہ معاہدوں کی توثیق درج ہے اور دوسری شرط میں یہ تحریر ہے کہ چونکہ ٹیپو نے جن سلطنتوں کے ساتھ معاہدے کئے تھے اُن کے ساتھ بدعہدی کی اس لئے یہ سلطنتیں باہم ملکر ایک اتحاد قائم کریں تاکہ اپنی پوری قوت سے کام لیکر ٹیپو کی گوشمالی کریں اور آیندہ کے لئے امن عامہ میں خلل ڈالنے کے جملہ وسائل سے ہم ٹیپو کو محروم کردیں۔

شرط ۳ سے لیکر شرط ۹ تک جنگ شروع کرنے اور اسکے متعلقہ اغراض و مقاصد سے تعلق رکھتی ہیں اور ان ہی میں مفتوحہ علاقے کی تقسیم اور پھر صلح کرنیکا طریقہ درج ہے اور معاہدۂ پنگول (Paungal) کی شرط ۱۰ وہی ہے جو معاہدہ پونا کی شرط ۱۳ تھی۔ اس کے الفاظ

حسب ذیل ہیں۔
"اگر ٹیپو کے ساتھ صلح ہو جانے کے بعد اگر وہ معاہدہ کرنیوالی کسی طاقت پر حملہ کرے یا اُسے نقصان پہونچائے تو دیگر جماعتیں اُسکی گوشمالی کرنے کے واسطے آپس میں اتحاد کرلیں گی اس اتحاد کی شرائط اور طریقہ کو وہ بعد میں باہم طے کریں گی"۔

معاہدے کے مرقومۂ بالا اقتباس سے صاف معلوم ہو گیا کہ تین سلطنتوں نے ایک خاص مقصد کے لئے اتحاد و اتفاق کیا تھا اور اُس میں آئندہ کے لئے ہر ایک فریق کی ایک مشترکہ دشمن سے حفاظت کرنے کا انتظام بھی موجود ہے۔

نہایت احتیاط کے ساتھ اس معاہدہ کی پابندیوں کی نوعیت معلوم کرنے کے واسطے میں معاہدہ ہونے سے پیشتر کی کارروائی کی طرف توجہ کرتا ہوں اور محولۂ بالا شرط پر غور کرتا ہوں جو لڑائی کے بعد قرار پائی ہے۔

ہماری حکومت نے اس خبر کے موصول ہونے پر کہ ٹیپو نے راجہ ٹراونکور کے علاقے پر حملہ کر دیا ہے اپنے رزیڈنٹ متعینۂ حیدرآباد و پونا کو ہدایت کی کہ ہم نے اپنے حلیف کی حمایت کرنے کا تہیہ کرلیا ہے اس لئے سلطنت حیدرآباد و پونا کے روبرو یہ تجویز پیش کرو کہ ٹیپو کے خلاف وہ ہم سے اشتراک عمل کریں۔

رزیڈنٹ متعینۂ پونا نے اس ہدایت کے موصول ہونے سے پیشتر ہی بغیر درخواست کئے ہوئے دربار پونا کا یہ ارادہ معلوم کرلیا تھا کہ ٹیپو کے خلاف جنگ میں کمپنی کا ساتھ دینے کے لئے وہ تیار ہے اس لئے بغیر کسی استدعا اور ایثار کے اولاً مرہٹوں نے ہم سے اتحاد کرنے میں پیش قدمی کی۔

رزیڈنٹ متعینۂ حیدرآباد نے حضور نظام کو مطلع کیا کہ ٹیپو سلطان نے بلا اشتعال راجہ ٹراونکور کے علاقے پر حملہ کر دیا ہے اور ہماری حکومت

۴۶

اس کی حمایت کرے گی اور حضور نظام کے اشتراک عمل کی متوقع رہے
اعلیحضرت نظام دکن نے بے تامل جواب دیا کہ پیشوا سے ملاقات کرنے
اور اس سے حملہ کرنے کی تدابیر کی بابت طے کرکے میں نے ٹیپو پر
حملہ آور ہونے کا خود ارادہ کرلیا ہے اور خوش قسمتی سے گورنر جنرل
کا ارادہ میری تجویز کے موافق ہے اس سے بہت عرصہ پیشتر ہی میرا
قصد ٹیپو پر حملہ کرنے کا تھا اور میں نے اپنے اس ارادہ سے پیشوا کو
مطلع کردیا تھا۔

بہرحال حضور نظام نے انگریزوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے اور
بغیر پیشوا کا ارادہ معلوم کئے ہوئے اور اپنے ارادہ سے پیشتر ہی
جنگ چھیڑنے کا اعلان کردیا۔

اس اعلان کے بعد حضور نظام نے رزیڈنٹ سے دریافت کیا کہ
جس وقت میری فوجیں کمپنی کی اعانت کر رہی ہوں اور ان کی عدم
موجودگی میں اگر ٹیپو کی فرمائش سے پیشوا میرے ملک پر حملہ کردے
تو ایسی صورت میں کمپنی کیا کارروائی کرے گی۔

رزیڈنٹ نے اسکا فوراً یہ جواب عرض کیا کہ حضور کی ریاست
کی حفاظت کے لئے کمپنی کو اپنی ساری ہستی قربان کردینی چاہیئے۔

اس کے بعد حضور نظام کے وزیر نے لارڈ کارنوالس سے یہ مطالبہ
کیا کہ آپ اپنے کسی خط میں یہ تحریر کر دیجئے کہ اگر ٹیپو سے جنگ
ہونے کے دوران میں اگر کوئی سلطنت حضور نظام کی مملکت میں نقص امن
پیدا کرنے کا تہیہ کرے گی تو اس کا ارادہ کمپنی کی عملداری میں نقص
امن پیدا کرنے کے مرادف تصور کیا جائے گا۔

وزیر مذکور نے پیشتر ہی اپنی یہ رائے ظاہر کردی تھی کہ مدافعانہ ۴۷
اتحاد عام ہونا چاہیئے اور حضور نظام اور ان کے وزیر دونوں نے ہماری
حکومت کے ساتھ قریبی تعلقات کرنے پر اپنی پوری آمادگی ظاہر کردی
تھی گورنر جنرل کے مراسلہ مورخہ ۲۱ اپریل سنہ ۱۷۹۰ء بنام رزیڈنٹ متعینہ

حیدر آباد کے حسب ذیل اقتباس سے اس معاملے کے متعلق کافی معلومات حاصل ہوتی ہے۔

"آپ موقع نکال کر حضور نظام اور عظیم الامراء سے عرض کر دیجئے کہ آپ نے جیسی فیاضی کے ساتھ کمپنی کی حمایت کے لئے میری تجویز کو قبول فرمایا ہے اور جیسی خندہ پیشانی اور دیانت داری کے ساتھ ہمارے ساتھ اتحاد کرنے کی شرائط پر آپ نے بحث کی ہے اس کا میں تہ دل سے شکر گذار ہوں اور نہایت پُرزور الفاظ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مجھ پر یہ نوازش کرنے کے بعد آپ کو کبھی متاسف ہونے کا موقع نہ ملے گا اور میں اپنی دوستی اور وفاداری کا ثبوت دینے کے لئے ہر ایک موقع کی تاک میں رہوں گا۔"

حضور والا اپنی اس تجویز پر کہ اگر مرہٹے حضور سے کوئی ناجائز مطالبہ کریں تو میں حضور کی جانب سے اس میں دست اندازی کروں اگر کامل غور فرمائیں گے تو حضور کو صاف صاف معلوم ہو جائے گا کہ چونکہ مرہٹے خود بطیب خاطر ہمارے اتحاد میں شریک ہوئے ہیں ایسی صورت میں یہ گمان کرنا میرے واسطے نامناسب ہے کہ وہ اپنے ہی ایک دوست کے ساتھ بیوفائی اور ناانصافی کریں گے اور ان سے اس قسم کی ضمانت طلب کرنا انھیں نہایت ناگوار اور مضرت ناک معلوم ہوگا۔

لیکن حضور نظام کو اس امر کا ثبوت دینے کے لئے کہ ان کے فائدہ کے لئے میں ہر ایک امکانی اور جائز کوشش کرنے پر آمادہ ہوں اور ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کی خاطر آپ حضور نظام کو اطلاع دیدیں کہ اگر مرہٹوں کو اعتراض نہ ہوا تو میں اس معاہدہ میں یہ شرط اور بڑھا دونگا کہ اگر دو اتحادیوں میں کچھ اختلاف واقع ہوگا تو تیسری حکومت اسمیں مداخلت کرے گی اور اپنی امکانی کوشش سے مناسب اور پسندیدہ فیصلہ کراوے گی اور آپ حضور نظام۔ عظیم الامرا اور میر ابو القاسم سے

عرض کر دیجئے کہ اگر حکومت پونا اس شرط پر راضی ہو گئی اور بعد کوئی ایسا معاملہ پیش آیا جس میں میری مداخلت کی ضرورت لاحق ہو گی تو آپ دیکھینگے کہ میں حضور نظام کو ہر قسم کے نقصان سے بچانے کے لئے اپنی پوری طاقت اور کوشش صرف کر دونگا۔"

معاہدہ سے پیشتر کی کارروائی کا یہ خلاصہ ہے۔ اب صرف یہ بیان کرنا باقی ہے کہ سرنگا پٹم سے صلح ہو جانے کے بعد کیا حالت پیدا ہوئی ہری پنت نے مرہٹوں کی جانب سے اور عظیم الامرا نے بجانب حضور نظام لارڈ کارنوالس کے روبرو یہ تجویز پیش کی کہ پونا اور پنگول کے معاہدات کی دفعات ۱۳ و ۱۶ کی وضاحت کے لئے ایک جدید معاہدہ مرتب کیا جائے تاکہ ہر ایک فریق کو صراحت کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ اگر ٹیپو کسی فریق پر حملہ یا تشدد کرے تو ایسی صورت میں ہم سب کیا کارروائی کریں گے اس مسئلہ پر جو گفت و شنید ہوئی اُسکے تفصیل سے بیان کرنا غیر ضروری ہے صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ رزیڈنٹ صاحبان کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ اگر مندرجۂ توضیح کے قبول کرنے میں آپ کے متعلقہ دربار تامل یا مخالفت کریں تو اپنے اپنے متعلقہ دربار کی خدمت میں یہ تحریری اعلان پیش کر دیجئے کہ "اگر بغیر کسی صاف اور صریح اشتعال کے ٹیپو سلطان ہم میں سے کسی ایک فریق پر حملہ کر دے تو ہم تینوں فریقوں پر لازم ہو گا کہ ہم اپنی اجتماعی قوت سے ٹیپو کے خلاف کارروائی کریں لیکن کسی دوسری صورت میں کسی فریق پر اسکی پابندی لازم نہ ہو گی۔"

لارڈ کارنوالس نے ایک توضیحی عہد نامہ کا مسودہ مرتب کر کے رزیڈنٹ صاحبان متعینۂ حیدرآباد و پونا کے پاس روانہ کر دیا اور انھوں نے اپنے اپنے متعلقہ دربار کے وزرا کو اُس کے معنی و مطالب سمجھا دیئے۔ مرہٹوں نے اس پر غور کرنے کے لئے مہلت طلب کی لیکن عظیم الامرا نے کفالتی معاہدہ کو قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تاوقتیکہ کرنول کے متعلق

حضور نظام کے ارشاد کی تعمیل نہ ہو جائے لیکن بعد ازاں وزیر موصوف نے مرہٹوں کا ارادہ معلوم کرنے کا انتظار تک نہ کیا اور اپنی رائے واپس لیکر لارڈ کارنوالس کی تجویز سے اپنی رضا مندی ظاہر کردی اور پھر مرہٹوں نے توضیحی معاہدہ کا خود ایک مسودہ مرتب کیا اور بغیر کسی فیصلہ کے یہ بحث اس طور پر ختم ہو گئی کہ مرہٹوں کے وزیر نے یہ قابل اطمینان اعلان شائع کردیا کہ ہماری سلطنت موجودہ معاہدوں پر بطیب خاطر عملدرآمد کرنیکے لئے تیار ہے اور حضور نظام نے لارڈ کارنوالس کے مجوزہ مسودہ کو صاف الفاظ میں منظور کرلیا۔

اب میں ان دلائل پر غور کرتا ہوں جو آپنے قیاسی مفروضات کے وقوع میں آنے کی صورت میں حضور نظام ہماری امداد طلب کرنے کے واسطے پیش کرسکتے ہیں۔

اگر ٹیپو بغیر کسی معقول وجہ یا اشتعال کے حضور نظام کے علاقے پر حملہ کرے تو اس معاہدہ کی رو سے ہماری اور مرہٹوں کی امداد حاصل کرنیکے مستحق ہیں اگر کوئی ایک فریق معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو اس سے دوسرے فریق اپنے فرائض سے سبکدوش نہیں ہوسکتے ہیں جو عہدنامہ نے ان پر عائد کئے ہیں اور اگر کوئی فریق ٹیپو کے خلاف آپ کی امداد کرنے سے انکار کرے تو ہم پر لازم ہوگا کہ ہم مل کر اس فریق کو مجبور کریں کہ وہ معاہدہ کی شرائط کی پابندی کرے۔ امداد دینے کی شرط کے الفاظ نہایت صاف اور واضح ہیں اور اس میں ایسی کوئی صورت یا شکل درج نہیں ہے جس کی بنا پر ہم الگ تھلگ رہنے کے مستحق ہوسکیں۔

حضور نظام نے ہماری نیک نیتی کا اعتبار کرکے یہ معاہدہ کیا ہے کیونکہ وہ مرہٹوں کی غداری سے نہ صرف آگاہ تھے بلکہ ابتدائی گفت وشنید میں انھوں نے اپنے شبہات وشکوک ظاہر کردئے تھے۔ خواہ مرہٹے اس معاہدے کے فریق بنتے یا نہ بنتے اس وقت ہماری ضرورت

ان سے اتحاد کرنے پر ہمیں مجبور کرتی اور اس میں شک و شبہ نہیں ہو سکتا ہے کہ اگر وہ صریح الفاظ میں جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ کرنے پر اصرار کرتے تو ان کی بات ہمیں ماننی پڑتی تھی۔ اگر اس سبب سے کہ مرہٹوں نے معاہدے کی پابندی نہیں کی ہے یا کسی دیگر وجوہ یا اپنی حکمت عملی یا سہولیت کے لحاظ سے ہم معاہدے کی پابندی سے منکر ہونے کے لئے اپنے کو آزاد تصور کریں تو وہ اعتبار اٹھ جائے گا جو معاہدات کو برقرار رکھنے کی بیخ و بنیاد ہے کیونکہ نہایت متبرک اور مقدس ذمہ داریوں سے روگردانی کرنے کے لئے بھی بہانہ مل سکتا ہے۔ ۵۰

ٹیپو کی زیادتی مرہٹوں کی تائید یا بلا تائید کے ہو سکتی ہے اور دونوں صورتوں میں ہمیں اس کی مخالفت کرنی لازم ہے اور خصوصاً جبکہ وہ پیشوا کا حلیف بنکر حضور نظام کے خلاف میدان میں آئے، کیونکہ اس قسم کے اتحاد سے زیر بحث عہد نامے کی صریح اور سخت توہین ہوگی جس کی مخالفت کرنا ہمارا فرض منصبی ہوگا۔ ان دلائل کا حسب ذیل جواب دیا جا سکتا ہے کہ اپنی شرائط کے لحاظ سے یہ نہایت واضح اور صاف عہد نامہ ہے۔ جس میں تین سلطنتوں نے باہم مل کر ایک کھلے مشترک دشمن کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی حفاظت کرنے کی اپنے پر ذمہ داری لی ہے اور یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ اس عہد نامے سے جو ذمہ داری لازم آئی ہے اسے تینوں اتحادی مشترکہ کوشش اور اشتراک عمل سے برقرار رکھیں گے اسی اصول کو قائم رکھنے سے تینوں سلطنتوں کی رضامندی اور اتفاق رائے سے جملہ تصریحات اور کارروائیاں عمل میں لانی چاہئیں جو اس معاہدہ سے پیدا ہوتی ہیں چونکہ اس معاہدہ کا اصول اساسی تینوں اتحادیوں کا اتفاق ہے اس لئے جو پابندیاں اور ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کے واسطے اس اتحاد یا دوستی کو مسلسل برقرار رکھنا لازمی اور ضروری ہے اور دو فریقوں کے آپس میں برسر پیکار ہونے سے جملہ فریقوں کی حیثیت بالکل بدل جاتی ہے۔

ایسی صورت میں کہ دو فریق آپس میں برسرپیکار ہوں اور از انجملہ ایک فریق ٹیپو سے اتحاد کرلے تو اس معاملے پر غور کرنیکے لئے اُن وجوہ کو دیکھنا ضروری ہوگا جن کی بنا پر وہ دونوں فریق برسرپیکار ہیں۔ کوئی معاہدہ اس قدر سخت نہیں ہوسکتا جس کی رو سے ایک فریق کسی حالت میں بھی اپنی حفاظت کی ضرورت سے اتحاد قائم کرنے کا مجاز نہ ہو بفرض محال اگر حضور نظام اور پیشوا کے درمیان لڑائی ہوجائے جس میں ایک فریق حق بجانب ہے اور دوسرا فریق بلا کسی اشتعال یا زیادتی کے مجبوراً شریک ہوا ہے تو ذاتی حفاظت کے واسطے مظلوم فریق کا ٹیپو سے اتحاد کرلینا جائز ہوگا۔ اور اس کے برعکس اگر اتحادیوں میں سے کوئی ایک فریق اپنی خودغرضی کے لئے ٹیپو سے مل جائے گا تو یہ بات عہدنامہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی تصور کیجائیگی۔ اس دلیل کا نتیجہ واقعات کے لحاظ سے حضور نظام کے خلاف نکلتا ہے چونکہ انھوں نے بیدر کی جانب پیش قدمی کی ہے اگر یہ زیادتی کسی مرہٹہ سلطنت کے خلاف نہ بھی ہو لیکن اس میں مطلق شک نہیں ہے کہ سندھیا اور وزیر کے اختلاف میں حصہ لینے کی غرض سے یہ پیش قدمی ہوئی ہے اور اس لئے یہ ایک علامت مخالفت کی ہے ہم نے شروع ہی میں عظیم الامرا کو ان کارروائیوں کے نتائج سے آگاہ کردیا تھا جن کے باعث حضور نظام کو موجودہ پریشانیاں لاحق ہوئی ہیں اور وزیر موصوف کو ہم نے جتلا دیا تھا کہ بالاجی پنڈت سے مفاہمت ہوجانا حضور نظام کے حق میں مفید ہوگا اور انھیں آگاہ کردیا تھا کہ مرہٹوں کے وزیر سے بگاڑنے میں حضور نظام ہی کے معاملات میں پیچیدگی پیدا ہونے اور نقصان پہونچنے کا احتمال ہے۔

مرہٹوں کے اور حضور نظام کے درمیان لڑائی ہونے میں اگر ٹیپو مرہٹوں کی امداد کرے تو ٹیپو کے خلاف ہمارا سلطنت آصفیہ کی اعانت کرنا اور بلا کسی اشتعال کے مرہٹوں کے ملک پر ہمارا حملہ آور ہوجانا ہمیں مرہٹوں سے برسرپیکار بنادے گا اور یہ ایسی بُری حالت ہوگی جس کا معاہدہ کی

ذمہ داریوں اور شرائط سے کبھی گمان ہو نہیں سکتا تھا۔ میں بتائے دیتا ہوں کہ خواہ ٹیپو اور پیشوا کے درمیان جنگ کا ارادہ نہ بھی ہو لیکن مرہٹوں اور حضور نظام کی لڑائی کا بھی لازمی نتیجہ ہے جو میں نے عرض کیا ہے۔ حضور نظام کی حمایت میں صرف ٹیپو کے خلاف ہمارا برسرپیکار ہونا ناممکنات سے ہے اور ایسی حالت میں جبکہ وہ مرہٹوں سے برسرجنگ نہ جدال ہوں ہم ان کی فوجوں کی اعانت سے ٹیپو کے خلاف لڑائی جاری نہیں رکھ سکتے ہیں کیونکہ ٹیپو کے خلاف جنگ کو نتیجہ خیز بنانے کے لئے ہمیں اُس وقت مرہٹوں سے بھی ضرور لڑنا پڑے گا اور اس کے برعکس فرض کر لینے سے ٹیپو کو مار کر بھگانے اور اُسے اسکے مظالم کی سزا دینے کا سارا بار صرف ہم ہی پر پڑ جائے گا اور یہ بات اتحاد ثلاثہ کے معنی و مطالب اور شرائط کے بالکل برعکس اور منافی ہے۔

حضور نظام اور مرہٹوں کے دشمنوں کی امداد نہ کرنے کی بابتہ ہم نے مختلف معاہدے حضور نظام اور مرہٹوں سے کئے ہیں جن کی پابندی ہم پر لازمی ہے اور ٹیپو کے خلاف مدد دینے کے لئے ہم نے دو ذمہ داریاں لی ہیں اول یہ کہ حضور نظام یا مرہٹوں سے اگر ٹیپو کی جنگ ہو تو ہم غیر جانبدار رہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم دونوں کو ٹیپو کے خلاف مدد دیں۔ آخر الذکر کی شرائط کا یہی مطلب اور مفہوم ہے کہ ہم تینوں سلطنتوں میں ارتباط اور اتفاق قائم رہے اور یہی اس معاہدہ کی جان ہے اور جو حفاظت اس سے مقصود ہے اس کا انحصار بھی اسی پر ہے۔

معاہدہ کے فرائض کے متعلق ہم ابتدائی سوال نہایت مختصر ہے اور اُسے ہم اپنے اس بیان میں پیش کرتے ہیں۔ کہ آیا عہدنامہ پونگل صرف ہمارے اور حضور نظام کے درمیان ایک جداگانہ معاہدہ ہے یا اُس کے جملہ شرائط حضور نظام اور مرہٹوں دونوں کے متعلق ہیں؟ اس کے شرائط صاف اور واضح طور پر اتحاد ثلاثہ ہونے کو ثابت کرتے ہیں جس سے کہ تینوں سلطنتیں اپنے ایک مفروضہ دشمن کے خلاف اپنی

۵۲

حفاظت کے لئے متحد رہنے کی پابند ہیں اور جو بوقت ضرورت اپنی پوری قوت صرف کرکے صرف متحدہ کوشش ہی سے قائم رہ سکتی ہے۔ محض یہ دلیل کہ اگر ایک جماعت معاہدہ کی خلاف ورزی کرے تو دوسری جماعت معاہدہ کی پابندی سے آزاد نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ معاہدہ میں اس کی تصریح درج نہیں ہے اور اتحاد کرنے والے فریقوں کا ایسا ارادہ ہوتا تو اس قسم کا فقرہ معاہدہ میں درج ہوتا اس کا یہ جواب ہے کہ ایسا اندراج ناممکن تھا کیونکہ یہ امر معاہدہ کے مقصد ہی کے خلاف تھا کیونکہ اس صورت میں معاہدہ کرنے والے کیلئے کسی ایک فریق کے ساتھ جنگ ہونے کی ضرورت یا اندیشہ پیدا ہو جاتا۔ اور یہ اس قسم کا معاملہ ہے جس کا گمان تک معاہدہ کرنے میں نہ تھا بلکہ معاہدہ تو اسکے برعکس مقاصد پیش نظر رکھکر طے کیا گیا ہے دیگر دلائل کے جواب میں یہ کہا جا سکتا ہے حضور نظام اور مرہٹوں یعنی دونوں کا ٹیپو سے جنگ کرنیکا پیشتر ہی سے ارادہ تھا اور اگر کمپنی ٹیپو سے جنگ کرنے پر مجبور نہ ہوئی ہوئی تو یہ دونوں اپنے ارادہ کو عملی صورت میں لے آتے اور ہماری حکومت کا ٹیپو سے جنگ کرنے کا ارادہ معلوم کرکے دونوں نے نہایت تعجیل کے ساتھ اس موقع کو غنیمت جان کر شریک جنگ ہونے کو قبول کر لیا بجز اس کے اور کوئی خصوصیت حاصل نہیں کہ انھوں نے ہماری ترغیب پر اس وقت سے پیشتر ہی ٹیپو سے جنگ شروع کر دی جو انھوں نے تجویز کر رکھا تھا۔

لارڈ کارنوالس نے جس فقرہ کی مشروط رضامندی ظاہر کی تھی وہ معاہدہ میں اس لئے درج نہیں ہوا کہ مرہٹے اس پر معترض ہوتے۔

خود حضور نظام کی باتوں سے اس بات کا ثبوت ملتا ہے کہ وہ زیر بحث کفالتی معاہدے کو زیادہ سخت تصور نہیں کرتے کیونکہ جب تیسری معاہدہ پیش کیا گیا تھا تو انھوں نے کہا تھا کہ جب تک کمپنی انکے مقاصد کی تائید نہیں کرے گی وہ اس پر رضامند نہ ہوں گے معاہدہ کی

۵۳

شرائط کی نوعیت اور قوت پر بحث کرنے کے لئے ہمارے پیش نظر
حیدر آباد کی کمزوری کا خیال یا صرف اُس پر حملہ ہونے کا امکان نہ ہوگا
یہ خیالات تو صرف مصلحت کے مسئلہ سے متعلق ہیں امر پابندی کے
مسئلے پر اُسی طرح بحث ہونی چاہئے جیسی کہ مرہٹوں پر ٹیپو کا حملہ ہوئی
صورت میں کی جاتی ۔ اگر متذکرہ واقعات کی رو سے معاہدہ کے
شرائط ٹیپو کے خلاف حضور نظام کو مدد دینے کی پابندی ہم پر عائد کرتے
ہیں تو اس کے یہ معنی بھی لئے جا سکتے ہیں کہ اسی طرح کے واقعات ۵۴
رونما ہونے کی صورت میں ہمیں مرہٹوں کی اعانت کرنی چاہئے
کیونکہ اس صورت میں بھی ایک کی تباہی اور دوسرے کی قوت
میں بیشی یقینی ہوگی ۔

اگرچہ نواب نظام الملک اور مرہٹوں کے درمیان لڑائی ہونے سے موجودہ
کل معاہدے منسوخ ہو جائیں گے لیکن اُن دونوں کے تعلقات
ہم سے اُس وقت بھی قائم رہیں گے میں اس بات سے واقف
ہوں کہ اگر ٹیپو سلطان کمپنی کے مقبوضات پر حملہ کرے اور حضور نظام اور
مرہٹوں کے مابین جنگ ہو تو اس صورت میں خواہ وہ معاہدے
کے شرائط کی پابندی کا اقرار کریں لیکن اُس وقت وہ اُن پر عمل پیرا
نہ ہو سکیں گے مگر امن قائم ہو جانے کے بعد شرائط معاہدہ پر عمل
کرنے کی قوت پھر عود کر آئے گی معاہدہ کرنے والوں کی حالت
پھر ویسی ہی ہو جائے گی جیسی کہ معاہدہ کرنے سے مدنظر تھی۔ اگر ٹیپو نے
حضور نظام یا مرہٹوں پر حملہ کیا تو میں اسی اصول کے مطابق اول تیسرے
فریق سے شرائط معاہدہ کی تکمیل کا مطالبہ کرونگا اسلئے ممکن ہے دونوں
جنگجو سلطنتوں کو صلح کر لینے کی ترغیب پیدا ہو ورنہ کم از کم یہ ظاہر
ہو جائے گا کہ ایک اتحادی ٹیپو سے مل گیا اس وجہ سے ٹیپو نے حملہ کیا

یا یہ ثابت ہو جائے گا کہ جب ایک اتحادی پر حملہ ہوا تو دوسرے نے اُس کی اعانت کرنے سے انکار کر کے معاہدہ کو توڑ ڈالا اُس وقت ہمیں یہ آزادی حاصل ہو گی کہ ہم جیسا مناسب سمجھیں ویسی کارروائی کریں لیکن میں اس بات کو ہرگز صحیح تسلیم نہیں کرتا ہوں کہ جب تک مرہٹوں اور نواب نظام الملک میں صلح نہ ہو جائے ہم ٹیپو کے خلاف کسی فریق کو امداد دینے کے پابند ہیں۔

معاہدہ کی پابندیوں پر بحث کرنے کے بعد میں سیاسی ضرورتوں کی بنا پر حضور نظام کو مدد دینے کے مسئلہ پر غور کروں گا۔

جن دلائل سے مطمئن ہو کر میں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ بغیر مرہٹوں کے اشتراک عمل کے ٹیپو کے خلاف ہمیں حضور نظام کو مدد نہ دینی چاہیئے اُن دلائل سے حضور نظام اپنی رائے تبدیل نہیں کریں گے بلکہ اس کے برعکس غیر جانب داری کو ہماری بے وفائی تصور کریں گے اور خیال کریں گے کہ کمپنی سے قریبی تعلقات قائم کرنے اور اشتراک عمل کرنے کا یہ نتیجہ نکلا۔ اسلئے اس فرضی واقعہ کے رونما ہونے کی صورت میں جس کو میں نا ممکن تصور کرتا ہوں ہمیں برطانی حقوق کے متعلق حضور نظام کی بے رخی اور اس کے نتائج پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ ابتدا ہی سے حضور نظام نے اپنی ضرورت کے مطابق برطانی حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات دوستانہ یا مخالفانہ رکھے ہیں اور انھوں نے حال میں ہمارے ساتھ جو اتحاد اور اتفاق کیا ہے[1] وہ ہماری تائید اور قوت سے اعانت حاصل کرنے کی غرض سے ہے

۵۵

[1] سرجان شور کا یہ بیان تاریخی واقعات پر مبنی نہیں ہے۔ جس اتحاد کی طرف اس فقرہ میں اشارہ ہے اور جس کی پابندی سے بچنے کے لئے گورنر جنرل بہادر نے یہ دلیل پیش کی ہے اس کے لئے نواب نظام علیخان بہادر

اس خیال سے جو اندیشے اور خطرات پیدا ہو سکتے ہیں وہ بہت دور کی باتیں ہیں فی الحال ہم اس سوال کے متعلق اپنا قول و فعل بیان کرنے کے لئے مجبور نہیں کئے جاتے ہیں اگرچہ ان امور کے امکانات ہیں لیکن ہمیں حضور نظام کا ساتھ چھوڑ دینے یا ٹیپو اور مرہٹوں کے متحدہ حملے میں انھیں کو مدد دینے کے نتائج کا نہایت سنجیدگی کے ساتھ موازنہ کرنا چاہئے۔

اگر حضور نظام کو مدد نہ دی جائے گی تو اسکا لازمی نتیجہ ان کی قوت کا ضعف اور انکے دشمنوں کی طاقت میں بیشی ہوگا اور پھر ٹیپو اور مرہٹے نسبتاً بہت زیادہ خطرناک ہو جائیں گے۔

اس کے برعکس جب ہم سلطنت آصفیہ کی اندرونی خرابیوں اور کمزوریوں پر غور کرتے ہیں اور یہ سوچتے ہیں کہ اس کا انتظام اپنے ہاتھ میں لئے بغیر ہم وہاں کی سیاسیات کی رہبری اپنی مرضی کے مطابق نہیں کر سکتے ہیں اور ہماری اس قسم کی دست اندازی کا لازمی نتیجہ دائمی جنگ ہے[1] اسی طرح جب ہم غور کرتے ہیں کہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ بدقت تمام راضی ہوئے تھے لیکن راضی ہونے کے بعد انھوں نے نہایت اخلاص و تن دہی سے انگریزوں کی مدد کی اور لارڈ کارنوالس نے اس کا اعتراف کیا۔

سر جان میلکم نے ان واقعات کو واضح طور پر بیان کیا ہے لیکن ان سے نہ فرمانروائے دکن کی ذاتی غرض ثابت ہوتی ہے اور نہ ان کی بے رخی بلکہ سر جان شور کی ناانصافی اور عہد و پیمان کی خلاف ورزی اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے ملاحظہ ہو صفحہ ۵۹ - ۶۳ اصل کتاب جلد اول و متعلق عہد نامہ ۱۷۹۰ء
" " ۲۰۲ - ۲۰۳ " " (مترجم)

[1] سر جان شور نے اپنے اس بیان کے ثبوت میں نہ کوئی دلیل پیش کی ہے اور نہ ایسے واقعات جن سے اس کی تائید ہو سکے۔ برخلاف اس کے

مرہٹوں کی سلطنت پر زبردست اثر ڈالنا نہایت دشوار ہے اور اسکے مقابل وہ نہایت آسانی کے ساتھ ہمیں نقصان پہنچا سکتے ہیں اور یہ کہ ٹیپو اور مرہٹوں کی متفقہ قوت کا مقابلہ کرنیکے لئے کسقدر جدوجہد کرنی پڑے گی اور کسقدر وسائل درکار ہوں گے اور کتنی ہندوستانی اور یورپین فوجیں درکار ہوں گی اور زیادہ عرصہ تک جنگ جاری رکھنے کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہے تو ہماری سمجھ میں بھی آتا ہے کہ سلطنت آصفیہ کی قوت کے تنزل سے آیندہ جو خرابیاں پیدا ہونے کے اندیشے ہیں ان سے کہیں زیادہ اور زبردست ترغیب ہمیں ان خطرات کے مول لینے کے لئے ہونی چاہئے۔ اگر ہماری سلطنت کو امداد دینے سے پیشتر ٹیپو اور مرہٹوں نے متحد ہو کر حیدرآباد پر حملہ کیا تو اس سلطنت کا لازمی خاتمہ ہو جائے گا اور یہ امر بہت مشکوک ہے کہ آیا پھر ہم اپنی کسی کوشش سے نواب نظام الملک کی حکومت بحال کر سکیں گے۔ مزید براں یورپ کے حالات کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے جن کی وجہ سے غالباً دوران جنگ میں زیادہ تعداد میں فوج نہ آسکے گی

٥٦

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ دو ایسے اہم مواقع موجود ہیں جن پر کمپنی نے سلطنت آصفیہ کی امداد سے ٹیپو جیسے زبردست غنیم کے خلاف جنگ کی اور کامیابی حاصل کی لیکن لارڈ کارنوالس یا لارڈ ویلزلی نے اس قسم کی کوئی ضرورت قطعی محسوس نہیں کی۔ نہ انھوں نے سلطنت حیدرآباد کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور نہ اس کی خواہش ظاہر کی بلکہ جو امداد انھیں ملی اس کی قدر کی اور اس کا اعتراف کیا۔

"حضور نظام نے نہایت اخلاص و صدق دلی سے سلطان کے خلاف جنگ میں ہمارا ساتھ دیا۔ . . . . اور اس میں قطعی شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس جنگ کے خوشگوار نتائج میں ایک بڑی حد تک ان کی جد و جہد کا دخل تھا اور ان کے اتحاد کے بغیر یہ جنگ اس قدر بڑے پیمانہ پر ہرگز نہیں ہو سکتی تھی۔ (متعلق جنگ میسور ۱۷۹۹ء میلکم جلد اول صفحہ ۲۱۴)

(مترجم)

اس لئے اشد ضرورت ہے کہ ہندوستان کی جملہ ریاستوں کے درمیان صلح قائم رکھنے کے لئے ہم اپنی امکانی کوشش کریں۔

بفرض محال اگر ٹیپو اور مرہٹے متحد ہو کر حیدرآباد کی قوت کا خاتمہ کردیں اور جس طرح یہ ممکن ہے بعد میں وہ دونوں مل کر کمپنی کے ملک پر حملہ آور ہوں اسی طرح یہ بھی ممکنات سے ہے کہ وہ ایک دوسرے پر حملہ کر بیٹھیں لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوگا تو ہمارے وسائل کی روز افزوں ترقی ہمیں اس قابل کردے گی کہ ہم دونوں کی متحدہ قوت کا مقابلہ کرسکیں گے۔

نواب نظام الملک کو اُن کی تقدیر پر چھوڑ دینے سے پبلک کی نظر میں ہماری سیاسی اہمیت قدرے کم ہوجائے گی اور اگرچہ اس ملک میں عوام کی رائے کی اہمیت کو میں بخوبی سمجھتا ہوں تاہم اُن خرابیوں کے مقابلے میں اس کی کچھ بھی حقیقت نہیں جو ٹیپو اور مرہٹوں کے ساتھ جنگ کرنے سے پیدا ہوں گی اور جو لازمی نتیجہ ٹیپو کے خلاف نواب نظام الملک کو امداد دینے کا ہوگا۔ جبکہ حضور نظام پیشوا سے جنگ و جدال میں مصروف ہوں اور ٹیپو ان پر حملہ کر بیٹھے۔

نواب نظام الملک کو مدد نہ دینے کے نتائج پیش نظر رکھ کر امداد دینے کے لئے جو وجوہ پیش کئے جاتے ہیں ان میں دیگر اسباب بھی داخل ہیں یعنی

حکومت برطانیہ نے اپنے حلیف راجہ ٹراونکور پر حملہ کرنے کی سخت مخالفت کی اور دوران جنگ و اختتام جنگ کی گفت و شنید میں اُس کی طرفداری کی اس کے باعث انگریزوں کی نیک نیتی استقلال اور انصاف پسندی کی تمام ہندوستان میں دھوم ہوگئی لیکن ان کارروائیوں کا اندازہ کرنے کے واسطے ہمیں اپنی بقا کا خیال رکھنا چاہئے جس میں انگریزوں کے مقبوضات ہند کا قیام و استحکام بھی شامل ہے۔

میں نے ایک ایسے مسئلے پر بحث کی ہے جس کے متعلق مجھے

نہایت صدق دل کے ساتھ توقع ہے کہ اس مسئلے کا فیصلہ کرنے پر ہم کبھی مجبور نہ کئے جائیں گے اور اس موقع پر میں اپنے چند ایسے خیالات کا اظہار کرتا ہوں جنھیں میں کئی بار بیان کر چکا ہوں۔

نواب نظام الملک اور پیشوا کی نزاع خواہ جنگ سے ختم ہو یا صلح سے لیکن اس اندیشے کے قوی وجوہ موجود ہیں کہ سلطنت آصفیہ مرہٹوں کے زیر اثر آجائے گی اور پھر اس وجہ سے نظام کی عملداری مرہٹوں کے لئے حصول قوت کا وسیلہ بن جائے گی جو ان کے پاس اب بھی بہت زیادہ موجود ہے۔

حضور نظام کو بھی اس کا خدشہ ہونا لابدی ہے اور اس کا فطری نتیجہ یہ ہوگا کہ جب ہم سے کسی قسم کی امداد کی امید نہ رہے گی تو وہ مرہٹوں سے بچنے کے لئے ٹیپو سے اتحاد قائم کرلیں گے۔ مجھے اس کا مطلق علم نہیں کہ حضور نظام کا یہ خیال ہے یا نہیں لیکن اس بات کو ناقابل عمل کرنے کے جو وجوہ میں نے بیان کئے ہیں انھیں میں بالکل درست جانتا ہوں ٹیپو اور مرہٹوں کے خیالی اتحاد کے متعلق بہت سے شبہات کی تشہیر ہو چکی ہے اور اس اتحاد کو میں تو اغلب نہیں جانتا ہوں تاوقتیکہ ہم کھلم کھلا نواب نظام الملک کو مدد نہ دیں جس سے مجبور ہو کر ٹیپو مرہٹوں کا ساتھ دے اور اس مسئلہ کے متعلق اُن کی بھی یہی رائے ہے۔ پیشوا سے اس قسم کے اتحاد کے لئے ٹیپو بلا شبہ آمادہ ہو جائے گا لیکن خیال یہی ہے کہ اس قسم کی کوئی تجویز اسکے سامنے نہیں پیش کی جائے گی اور مجھے تو اس میں ابھی کلام ہے کہ بلا شرکت مرہٹوں کے وہ اس وقت نواب نظام الملک کی عملداری پر حملہ کرنیکی جرأت کرے گا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو اس حرکت کے لازمی نتائج یہ ہوں گے کہ اولاً مرہٹے حضور نظام سے خود اپنے شرائط طے کریں گے ادھر حضور نظام کی سلطنت کو بچانے کے لئے ہم سے اتحاد واتفاق کریں گے۔

۵۸

آجکل ہندوستان میں مرہٹوں۔ ٹیپو۔ حضور نظام اور انگریزوں کو اقتدار اعلیٰ حاصل ہے۔ سندھیا کا خاندان اُن وجوہ سے پیشوا کا ماتحت بن گیا ہے جو ہمیں پیشتر ہی نظر آتے تھے اور اس بات کی کوئی امید نہیں ہوتی ہے کہ سندھیا کو جو آزادی میسر تھی وہ اس کا جانشین پھر حاصل کرسکے گا اس لئے حکومت پونا کو مرہٹہ سلطنت کے جملہ ممبران پر وسیع اثر اور قابو حاصل ہے البتہ راجہ برار کے متعلق اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اپنی ریاست کی نوعیت اور واقعات کے لحاظ سے اُس کا بہت کم تعلق مرہٹہ سلطنت کی عام سیاسیات اور مفاد سے ہے اور وہ مرہٹہ سلطنت سے آزاد رہ کر باختیار خود اپنی ریاست کا انتظام کرتا ہے۔ لیکن دستور و رواج کے مطابق وہ ماتحت ضرور ہے اور میں نے سنا ہے کہ حکمران راجہ نے اپنی گدی نشینی کی پیشوا سے توثیق کرائی اور اس سے گدی کے لوازمات حاصل کئے اور اگرچہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ کسی ایسی کارروائی میں شرکت نہیں کریگا جو انگریزوں کے خلاف ہو لیکن ہم اس پر بھی یقین رکھتے ہیں کہ پیشوا کے خلاف وہ ہماری حکومت کے لئے کوئی عملی حصہ بھی ہرگز نہ لیگا۔

مرہٹوں کی قوت بلا شرکت راجہ برار بھی کافی بڑی ہے اور غالباً جنرل ڈی بوائن کے تحت جو فوجیں ہیں وہ دو انگریزی بریگیڈ کے مساوی ہیں۔

مرہٹہ حکومت کی خصلت میں طمع۔ حرص اور رشک داخل ہیں اور وہ اپنی قوت اور دولت کو ترقی دینے کا کوئی موقع اپنے ہاتھ سے نہیں جانے دیتی ہے اور حصول مقصد کے لئے ذرائع اختیار کرنے میں مرہٹے دیانت و راستبازی کا بہت کم لحاظ کرتے ہیں۔

۵۹

اگرچہ مرہٹوں کی مجموعی طاقت بہت زیادہ ہے لیکن ہم

گذشتہ واقعات دیکھکر معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کام لینے کے لئے
بلا وقت و تاخیر اس قوت کو مجتمع نہیں کر سکتے ہیں اور اس وقت
اور تاخیر کا موجب مرہٹوں کی تنظیم کی نوعیت اور ان کے
ماتحت ارکان کے جداگانہ مفاد و مقاصد ہیں علاوہ ازیں وہ اپنی
فوجوں کو تعجیل کے ساتھ زیادہ فاصلے پر نہیں روانہ کر سکتے ہیں
کیونکہ جن وسیع علاقوں سے وہ فوجیں طلب کرتے ہیں وہ ایک
دوسرے سے بعید اور منتشر ہیں۔ اغراض و مقاصد کے اختلاف
کے ساتھ ساتھ ان میں رشک و حسد کا مادہ بھی موجود ہے جو اگرچہ
مرہٹہ سلطنت پر حملہ ہونے کی حالت میں اس کی حفاظت کی
خاطر مفقود ہو سکتا ہے لیکن اقدامی حملہ مرتب کرنے کے لئے رشک
و حسد کا یہ مادہ متفقہ کوشش کرنے میں بہت کچھ حارج اور مانع آتا ہے
انگریزی سلطنت کی دوستی یا اتحاد مرہٹہ سلطنت اور اسکے
باجگذار راجہ برار سندھیا اور ہولکر سے ہے۔ ان باجگزار ریاستوں
سے دوستانہ تعلقات پیدا کر لینے سے اگرچہ کچھ نفع حاصل کیا جا سکتا
ہے اور برطانیہ و مرہٹوں کے درمیان جنگ ہونے کی حالت
میں چونکہ انھیں نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہوگا اس لئے ان کے
دوستانہ تعلقات ہم سے غالباً اور بھی زیادہ مستحکم ہو سکتے ہیں لیکن
یہ دوستی زیادہ قابل بھروسہ کے نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس
اگر ایسا واقعہ پیش آئے اور ہم اپنی حکمت عملی کے بہترین وسائل
سے کام لیکر ان مختلف سرداروں کے مابین اختلاف مفاد پیدا
کرنے کی کوشش کریں تب بھی ہمیں یہ توقع کرکے اس معاملے
میں جد و جہد کرنی چاہئے کہ وہ سب متحد ہو کر ہمارا مقابلہ کریں گے
ہندوستان کی جملہ قوتوں کے مقابلے میں ہمارا تحفظ اور سلامتی
اپنی طاقت پر منحصر ہے لیکن اس خیال سے ہمیں مرہٹوں کے متعلق
بہت کم اندیشہ ہے کہ ان کے لئے ہندوستان کی مختلف چھوٹی چھوٹی

ریاستوں کو اپنا فرماں بردار بنانے کے واسطے ایک وسیع اور بے خطر میدان موجود ہے۔ ان میں سے بعض تو خود مختار ریاستیں ہیں اور بعض برائے بیعت ان کے ماتحت ہیں اس لئے مرہٹوں سے ہمیں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ ان کے ہوتے ہوئے وہ ہمارے یا ہمارے حلیفوں کے مقبوضات پر حملہ کریں گے۔ جس طرح ٹیپو سلطان اپنے رشک و حسد کے باعث بدنام ہے اس طرح ہماری نیک نامی ہمارے مسلمہ اصولوں کے باعث ہے کیونکہ ہم اعلان کر چکے ہیں کہ ہم اپنی تلوار کے زور سے اپنی قلمرو کو وسیع کرنا نہیں چاہتے ہیں لیکن یہ بات کبھی فراموش نہ کرنی چاہیئے کہ پردیسیوں کی حکومت ہمیشہ بری نظر سے دیکھی جاتی ہے۔ اور یہ کہ محض سیاسی اتحاد ہمیشہ نہایت خطرناک ہوتا ہے اور اگر مرہٹے اپنی پوری طاقت کے ساتھ ہم پر حملہ آور ہوں تو ہمیں بعض حصوں میں کھلی ہوئی اور بعض میں غیر متوقع شکست حاصل ہو سکتی ہے۔

اور ایسے وقت میں اگر ٹیپو ہمارے مدمقابل سے اتحاد کرلے یا کوئی یورپین دشمن اس کی امداد کرکے اوس کی قوت میں مزید اضافہ کردے تو اس مقابلے میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ہمیں یہاں اور یوروپ میں نہایت زبردست کوششیں کرنی پڑیں گی۔

دریائے گنگا کے کنارہ پر برطانیہ کا جو علاقہ ہے اس پر مغرب کی طرف کٹک سے اور نواب وزیر اودھ کے شمالی علاقے سے حملہ ہو سکتا ہے۔ نواب وزیر اودھ کے متعلق اس مقام پر میں صرف اسقدر بیان کئے دیتا ہوں کہ اس کے موجودہ نظم و نسق کے علی حالہ جاری رہنے کی صورت میں ہمیں اس کی فوج سے کوئی موثر امداد ملنے کی توقع نہیں ہو سکتی ہے اور اس کے ممالک محروسہ میں ہمارے دوستوں سے کہیں زیادہ ہمارے دشمن موجود ہیں اور اوسکی ریاست اور ریاست کے قرب و جوار میں بیشمار بہادر اور حاجت مند قسمت آزما

لوگ آباد ہیں اور وہ مال غنیمت کی توقع پر فوراً لڑنے مرنے پر مستعد ہو سکتے ہیں۔

سلطان ٹیپو کے کیرکٹر کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اُس کا خاص اصول طمع ہے اور وہ کسی کا دوست نہیں ہے۔ ہمیں اپنے تجربہ سے اوس کے اوصاف اور اس کی قابلیت معلوم ہو گئی ہے اُس کے یہاں معتمد اور مشیر موجود ہیں لیکن وہ اُسکے وزیر نہیں ہیں اور وہ اپنی سلطنت کے جزوی معاملات تک کا معائنہ نگرانی اور اہتمام خود کرتا ہے اور اپنے وقار اور رعب وداب کو بلا کسی نمائش کے برقرار رکھتا ہے اس کی سلطنت کے کاشتکار بالکل مامون و محفوظ ہیں اور اُن کی جفاکشی کی وہ داد اور صلہ دیتا ہے۔ گذشتہ جنگ سے پیشتر اس خبر کو بہت کچھ شہرت دی گئی کہ اُس نے ملابار میں اپنی رعایا پر بہت کچھ زیادتیاں اور مظالم کئے ہیں یہ خبر بے بنیاد نہیں تھی لیکن اس خیال سے اُس کے مظالم کی داستانوں میں بہت کچھ مبالغہ آمیزی بھی معلوم ہوتی ہے کہ دوران جنگ میں اُسکی سلطنت کے کسی معزز اور باا‌ثر شخص نے اُس سے روگردانی نہیں کی۔ وہ اسقدر متعصب بھی نہیں جسقدر کہ اُسے بتایا جاتا ہے تاہم ہمیں معلوم ہے کہ اُس میں مذہبی جوش بہت زیادہ ہے اور اپنی طمع کے لئے وہ نئے نئے کام سوچتا رہتا ہے۔

٦١

جنگ وجدال ختم ہونیکے بعد سے اُس نے شرائط معاہدہ کی نہایت وفاداری اور دیانت داری کے ساتھ پابندی کی ہے اور اُس وقت سے وہ کفایت شعاری سے کام لیکر اپنی مالی حالت کی درستی اور ملک کے اندرونی انتظام کی اصلاح کر رہا ہے اور وہ سرنگاپٹم کی درستی اور استحکام میں مصروف ہے اُس کے کسی فعل سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ ہمارا یا اتحادیوں کا مخالف ہے لیکن ہمیں اطلاع ملی ہے کہ وہ فرمانروائے دکن کے بے حد خلاف ہے۔

اسکی ظاہرہ پالیسی یہ ہے کہ اُس وقت تک خموش رہنا چاہیئے
جب تک کہ ایسے واقعات رونما نہ ہوں جن سے اتحادیوں میں پھوٹ
پڑ جائے اور یہ موقع ملنے پر اگر ممکن ہو تو اُن کے اختلافات کو اور بڑھانا
چاہیئے۔

اگر اتحاد ثلاثہ نظام کی عملداری کا محافظ نہ ہوتا تو غالباً حیدر آباد
کے نظم ونسق کی کمزوری دیکھکر ٹیپو سلطان اپنی ناراضگی اور طمع کو پورا کرنے کی
کوشش کرتا لیکن یہ امر یقیناً اسکے پیش نظر ہے کہ میری طمع کی سخت مزاحم
برطانیہ کی قوت ہے اس لئے میں عرض کرتا ہوں کہ جن تین سلطنتوں
کا میں حوالہ دے چکا ہوں ان میں سے سرکار نظام کی امداد ہمیں ہرگز
اس لائق نہیں بنا سکتی ہے کہ ہم ہندوستان میں قوتوں کا توازن
قائم اور برقرار رکھ سکیں۔ ٹیپو سلطان بہ نسبت مرہٹوں کے زیادہ
طماع اور حریص ہے اور اس کی محرک قوتیں ان کے مقابلے میں
زیادہ زبردست ہیں۔ اس لئے مرہٹوں کے ساتھ ہماری دوستی ہمارے
حق میں بہت کچھ اہمیت رکھتی ہے۔ مرہٹوں کی اعانت سے ہم
ٹیپو اور ہر ایک دیگر یوروپین سلطنت کا مقابلہ کر سکتے ہیں اور ٹیپو سے
ہمیں یہ بھی امید نہیں کہ وہ ہمیں مدد دیگا یا کم از کم غیر جانب وار رہے گا
مرہٹوں سے ہماری جنگ ہونیکی صورت میں شمالی راجاؤں
اور سکھ سرداروں کی دوستی غالباً ہمارے حق میں زیادہ سود مند
ثابت ہوگی لیکن ان کے ساتھ کسی قسم کا مدافعانہ یا جارحانہ معاہدہ کرنیکی
صلاح میں ہرگز نہ دونگا کیونکہ ضرورت کے وقت اُن کی دوستی سے
نفع سے کہیں زیادہ نقصانات برداشت کرنے پڑیں گے۔ اسلئے
ہمیں میری رائے میں یہی مناسب ہے کہ بر وقت ضرورت اُن سے اتحاد
کر لیا جائے اور اپنی شیریں کلامی اور خوش اخلاقی سے اس رابطۂ اتحاد
کو بڑھایا جائے۔ ہماری خط وکتابت شمالی راجاؤں سے مسلسل اور
بعض سکھ سرداروں سے گاہے ماہے ہوتی ہے۔

۶۲

ان عام خیالات سے غالباً اس مسئلے کے متعلق رائے قایم کرنے میں مدد ملے گی جو سردست محض قیاسات پر مبنی ہے اور اگر مجلس نظماء میری رائے کے نتیجہ سے اتفاق کرے گی تو وہ میرے اس خیال کی موئید ہوگی کہ ہندوستان میں ہمیں کسی جنگ سے سابقہ پڑنا سردست ناممکنات سے ہے۔ لیکن مرہٹوں اور نواب نظام الملک کے مابین جنگ ہونے کا نتیجہ چونکہ یقینی نہیں ہے کہ کیا ہو اور یورپ کی حالت نازک ہے اور چونکہ فرانسیسی اپنی امکانی جد و جہد میں مصروف ہیں اس لئے ہمیں یہ بات تو ضرور ماننی پڑے گی کہ اس قسم کی ضرورت لاحق ہونے کے امکان کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں تیار رہنا چاہئے اور یہ ابتدائی ضرورت ہمیشہ درپیش رہے گی اگرچہ ہماری تیاریوں میں کمی بیشی واقعات کے لحاظ سے کی جائے گی۔ میں ساحل کارومنڈل کے متعلق بھی چند تجاویز اس سلسلے میں مجلس نظما کے روبرو ضرور پیش کر دیتا اگر فورٹ سنیٹ جارج کے صدر نے اپنے مراسلہ مورخہ ۱۴۔ دسمبر میں مجھے یہ اطلاع نہ دی ہوتی کہ ممدوح نے ان ہی وجوہ سے سرحد ساحل کے سامان رسد کی فہرست طلب کی ہے اور ہمیشہ ان کی یہی ہدایت رہتی ہے کہ سامان رسد کا کافی ذخیرہ اور فوجی ساز و سامان ہر وقت درست رہے تاکہ خفیف مہلت ملنے پر بھی ہم جنگی کارروائی کر سکیں۔ ۶۳

ان تدابیر کو میں نے بھی پسند کیا اور غالباً مجلس نظما کو میری زبانی گفتگو یاد ہوگی۔

ہمیں بنگال میں فوری ضروریات جنگ کے لئے بہت کم کارروائی کرنی باقی ہے۔ بہت عرصہ ہوا کہ سپہ سالار اعظم نے ایک بڑی خرابی یہ محسوس کی تھی کہ اس وقت بہت سے مستقل ملازمان فوج کی جماعتیں سول کاموں کے لئے متعین کر دی گئی تھیں۔ منتشر فوج میں اگرچہ کسی خاص ضابطہ کو جاری کرنا ناممکن ہے اسی کے ساتھ صوبۂ بنگال سے بجز کلکتہ کے چند روز کے اندر بہت سی فوج بھرتی کر لینا بھی سخت دشوار ہے

اور اپنی رعایا کی اطاعت شعاری ۔ بزدلی اور وفا کیشی کا ہمیں کیسا ہی بھروسہ کیوں نہ ہو لیکن بغاوت رفع کرنے کے لئے ہمیں ہمیشہ تیار اور مستعد رہنا چاہئے ۔

سپہ سالار اعظم کی زبانی یا تحریری تجویز پر ان کی بتائی ہوئی خرابی کو رفع کرنے کا بندوبست کرنے کی غرض سے کچھ مواد طلب کیا گیا تھا اور یہ مواد غالباً صوبۂ بنگال میں اون کے واپس آنے تک فراہم ہوجائیگا اور پھر اُس وقت اس کے متعلق ضروری انتظامات کرنے کے لئے ہمیں سپہ سالار موصوف کی قابل قدر اعانت اور مشورت حاصل ہو جائے گی۔

لیکن جب ہم ہندوستان میں اپنی حالت پر غائر نظر ڈالتے ہیں اور ہندوستان کی مختلف حکومتوں کی حکمت عملی ۔ نوعیت ۔ قوت اور حرص و ہوس کو دیکھتے ہیں اور اُن کے اس تنفر کو پیش نظر رکھتے ہیں جو ان سب کو ہمارے مذہب اور عادات اور اطوار سے ہے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ خواہ جنگ سے گریز کرنے کے لئے ہم کیسی ہی تدبیر کیوں نہ کریں لیکن ہمیشہ امن قائم رہنا قطعی ناممکن ہے اور اگر اپنے پڑوسیوں کے حملے کی مدافعت میں ہم خفیف سی کمزوری بھی ظاہر کرینگے تو فوراً اس کے مضر نتائج اور اثرات ہمیں محسوس ہوجائیں گے اور ان ہی وجوہ سے ہمیں فوری ضرورت سے زیادہ تیاری رکھنی چاہئے ۔

ہمیں اپنے تجربہ سے معلوم ہے کہ اہل ہند فن جنگ میں ترقی کر رہے ہیں اور اُن کے ساتھ ہر ایک نئی جنگ کرنے میں ہمیں بیحد جانفشانی اور زبردست قوت صرف کرنی پڑی ہے اور اس کے ساتھ یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ان صوبجات کی حفاظت کے علاوہ ہمیں کمپنی کے دیگر مقبوضات کو بھی فوجی امداد دینی پڑے گی اگر اُن پر کسی کا حملہ ہوگا ۔

ہمارا فوجی محکمہ قائم ہوئے نو سال گذرے ہیں اور اس درمیان میں ایک ایسی جنگ میں ہم مصروف رہے جس کے لئے تینوں صوبوں کی متحدہ قوت صرف کرنی پڑی اور اس کا تذکرہ ہی فضول ہے کہ مرہٹوں

٦٤

اور نظام دکن سے اتحاد کرنے کے باوجود صرف اپنے افسروں کی اعلیٰ فوجی اور سیاسی قابلیت ہی سے ہم اس جنگ میں خوش قسمتی سے کامیاب ہوگئے۔ علاوہ بریں ہمیں یہ ناقابل انکار اصول مان لینا چاہیے کہ نہایت دانشمندانہ اور نہایت کفایت شعارانہ انتظام بھی یہی ہے کہ ہم اپنی فوجی قوت سے جو ہر وقت اعلیٰ پیمانے پر کام دے سکتی ہو اپنے پڑوسی فرماں رواؤں کے ملکوں میں امن قائم رکھیں۔

اس لئے ان ہی وجوہ کی بنا پر میں یہ تجویز پیش کرتا ہوں کہ جناب سپہ سالار اعظم سے درخواست کی جائے کہ وہ اس حکومت کی فوجی تنظیم پر غور کرکے اپنی رائے سے مطلع فرمائیں کہ آیا وہ اس سلطنت کی حفاظت اور استحکام کے لئے کافی و شافی ہے یا کل فوج یا اس کے کسی خاص حصہ میں اضافہ یا اس کی تنظیم میں اصلاح یا ترمیم کی ضرورت ہے اور اس کے متعلق جو تجاویز مناسب تصور کریں پیش کریں۔

قانون پارلیمنٹ میں جنگ کی ممانعت کے متعلق جو دفعہ درج ہے اس کی حرف بہ حرف سختی سے پابندی کرنے کی میری ہمیشہ نیت رہی ہے لیکن اس بحث میں ایک سوال اسی دفعہ سے پیدا ہوتا ہے جس کو میں اب بیان کردینا مناسب سمجھتا ہوں اس دفعہ کی تمہید میں یہ درج ہے کہ ہندوستان میں فتوح کے تجاویز پر عملدرآمد کرنا یا توسیع مملکت کرنا حکومت انگلستان کی خواہش، وقار اور پالیسی کے خلاف قرار دیا جاتا ہے۔ اس لئے یہ دفعہ اعلان جنگ یا خود لڑائی شروع کرنے کی ممانعت کے متعلق ہے اور حسب ذیل صورت اس سے مستثنیٰ ہے کہ جب برطانیہ یا اس کے ماتحت فرماں رواؤں یا ریاستوں سے جنگی حفاظت کی ذمہ داری کمپنی نے معاہدات کی رو سے قبول کرلی ہے جنگ کی جائے یا ان کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع ہوگئی ہوں یا آئندہ جنگی ایسی صورت میں حفاظت یا مدافعت کی ذمہ داری معاہدات کی رو سے کمپنی پر عائد ہو۔ اگر ٹیپو کے خلاف نظام اور مرہٹوں کے ضمانتی معاہدہ کی توضیح کو

۶۵

مان لیا جائے تو اُس دفعہ کی لفظی ساخت سے اس بات کا قطعی فیصلہ ہوجاتا ہے کہ بلا مرہٹوں کے اشتراک عمل کے ہمیں ٹیپو کے خلاف کسی قسم کی دست اندازی نہیں کرنی چاہیئے اور واقعات اس قسم کے ہیں کہ متذکرہ بالا وجوہ سے مصلحت بھی اس کی مقتضی ہے لیکن اپنی مملکت کو فتوحات کے ذریعہ سے توسیع دینے کے بدون اب یہ واقعہ پیش آنا بھی ممکنات سے ہے کہ جب ہندوستان کی ریاستوں میں جنگ ہو اور انگریزی مقبوضات کے تحفظ کی خاطر ہم ایک ریاست کا دوسرے کے خلاف ساتھ دیں اور پھر جنگ کا خطرہ یقینی طور پر اپنے ذمہ لیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں کہ کسی معاہدہ کی رُو سے ہم پر اُس ریاست کی امداد اور حفاظت لازم نہیں آتی ہے لیکن اسکی اعانت کرنا قرین مصلحت ہے تو ہم اُسے امداد دینے میں حق بجانب ہونگے یا نہیں؟

میری رائے میں یہ مسئلہ اراکین مجلس نظما کی خدمت میں پیش ہونا چاہیئے۔

66 اس یادداشت کے اس خاص مسئلہ پر خصوصیت کے ساتھ انھیں توجہ دلانی چاہیئے اور میری یہ رائے انھیں بتا دی جائے کہ غالباً اس قسم کے فیصلے کی ہمیں ضرورت نہیں پیش آئے گی تاہم ان کی ہدایات حاصل کر لینی چاہئیں تاکہ اگر آئندہ اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آئے تو ہم اُن سے رہبری حاصل کر سکیں۔

دستخط جے شور مورخہ ۱۸ر فروری ۱۷۹۵ء

ضمیمہ (۳)

یادداشت نوشتۂ لارڈ ویلزلی

از فورٹ ولیم مورخہ ۱۲ اگست ۱۷۹۸ء

جزیرۂ فرانس کے گورنر جنرل نے سفراء ٹیپو سلطان کے قیام کے دوران میں ایک اعلان شائع کیا تھا اس کی ایک معتبر کاپی میں نے مجلس نظماء کی خدمت میں ارسال کرکے مطلع کیا کہ ٹیپو سلطان اور فرانس کی متحدہ کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے میں مشرح طور پر ایسی تجاویز تیار کروں گا جو میرے نزدیک نہایت موزوں اور مناسب ہوں گی چنانچہ میں نے اپنی تجاویز مجلس نظماء کی خدمت میں پیش کر دی ہیں اور اس میں بہت سی تجاویز ہمارے اصول اور مقصد سے تعلق رکھتی ہیں اور اب میں پوری توجہ اور سرگرمی کے ساتھ ان تجاویز پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرونگا۔ اگر اس واقعہ کو پیش نظر رکھا جائے کہ میں نے یہاں کی حکومت کا جائزہ ۱۸ مئی تک نہیں لیا تھا اور فرانس کے اعلان کی اطلاع اس صوبے میں ۸ جون تک نہیں موصول ہوئی تھی اور ۱۸ جون تک اسکی تصدیق بھی نہ ہونے پائی تھی تو غالباً یہ معلوم ہو جائے گا کہ میں نے مناسب وقت نہایت احتیاط کے ساتھ

کارروائی کی اور اس کے متعلق جسقدر بھی اہم مسائل تھے اُن پر غور و خوض کر کے اپنی رائے قائم کی اگرچہ میری موجودہ تجاویز میں سے چند تجاویز ہماری حکومت کی مراسلات بنام حکومت فورٹ سینٹ جارج بمبئی و ریذیڈنٹ صاحبان متعینہ پونا و حیدرآباد میں موجود ہیں لیکن اب میں نے جو نظام عمل تجویز کیا ہے اس کے متعلق واقعات کی خصوصیت کا بیان کردینا غالباً سودمند ثابت ہوگا اس لئے میرا ارادہ ہے کہ میں تفصیل اور تشریح کے ساتھ اُن اصولوں کو بیان کردوں جن پر کہ میرا مجوزہ نظام عمل مبنی ہے اور وہ طریقے بتادوں جن سے کہ اس پر عملدرآمد کیا جائے گا اور وہ اغراض و مقاصد ظاہر کردوں جن کو اپنے مجوزہ نظام عمل کی کامیابی اور استحکام سے ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ میں اپنے گذشتہ طرز عمل کے متعلق بلا پس و پیش اور بلا تکلف اُن جملہ خیالات کو ظاہر کئے دیتا ہوں جو اس نازک اور اہم مسئلہ پر غور و خوض کرتے دوران میں میرے دل میں پیدا ہوئے ہیں اور اب میں بلا تصنع ظاہر کئے دیتا ہوں کہ میری رائے نے کیسے کیسے پلٹے کھائے اور اس قسم کے ہر ایک واقعہ کو بیان کئے دیتا ہوں جس میں کہ اپنی مستقل رائے کو میں نے نہایت افسوس اور بے دلی کے ساتھ عملی مشکلات کی ضرورت محسوس کر کے ترک کردیا۔ اور مجھے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں ہے کہ میں نے بالآخر وہ راستہ اختیار کیا ہے جو ایک ایسی راہ کے حدود سے بالکل باہر ہے جسے اپنے فرض منصبی و کیرکٹر، حکمت عملی اور معدلت گستری کے صریح اور واضح اصولوں و کمپنی کے مسلمہ حقوق و فوائد اور ہندوستان میں برطانیہ کے نام کے وقار کی خاطر مجھے اختیار کرنا چاہیئے تھا اگر ہماری ترقی کے مواقعات لاینحل نہ ہوتے۔

میرے دل میں جو مختلف خیالات موجزن ہوئے انھیں حسب ذیل سلسلے سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

اولاً ٹیپو سلطان کی موجودہ کارروائیوں کی نوعیت

دوسرے کمپنی کے حقوق و مفاد اور میرے فرض منصبی کے اصول

جو ان کارروائیوں سے پیدا ہوتے ہیں۔

تیسرے وہ واقعات جن سے ان حقوق کے متعلق عملی کارروائی ملتوی یا محدود ہو سکتی ہے ان حقوق کو فوراً مکمل صورت میں حاصل کرنا اور اپنے اس فرض منصبی کو قابل اطمینان طریقہ پر انجام دینا

چوتھے۔ درمیانی احتیاطی کارروائیاں جو زیادہ موثر تدابیر کو ملتوی رکھنے کے دوران میں اختیار کی جائیں۔ اور وہ حفاظتی تدابیر جو حقیقی خطرہ کے دوبارہ رونما نہ ہونے کے واسطے عمل میں لائی جائیں۔

پہلی بات کے لئے اعلان مشتہرۂ جزیرۂ فرانس اور اس غیر معمولی اشتہار کے جملہ ضمنی واقعات کو بغور معائنہ کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی یہ اعلان اولاً ۸ ؍ جون کو کلکتہ کے اخباروں میں نمودار ہوا تھا اولاً تو مجھے اس اعلان کی صداقت ہی میں بہت کچھ شک ہوا کیونکہ یہ امر نا قابل اعتبار معلوم ہوتا ہے کہ اگر فی الحقیقت فرانسیسیوں کا ارادہ ٹیپو کو مدد دینے کا ہوتا تو وہ علانیہ طور پر اپنے اس ارادہ کی اشاعت کر دیتے۔ کیونکہ اس اعلان سے بظاہر کوئی فائدہ بجز اس کے نہیں معلوم ہو سکتا کہ ان کی تجویز ابتدائی منزل ہی میں حکومت انگلستان اور حکومت ہند پر ظاہر ہو جائے اور ہم دونوں کو بروقت اور موثر مقابلہ کرنے کا موقع ملجائے اور اس کا بھی امکان نہیں معلوم ہوتا کہ ٹیپو کی پوشیدہ غرض خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو وہ اپنی مخاصمت کو ایسے علانیہ طور پر ظاہر کرنے کا خطرہ مول لے لیتا بہرحال بحالت موجودہ میں نے یہی مناسب تصور کیا کہ اپنے خط مورخۂ ۹ ؍ جون کے ہمراہ اس اعلان کی ایک کاپی فورٹ سینٹ جارج کے گورنر کے پاس روانہ کر دی اور اُسے ہدایت کر دی کہ اگر یہ اعلان صحیح ثابت ہو تو ہماری حکومت کو چاہیئے کہ نہایت سختی کے ساتھ ٹیپو سلطان کو فہمائش کی جائے اگرچہ اُس فہمائش کا نتیجہ مبہم ہے۔ اور میں نے اپنے اس مراسلہ میں گورنر موصوف کو یہ بھی ہدایت کی کہ اگر بدقسمتی سے ضرورت لاحق ہو تو آپ ساحل پر ایک زبردست فوج جمع کرنے کے وسائل بہم پہونچانے کی طرف توجہ فرمائیں۔

اور ڈ میکارٹنی اور سر ہیو کرسچین (Sir Hugh Christian) کے مراسلہ مورخہ ۱۸ ؍ مارچ سے جو مجھے ۱۸ ؍ جون کو ملے اس اعلان کی باضابطہ تصدیق ہوگئی اس لئے اب اس میں شبہ نہیں رہا کہ جزیرۂ فرانس کے گورنر جنرل نے فی الحقیقت یہ اعلان شائع کیا ہے۔

۷۰ لیکن اب یہ سوال باقی رہ گیا کہ آیا یہ کارروائی ٹیپو کی منظوری سے ہوئی یا نہیں اور کیا اس اعلان کی اشاعت سے حکومت فرانس کی کوئی اپنی خاص غرض ہے جس کا کوئی تعلق ٹیپو کے حقوق و فوائد سے نہیں اور اس لئے اس کی منظوری حاصل کرنے کی بھی کوئی حاجت نہ تھی۔ جزیرۂ فرانس کی سلطنت کے جو حالات مجھے موصول ہوئے ان سے مجھے یہ خیال ہو گیا کہ اس اعلان سے ایم ملارتیق (M. Malartique) کا مقصد ٹیپو کو معقول امداد دینے کے بجائے فرانس کی موجودہ حکومت کے حامیوں سے اپنے جزیرہ کو صاف کردینے کا ہو۔ ایک شہادت کی شرح تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ جو جہاز فرانس کی گذشتہ بغاوت اور جزیرۂ فرانس و بوروبن کے متعلق سخت مجوزہ تدابیر کی خبریں سب سے پہلے لیکر گیا تھا اور جن کے باعث بندرگاہ نورڈ اویسٹ (Port Nord Ouest) میں غدر ہو گیا اور اس کی پاداش میں فرانسیسی قومی رسالے شہر بدر کردئے گئے وہ جہاز جزیرۂ فرانس میں اس وقت پہونچا جبکہ ٹیپو کے سفراء منگلور جانے کے لئے وہاں سے روانہ ہو گئے تھے اس لئے جس امداد کا ٹیپو سلطان سے وعدہ کیا گیا ہے اس کا کوئی تعلق جزیرۂ فرانس کی حال کی بغاوت سے نہیں ہے بہر حال مجھے اس بات کا اندیشہ نہیں ہے کہ جب تک جزیرۂ فرانس میں دوبارہ شورش برپا نہ ہو ٹیپو کو وہاں سے کوئی معقول امداد مل سکتی ہے لیکن اس معاملے میں مانشیور ملارتیق کے اغراض خواہ کچھ کیوں نہ ہوں لیکن سلطان ٹیپو کا مقصد نہایت صاف اور واضح تھا اگرچہ ہماری خوش قسمتی سے اُسے اپنی تجویز میں ابھی تک پوری کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے اور ٹیپو کی تجویز کی غرض کے متعلق بہترین شہادت سے مجھے بہت کافی و شافی ثبوت مل گیا ہے اولاً اس امید کے خطوط کے عام مضامین اور ان

معاملے کے متعلق ہر ایک سرکاری اطلاع سے بھی ظاہر ہوا کہ یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے کہ ٹیپو نے اپنے دو سفیر جزیرہ فرانس کو روانہ کئے اور اعلان زیر بحث اُن کے پہونچنے کے بعد اُن کے وہاں کے قیام کے دوران میں شایع کیا گیا۔ یہ واقعات بلا کسی مزید ثبوت کے یہ رائے قائم کرنے کے لئے غالباً کافی ہیں کہ یہ اعلان ٹیپو کے حاضر الوقت سفیروں کے علم اور تائید سے سفارت کے اغراض مشتہر کرنے کے واسطے مرتب کیا گیا تھا اور ان سفیروں نے اپنے بادشاہ کی ہدایت کے بموجب مراسلت کی ہوگی کیونکہ مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کرنیکے جیسے اہم مسئلہ میں وہ بادشاہ کے احکام سے سر مو تجاوز نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے ان سفیروں کے خیر مقدم کے متعلقہ واقعات۔ اعلان کی اشاعت اور سفیروں کے طرز عمل کی بابتہ نہایت مستند معلومات ہم پہونچانے کے واسطے جزیرہ فرانس کے چند نہایت معزز و مقتدر حضرات کا حلفیہ بیان لیا جو سفیروں کے بندرگاہ نورڈ اویسٹ کے قیام کے دوران میں بنفس نفیس جزیرہ فرانس میں موجود تھے ان اصحاب کی شہادت سے دیگر مقامات سے آئی ہوئی خبروں کی تصدیق ہو گئی اور اس طور پر مجھے اس سارے معاملہ کا صحیح حال معلوم ہو گیا۔

ٹیپو سلطان نے دو سفیر بھیجے تھے جو منگلور سے جہاز میں سوار ہو کر جنوری ۱۷۹۸ء میں بمقام جزیرہ فرانس جا پہونچے۔ اور انھوں نے بندرگاہ نورڈ اویسٹ میں داخل ہوتے ہی ٹیپو کا جھنڈا بلند کر دیا ان کا نہایت اعزاز اور احترام کے ساتھ سرکاری طور پر خیر مقدم کیا گیا اور اپنے قیام کے دوران میں وہ سرکاری مہمان رہے۔ اس جزیرہ میں ان سفیروں کی آمد سے بیشتر اس قسم کی کوئی افواہ مشہور نہ تھی کہ ٹیپو کو فرانسیسی امداد ملے گی یا ٹیپو اور کمپنی کے درمیان کوئی جنگ ہونے کا اندیشہ ہے۔

ان سفیروں کی آمد کے اگلے روز اعلان کے مضمون کے مشابہ ایک اشتہار شایع کیا گیا اور اس کے بعد فوراً ہی وہ اشتہار نمایاں مقامات پر چسپاں کیا گیا اور سارے شہر میں تقسیم کیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان میں سے

ایک سفیر فرانسیسی زبان سے واقف تھا۔ سفیروں کے ہمراہ منگلور سے ایک اور شخص آیا تھا جو ترکی لباس پہنے تھا اور انگریزی و فرانسیسی زبان نہایت صحت اور روانی کے ساتھ بولتا تھا اور جو نہایت ذہین اور اعلیٰ التعلیم یافتہ تھا اور ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اُسے بہت کچھ دستگاہ حاصل تھی اِس شخص کو بصرہ میں عبد اللہ۔ سورت میں ڈرِوک (Derwick) کہتے تھے اور جزیرہ فرانس میں اُس نے اپنا نام طلماس ظاہر کیا اور اسی نام سے وہ بنگال میں کئی سال تک رہا۔ ان سفیروں نے اعلان کے مضمون یا طرزِ تحریر سے کسی قسم کا اختلاف نہیں کیا بلکہ انھوں نے بلا تکلف اس مضمون کا اقبال کر لیا جو اعلان میں انگریزی مقبوضات ہند پر حملہ کرنے کے متعلق درج ہے انھوں نے اس بات کی بھی تائید کی کہ وہ اعلان سرکاری طور پر تقسیم کیا جائے طلماس نے اُن کے مکان پر جو گفتگو کی اگرچہ وہ نہایت محتاط اور مبہم تھی تاہم اُس کا مضمون بھی اُن سفیروں کی گفتگو کے مطابق تھا۔ ان واقعات کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ سارے جزیرہ میں عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ ٹیپو بہت جلد ہندوستان میں برطانی مقبوضات پر حملہ کرنے والا ہے اس خبر نے اسقدر شہرت پکڑی کہ جن اشخاص نے ہمیں اس کی اطلاع دی یا اُس زمانہ میں جو لوگ کہ جزیرۂ فرانس سے ہندوستان میں تشریف لائے انھیں اس امر کی پوری توقع تھی کہ وہ ہمیں ٹیپو سے برسرِ جنگ دیکھیں گے لیکن اُن سب نے متفقہ طور پر یہ رائے ظاہر کی کہ اُس جزیرہ میں ٹیپو کی اُس زیادہ دلیری کا عام طور پر مضحکہ اُڑایا گیا ہے۔ ٹیپو کے سفیر اُس وقت جزیرہ میں موجود تھے جب فرانسیسی حکومت نے اعلان زیرِ بحث کے بموجب عملی کارروائی کرنی شروع کی۔ اور اُن سفیروں نے ٹیپو کی جانب سے وعدے کر کے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے کے لئے ترغیب و تحریص دینے میں حکومت فرانس کی اعانت کی اور انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ جہاں تک میسر آسکیں لوگ بھرتی کرلئے جائیں چونکہ فوجی بھرتی کی تعداد کے متعلق ہمیں غیر محدود اختیار حاصل ہے۔

اعلان میں فوجی بھرتی کے جو اغراض اور شرائط تھے ان کے بموجب ٹیپو کی ملازمت کے لئے سفیروں کو ایک سو افسران اور ۵۰ سپاہی بھرتی کرنے میں مدد دی گئی ازاں جملہ صرف معدودے چند افسران تجربہ کار یا قابل اشخاص ہیں اور سپاہی اس جزیرہ کے نہایت کمین اور رذیل اشخاص تھے ان میں سے بعض تو رضاکار تھے اور بعض جیل خانہ سے نکال کر جہاز پر سوار کروائے گئے تھے اور چند کافر اور دوغلے تھے۔ اس جدید فوج کے لئے سفیروں نے ٹیپو کے نام سے شرائط اور معاہدے کئے۔

سفراء مع اس نئی فوج کے ۷ مارچ ۱۷۹۸ء کو لاپرنیوز نامی جہاز پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے اور انھوں نے علانیہ طور پر بیان کر دیا کہ ہم مزید فوج بھرتی کرنے کی امید میں فی الحال جزیرۂ بوربن کو جا رہے ہیں اس لئے وہ اعلان جزیرۂ فرانس میں سفیروں کی آمد پر مرتب ہوا ان کے کارندوں نے اُسے تقسیم کیا اور انھوں نے اپنے ہر ایک سرکاری بیان میں اسکی تصدیق و توثیق کی اور آخر کار ان کی اعانت اور اشتراک عمل سے اس پر عملدرآمد ہوا۔

اس اعلان ہی سے سفیروں کی تائید و تصدیق بخوبی ثابت ہے۔ اس میں حسب ذیل واقعات درج ہیں۔

"کہ ٹیپو سلطان نے اپنے دو سفیروں کو جزیرۂ فرانس میں بھیجکر ان کی معرفت جزیرۂ فرانس کی مجلس منتظمہ وہاں کے جملہ فوجی جنرل اور فرانس کی مجلس انتظامیہ کے نام خطوط روانہ کئے جن میں حسب ذیل تجاویز پیش کی گئی تھیں۔

"اول۔ یہ کہ ما بدولت فرانس کے ساتھ مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کرنا چاہتے ہیں اور ہندوستان میں لڑائی رہنے کے دوران میں ہم اُس فوج کی کل تنخواہ ادا کریں گے جو فرانس ہمارے لئے فراہم کرے گا (بعض خاص قسم کے سامان کے علاوہ) ہم جنگ کے متعلق انھیں جملہ ضروری سامان دیں گے۔

دوسرے۔ یہ کہ ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری ساری تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور چونکہ یورپین ہندوستانی سلطنتوں سے جنگ کرنے کے

خوگر ہیں اس لئے آپ کے مرسلہ جنرلوں اور افسران کو ایسی جملہ اشیاء تیار ملیں گی جن کی اس جنگ میں ضرورت پڑے گی۔
تیسرے یہ کہ انگریزوں کو اعلان جنگ دینے کے لئے ہم صرف فرانس کی امداد کے منتظر ہیں اور ہماری دلی تمنا ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کریں"۔

ان واقعات کی بنا پر اس اعلان میں ٹیپو کی ملازمت کے لئے عام بھرتی کی سفارش کی گئی تھی۔ اعلان کے آخر میں یہ یقین دلایا گیا تھا کہ "جو لوگ بھرتی ہوں گے انھیں نہایت معقول تنخواہ اور الاونس دیا جائے گا جس کا تعین سفیر صاحبان کر دیں گے اور وہ اپنے بادشاہ کی جانب سے یہ معاہدہ کریں گے کہ جو فرانسیسی ان کی فوج میں بھرتی ہوں گے وہ جس وقت اپنے وطن کو واپس جانے کی خواہش ظاہر کریں گے اس کے بعد وہ ہرگز وہاں پر نہ روکے جائیں گے"

اس اعلان کا صاف اور صریح ہی مقصد ہے کہ ٹیپو کے مرسلہ سفیروں کے ذریعہ سے اس جزیرہ کے باشندے ٹیپو کی تجاویز سے آگاہ ہو جائیں اس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ وہ تجاویز درج ہیں جنھیں سفیروں کی موجودگی میں ہرگز بیان نہ کیا جاتا اگر واقعات مندرجہ بالکل صحیح نہ ہوتے یا اگر بحکم ٹیپو سفیروں نے جو تجاویز تحریر کی تھیں وہ تجاویز مندرجۂ اعلان سے مختلف ہوتیں لیکن اعلان کے آخری فقرہ میں سفیروں کی کارروائی کے متعلق جو کچھ درج تھا اس سے اس سارے معاملے میں نہایت واضح طور پر ان کی سازش معلوم ہوتی ہے۔ اس فقرہ میں سفیروں کے اختیارات واضح طور پر درج ہیں اور انھیں یہ بھی اختیار دیا گیا ہے کہ اعلان کی شرائط کے بموجب جو فرانسیسی رعایا فوج میں بھرتی ہونا چاہے ان کی تنخواہ اور عہدہ کے متعلق اپنے بادشاہ کی جانب سے وہ چند خاص شرائط طے کر لیں۔ جزیرۂ فرانس سے مجھے جو اطلاعیں موصول ہوئی ہیں ان سے اس واقعہ کی پورے طور پر تصدیق ہوتی

(۷۵)

ہے کہ سفیروں نے اعلان کے اس جزیر کھلم کھلا عملدرآمد کیا اور اعلان میں جو شرائط درج تھے ان کے بموجب ٹیپو کے نام سے انھوں نے بھرتی شدہ سپاہیوں سے شرائط اور معاہدہ طے کیا۔

مانسیور ڈی بروس (Monsieur de Bruce) نے جو منگلور میں اب مصاحب خاص ہے اور جس نے ہمارے ایک گواہ سے جس کا بیان لیا تھا وہ معاہدہ بیان کیا جو سفیروں اور اس کے درمیان طے ہوا تھا اور اس سے فرانس کی جدید بھرتی شدہ فوج کی امداد سے ٹیپو کا ارادہ فوراً کمپنی پر حملہ کرنے کا معلوم ہوتا تھا۔ اور یہ امر یقینی ہے کہ ٹیپو کی ملازمت کیواسطے بغیر اس قسم کے معاہدہ کے ایک رضاکار بھی جزیرۂ فرانس سے نہیں مل سکتا تھا جو شہادتیں کہ میں نے فراہم کی ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ سفیر جزیرۂ فرانس میں سپاہیوں کو پیشگی رقوم دینے کے لئے اپنے ساتھ کافی روپیہ نہیں لائے تھے اور یہ عذر پیش کیا گیا کہ انگریزی جنگی جہازوں کے اندیشہ سے وہ اس کام کے واسطے خزانہ لانے سے معذور رہے اور اس میں شک نہیں کہ اگر سفیر اپنے ہمراہ کافی روپیہ لاتے تو وہ زیادہ فوج بھرتی کرسکتے تھے کیونکہ انھوں نے صرف ٹیپو کے نام سے زبانی وعدوں پر ملازمت کرنے سے انکار کردیا۔

سفراء اپنے ہمراہ جزیرہ فرانس سے بھرتی کی ہوئی فوج لیکر جہاز لاپرنیوز (La Preneuse) سے منگلور میں ساحل پر ۲۶ اپریل کو اتر آئے اس فوج کی تعداد کے متعلق بیانات میں بہت کچھ اختلاف ہے اور غالباً وہ دو سو سے زیادہ نہ تھے۔ ٹیپو نے اپنے سفیروں کی اس کارروائی کے کسی جزو کو بھی ناپسند نہیں کیا بلکہ ان کا اور افسران و دیگر معزز اصحاب کا پورے اعزاز اور احترام کے ساتھ سرکاری طور پر خیر مقدم کیا۔ ٹیپو کا ایک سفیر مع ان فرانسیسی سپاہیوں کے منگلور کے قلعہ میں کچھ عرصہ تک مقیم رہا اور سلطان نے جملہ افسروں اور سپاہیوں کو اپنی ملازمت میں لے لیا۔ اسلئے جزیرۂ فرانس میں سفیروں کی کارروائی اور اپنی فراہم کی ہوئی فوج کے

(۷۶)

ساتھ ان کی منگلور میں آمد اور ٹیپو سلطان کا اپنے سفیروں اور فرانسیسی سپاہیوں کا خیر مقدم کرنے سے میری رائے میں حسب ذیل لازمی نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

اول۔ یہ کہ ٹیپو سلطان نے جو سفیر حکومت جزیرۂ فرانس کی خدمت میں بھیجے تھے انھوں نے وہاں کی حکومت سے برطانیہ کے مقبوضات ہند کے خلاف مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کرنے کی تجویز پیش کی اور اس قسم کا معاہدہ کرنا وہاں کی حکومت نے منظور کر لیا اور پھر سرکاری اعلان کے ذریعہ سے اس کی منظوری کی اشاعت کی گئی۔

دوم۔ یہ کہ ٹیپو سلطان نے اپنے سفیروں کو فرانس کی مجلس انتظامیہ کے نام خطوط دئے تھے جن میں یہی تجویز درج تھی چنانچہ سفیروں نے یہ خطوط جزیرۂ فرانس کے گورنر کی خدمت میں بغرض ترسیل فرانس پیش کر دئے۔

سوم۔ یہ کہ سفیروں نے ٹیپو کے نام سے سرکاری طور پر یہ شہرت دی کہ فوری جنگ شروع کرنے کے لئے جملہ ضروری تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں اور سلطان کو کمپنی کے خلاف اعلان جنگ دینے میں صرف فرانسیسی مدد کا انتظار ہے اس کی دلی تمنا یہ ہے کہ انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کیا جائے۔ (۷۷)

چہارم۔ یہ کہ سفیروں نے فرانس سے غیر محدود فوجی امداد طلب کی اور نہایت واضح الفاظ میں ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف فوراً جنگ شروع کرا دینے کی غرض سے جزیرۂ فرانس سے فوج بھرتی کی۔

پنجم یہ کہ وہ فوج ٹیپو کے ملک میں فی الحقیقت داخل ہو گئی اور نہایت اعزاز کے ساتھ وہ سلطان کے یہاں ملازم ہو گئی اور سفیروں کا نہایت اعزاز اور احترام کے ساتھ خیر مقدم کیا گیا۔

ششم۔ یہ کہ سلطان نے سفیروں کو اعزاز عطا کیا جنھوں نے فرانس کے ساتھ مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ طے کیا ہے اور اس معاہدہ کے اغراض پورے کرنے کے لئے سفیروں نے جو فوج بھرتی کی اُسے سلطان نے

اپنے یہاں نوکر رکھ لیا اور اس طرح سلطان نے بہ نفس نفیس اُن شرائط کی تصدیق و توثیق کردی جو جزیرۂ فرانس کے گورنر جنرل کے مشتہرہ اعلان میں درج تھیں اور اُس کے مشتہرہ اعلان کی شرائط پر سلطان نے عملدرآمد شروع کردیا ہے۔

ہفتم - یہ کہ جارحانہ معاہدہ کی رو سے ٹیپو سلطان کو فرانس سے جو فوجی مدد ملی ہے اگرچہ وہ ناقابل التفات ہے لیکن فرانسیسی اعلان کے مضمون حکومت فرانس سے غیر محدود فوجی امداد کی درخواست اور سفیروں کے اعلان نے ثابت کردیا ہے کہ ٹیپو کا یہ مقصد تھا کہ ہندوستان میں کمپنی کے خلاف جنگ شروع کرنے کے واسطے زیادہ سے زیادہ فوج نوکر رکھ لیجائے جو اُسے میسر آسکے ہمارے دشمن کے ساتھ جارحانہ اور مدافعانہ معاہدہ کرکے اور کمپنی کے مقبوضات پر حملہ کرنے کی غرض سے ہمارے دشمن کی اعانت سے فوج جمع کرکے اور اپنے سفیروں سے یہ مشتہر کرا کے کہ ہندوستان میں انگریزی سلطنت کا خاتمہ کرنے کی غرض سے اُس نے جنگی تیاریاں مکمل کرلی ہیں اور اس کا اعلان کرکے کہ وہ اب حملہ شروع کردینے کے انتظار میں ہے ٹیپو سلطان نے اُن معاہدوں کی خلاف ورزی کی ہے جو کمپنی کے اور اُس کے مابین بغرض صلح و دوستی قرار پائے تھے اور اس طرح اُس نے ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف کھلم کھلا عداوت اور دشمنی کی کارروائی کی ہے ۔ (۴۷)

قبل اس کے کہ میں بین الاقوامی قانون کو ٹیپو سلطان کے گذشتہ رویہ پر استعمال کروں یہ مناسب معلوم ہوا کہ اس امر کی تحقیقات کی جائے کہ گذشتہ چند سال کے دوران میں کمپنی کا اُس کے ساتھ کیسا برتاؤ رہا ہے اور کیا کمپنی نے اُس کے ساتھ کوئی ایسی اشتعال انگیز کارروائی کی ہے جس سے اُسے اپنی ان کارروائیوں کے لئے عذر مل سکے یا وہ حق بجانب تصور ہوسکیں ۔

سرنگاپٹم کا معاہدہ مرتب ہونے کے بعد سے ہندوستان کی انگریزی

حکومت نے ٹیپو سلطان کے ساتھ نہ صرف عدل و انصاف اور نیک نیتی کا برتاؤ کیا ہے بلکہ ہر ممکن ذریعہ سے اُس کا اعتماد حاصل کرنے اور اس کے منتقمانہ مزاج کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی ہے البتہ ہمارے مقبوضات واقع ساحل ملابار اور اسکی ریاست کی جہاں پر سرحدیں ملتی ہیں ان کے متعلق گاہے ماہے بعض اختلافات ضرور پیدا ہوئے ہیں لیکن انگریزی حکومت ہند کے کاغذات سے بخوبی ثابت ہے کہ اُس نے ہر ایک متنازعہ یا مشکوک مسئلہ کو صلح و آشتی کے ساتھ طے کرنے میں اپنی دلی تمنا ظاہر کی ہے اور ٹیپو سلطان کے واجب حقوق کو تسلیم کرنے کے کمپنی نے ہمیشہ نہایت صریح اور واضح ثبوت دئے ہیں اور کمپنی نے رشک وحسد کی ہر ایک ایسی وجہ کو رفع کرنے کی کوشش کی ہے جس سے کہ نقض امن کا احتمال ہو سکتا ہے۔

ہندوستان میں کمپنی کے ملازمان ناقابل تسکین انتقامی جذبات سے لاعلم نہیں رہے ہیں جو ٹیپو نے گزشتہ شکست کے بعد سے بغیر کسی قسم کی کمی کے ظاہر کئے ہیں۔ سب لوگ اس بات کو بخوبی جانتے ہیں کہ ٹیپو سلطان کا غصہ ہماری صلح جوئی یا کسی اور تدبیر سے ہرگز ٹھنڈا نہیں ہو سکتا ہے البتہ اپنی گم شدہ قوت کو از سر نو حاصل کر لینے انگریزوں کی فوجی قوت کی ذلت اور ہندوستان میں برطانیہ کے حقوق کی پائمالی سے اس کا غصہ رفع ہو سکتا ہے اور اس کے ان خیالات کو دیکھکر ہم متوقع تھے کہ وہ جب کبھی موقع پائے گا ہمارے مقبوضات پر حملہ کر بیٹھے گا۔ اگرچہ اُس نے ایسی احتیاط کے ساتھ دربار حیدرآباد و پونا کے ساتھ سازشیں کیں اور زماں شاہ کے پاس سفارت بھیجی تھی کہ کسی قسم کی صریح مخالفت ظاہر نہ ہو یہ واقعات اُسکی دلی مخاصمت کا بدیہی ثبوت ہیں لیکن ان واقعات نے اُس کے ساتھ کمپنی کے ملازموں کے برتاؤ میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کی۔ چنانچہ ضلع وناد (Wynad) کے بارے میں سابق گورنر جنرل نے اُس سے جو مراسلت کی اور بمبئی سے جو مراسلے اُس کے پاس بھیجے گئے وہ اس مسئلہ کو

(۷۹)

ایمانداری کے ساتھ طے کرنے کی سچی خواہش کا بین ثبوت ہیں جن میں یہ فقرہ درج تھا کہ "معاہدہ سرنگاپٹم کی دفعہ ۷ کے بموجب فریقین کے علم اور رضامندی سے یہ معاملہ طے ہونا چاہئے" اور میں نے بنگال پہنچتے ہی ضلع کورگ کے ایک علاقہ پر ٹیپو کے دعوے کے متعلق ایک مراسلہ روانہ کیا ان معاملات کو دوستانہ طور پر طے کرلینا چاہئے۔ اور اس کے ساتھ میری یہ اول مراسلت صلح جویانہ اسپرٹ کا بدیہی ثبوت ہے۔ اس نے باضابطہ اور باقاعدہ گفت و شنید کرنے سے پیشتر کورگ کی سرحد پر ایک فوجی دستہ متعین کرنے میں نہایت ناجائز عجلت سے کام لیا اور اس کے متعلق قدرے سخت کارروائی کرنے میں ہم حق بجانب ہوتے اس لئے ٹیپو سلطان ہرگز کوئی ایسا حیلہ نہیں پیش کرسکتا جس کی بناء پر اس نے اپنے گذشتہ عمل سے روگردانی کی ہے اس نے اس قسم کی کبھی کوئی شکایت نہیں پیش کی ہے بلکہ ہمیشہ کمپنی سے صلح و دوستی قائم رکھنے کی دلی خواہش ظاہر کی ہے۔ ٹیپو نے جو خط جزیرۂ فرانس سے اپنے سفیروں کی واپسی سے پیشتر سر جان شور کے نام تحریر کیا تھا اور جو فورٹ ولیم میں بتاریخ ۲۶ اپریل ۱۷۹۸ء موصول ہوا تھا (یہ وہی دن تھا جبکہ فرانسیسی فوج منگلور میں آپہونچی) اس مراسلہ میں ٹیپو نے صاف طور پر اس امر کا اعلان کیا تھا کہ میں صداقت اور انصاف کی دل سے قدر کرتا ہوں اور میں اتحاد اور دوستی کی ان بنیادوں کو مستحکم کرنا چاہتا ہوں جو دونوں سلطنتوں کے درمیان قایم ہوگئی ہیں" اور اس نے اپنی اس تمنا کا اظہار حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے کہ "سر جان شور اس دوستی اور اتحاد کو لارڈ مانگٹن کے ذہن نشین کردیں جو ان دونوں سلطنتوں میں نہایت مستحکم طور پر قائم ہے" (۸۰)

ان الفاظ سے کسی قسم کی ناراضی یا مخاصمت نہیں ظاہر ہوتی ہے نہیں معلوم کہ ٹیپو کے دوستانہ دل میں یہ صلح جویانہ قول و قرار کس ارادہ سے موجزن ہوئے تھے اور صداقت و انصاف سے انکا کیسا تعلق ہے اور ان سے کس طرح دوستی اور اتحاد کی بنیادیں مستحکم ہوسکتی ہیں اور کس لئے

سلطان کی نسبت میرے دل نشین کی گئی۔ اب یہ سوالات کرنے ہی فضول ہیں کیونکہ اب معلوم ہو گیا ہے کہ یہ خطوط عین اس وقت تحریر کئے گئے تھے جبکہ ٹیپو اُس فوجی امداد کا انتظار کر رہا تھا جو اُس نے کمپنی کے مقبوضات پر حملہ کرنے کی غرض سے ہمارے دشمن سے طلب کی تھی۔

اس لئے ٹیپو کی صرف یہی غرض تھی جو اُس نے ہمارے دشمن کے نام اپنے مراسلے میں ظاہر کی ہے اور جو اس کے سفیروں کی موجودگی میں شائع ہو گیا ہے اور جس کے الفاظ یہ تھے کہ "اس کی دلی تمنا انگریزوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کی ہے"۔

اس لئے ظن غالب یہی ہے کہ فرانس (جس کے قاصد اُس کے پاس آگئے تھے) کے مشوروں اور مواعید سے اُسے ایک ایسی تجویز پر تعجیل کے ساتھ عمل پیرا ہونے کی ترغیب و تحریص پیدا ہوئی جس میں فرانسیسیوں نے اس سے کچھ کم جوش، عداوت اور مخاصمت کا اظہار نہیں کیا چونکہ برطانیہ عظمیٰ کو ان مقبوضات سے زبردست فوائد حاصل ہیں ان کی اہمیت کو دیکھکر حکومت فرانس کو ہندوستان میں ہماری سلطنت تباہ و برباد کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے۔ (۸۱)

ہندوستان میں ہمارے مقبوضات کی سرسبزی مدت دراز سے فرانس کے رشک و حسد کا موجب ہے جس کا اظہار اُس کے وزراء نے ہر ایک نامہ و پیام میں کیا ہے اور اسی رشک کو اس کا ہر ایک فرماں روا اپنی بیشمار بغاوتوں کی ہر ایک منزل میں بیان کر چکا ہے اس لئے ٹیپو معقول طور پر یہ امید کر سکتا ہے کہ یورپ کی جنگ و جدال سے فارغ ہو کر اگر فرانس کی انتظامیہ مجلس کو کسی وقت ہندوستان میں نقض امن کرنے کی طرف توجہ کرنے کا موقع ملے تو غالباً سب سے اول وہ یہی کارروائی کرے گی۔

یورپ میں صلح نامہ مرتب ہو جانے۔ ریاست حیدرآباد و پونا کی اندرونی کمزوری۔ ان دونوں کے موجودہ جھگڑے جن سے اُن کی دوستی اور اتحاد کے شکست ہو جانے کا اندیشہ ہے فرانس کی روز افزوں مخاصمت کو اور قوی کرنے کا موجب ہوئے اور ٹیپو اور فرانسیسیوں کو اپنی متحدہ تجویز پر عمل کرنے کا

ہندوستان کے ہر ایک حصہ میں نہایت موزوں و مناسب موقع نظر آنے لگا۔

اس تجویز کا قبل از وقت اظہار ٹیپو کی حماقت سے نہیں ہوا بلکہ زیادہ تر اسے مانسیور ملارٹیق (M. Malaritique) کی حکمت عملی پر محمول کرنا چاہئے ابھی یہ بات بہت مشکوک ہے کہ اس کا مقصد ہمیں ٹیپو کے ساتھ بر سر پیکار بنانا تھا یا اس کی دغا بازی کو ہم پر ظاہر کرنا۔ لیکن جو واقعات اس تجویز کو قبل از وقت ظاہر کرنے کا موجب ہوئے اور ایسی تجاویز سوچنا حماقت یا دانشمندی پر مبنی تھا اس تجویز میں کچھ کامیابی حاصل ہوئی یا قطعی ناکامی نصیب ہوئی یہ ایسے مسائل ہیں جن کے حل ہونے کا کوئی اثر مخاصمانہ نیت اور صاف و صریح بدعہدی پر نہیں پڑتا ہے۔ تاریخ عالم بمشکل کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے جس میں دو سلطنتوں نے آپس میں اس قسم کے مقاصد کے لئے کبھی اس طرح اتحاد قائم کیا ہو یا دوستی کی ہو لہذا ایک فریق جو کمپنی کے خلاف مخاصمانہ عہد نامہ کی تجویز کرتا ہے وہ اس حرکت کے نتائج بھگتنے سے اس لئے نہیں بچ سکتا ہے (۸۲) کہ دوسرے فریق نے اس تجویز کے قبول کرنے میں درحقیقت یا بظاہر اپنی بے تعلقی ظاہر کی ہے اس لئے مانسیور ملارٹیق کی نیت کا قیاس کر کے ٹیپو کے طرز عمل کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

میں نے اس معاملے میں اقوام عالم کے قوانین کے مسلمہ اصولوں سے کام لیکر کمپنی کے حقوق اور اپنے فرائض کی بابتہ اپنی رائے قائم کی ہے جو ٹیپو کی زیادتیوں کے متعلق ہے میرے دلائل کا طریقہ حسب ذیل الفاظ میں بیان ہو سکتا ہے سلطنتوں کے حقوق امن عامہ کو قائم کرنے کی ضرورت سے غیر سلطنتوں سے نزاع ہونے کی صورت میں پیدا ہوا کرتے ہیں اور یہ ضرورت بنیاد ہے ان حقوق کی جو اقوام کو مشکوک حالت اور مشتبہ طرز عمل کی بابتہ جواب طلب کرنے نقصانات کی تلافی کرانے اور آئندہ کے نقصانات سے تحفظ کا بندوبست کرنے سے حاصل ہوتے ہیں۔

ایسی صورت میں جب کہ کسی طرح کا اطمینان نہیں دلایا جاتا ہے اور

واقعات کی نوعیت ایسی ہے کہ کسی اور طرح پر اطمینان حاصل نہیں ہو سکتا ہے مظلوم فریق کو بیشک یہ استحقاق حاصل ہے کہ وہ امن عامہ برقرار رکھنے کی خاطر اپنی تلوار سے کام لے اور اس موقع پر سلطنت کا یہ حق وہاں کی حکومت کا فریضہ بن جاتا ہے تاوقتیکہ مفاد عامہ کا کوئی زبردست خیال اُسے اس ارادہ سے نہ روکے۔

اگر سلطان کا رویہ اس قسم کا ہوتا جسے مشکوک اور مبہم کہہ سکتے یا اگر اُس نے صرف معمول سے زیادہ اپنی فوج میں اضافہ کیا ہوتا یا اپنی فوج کو ہماری یا ہمارے کسی حلیف کی سرحد پر تعینات کر دیا ہوتا جس سے حسد یا خوف کا اندیشہ پیدا ہو سکتا ہے یا اگر اُس نے دربار حیدرآباد، پونا و کابل کے ساتھ اپنی خفیہ سازشوں کو پھر شروع کیا ہوتا یا اُس نے فرانس سے بھی کوئی ایسا معاہدہ کر لیا ہوتا جس کا مقصد مبہم ہوتا تو اس وقت بھی ہمارا فرض تھا کہ ہم اس کارروائی کے متعلق جواب طلب کرتے اور چونکہ وہ مشتبہ قسم کی ہوتی اس لئے اُس کا کوئی قابل اطمینان جواب دیا جا سکتا تھا۔ لیکن جس معاملے (۳۴۷) میں کہ کسی قسم کا شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہیں پھر اس کے متعلق جواب طلب کرنے کا کوئی سوال نہیں ہو سکتا۔

ٹیپو نے اپنے سفیروں کی کارروائی کی خود تصدیق کی ہے اس کے سفیر فرانسیسی فوج کے ہمراہ اس کے ملک میں داخل ہوئے اور بیشک یہ ایک صاف اور صریح اعلان جنگ ہے اور اس کی غرض نہ تو ہم سے جواب طلب کرنا نہ کسی نقصان کی تلافی اور نہ اپنی کسی طرح کی حفاظت ہے بلکہ ہندوستان میں حکومت برطانیہ کا نیست ونابود کر دینا ہے۔ ایسی اہانت اور مضرت کے غلط معنی لینا خوف یا کمزوری کا مرادف ہوگا ہندوستان کی کوئی ریاست ٹیپو کے طرز عمل کی تاویل نہیں کر سکتی ہے ہمارے رزیڈنٹ صاحبان متعینہ حیدرآباد و پونا نے صاف الفاظ میں ظاہر کر دیا ہے کہ ٹیپو کے طرز عمل کی بابتہ ان ریاستوں میں کس قسم کے خیالات ہیں آئندہ اگر اس قدر صاف اور صریح معاملے میں ہم ٹیپو سے محض جواب طلب

کریں تو یہ ہماری کمزوری اور بزدلی کی علامت ہو گی اس لئے اس قسم کے مطالبہ کا نتیجہ ہندوستان کی ہر ایک ریاست اور بالخصوص ہمارے دوستوں کی نظر میں ہمارے کیرکٹر کی ذلت اور ہمارے اثر اور وقار کو ان کی نگاہ میں کم کرنے والا ثابت ہو گا اگر ٹیپو اپنی تجویز پر عمل کرنیکے لئے اس موقع کو مناسب تصور کریگا تو ہمارے اس مطالبہ پر وہ فوراً حملہ کر دیگا اور اگر اس کی جنگی تیاریاں ابھی مکمل نہیں ہوئی ہیں تو وہ فرانس کے ساتھ معاہدے کرنے سے انکار کرے گا اور اپنے انکار پر اُس وقت تک قائم رہے گا جب تک کہ وہ ان معاہدوں سے پورا فائدہ نہ اٹھالے گا اور بالآخر اپنی فوج کو پورے طور پر درست کر دینے کے بعد وہ فرانس سے مزید فوجی امداد حاصل کرے گا اور پھر دونوں کی متحدہ قوت سے وہ نہایت تیزی اور جوش کے ساتھ جو ہماری خاموشی سے پیدا ہو گا اور تاخیر سے دوچند ہو جائے گا ہمارے مقبوضات پر حملہ کر دے گا اس لئے اس معاملہ میں جواب طلب کرنے کا خیال بالکل ترک کر دینا چاہیئے چونکہ اصولاً وہ نہایت ذلیل اور اسکا مقصد بیہودہ ہے۔

اب رہا تاوان کا خیال وہ بجز ان معاملات کے ضرر رسانی کے منصوبہ پر صحیح معنوں میں پیدا ہی نہیں ہوتا ہے جبکہ مطلوبہ تاوان کی نوعیت مضرت رساں منصوبہ سے خصوصیت کے ساتھ وابستہ ہو۔

جبکہ کوئی سلطنت زبردستی کسی جائداد پر قبضہ کرلے یا کسی کے ملک کو فتح کرلے یا وہ کسی دوسری سلطنت کے حقوق تلف کر دے تو ایسی صورت میں لیا ہوا ملک واپس دینے یا تلف کردہ حقوق کو تسلیم کرا دینے کی شکل میں تاوان دلایا جاتا ہے لیکن ٹیپو کے متعلق ہمیں یہ شکایت نہیں ہے کہ اُس نے زبردستی ہمارا کوئی علاقہ غصب کرلیا ہے جسے وہ واپس کر دے اور نہ اُس نے ہمارے ملک کا کوئی حصہ فتح کرلیا ہے جو پھر واپس کر دینا چاہیئے اور نہ اُس نے ہمارے کسی حق کو تلف کیا ہے جسے وہ پھر تسلیم کرلے ہمیں تو اس کا شکوہ ہے کہ دوستی اور اتحاد کے معاہدہ کی بنا پر نہایت

(۸۴)

دوستانہ اور ہمدردانہ برتاؤ کا اقرار کرکے اور ہماری جانب سے کسی قسم کی اشتعال انگیز کارروائی نہ ہونے پر بھی اُس نے ہمیں بالکل نیست و نابود کر دینے کی تجویز کا اظہار کیا ہے اُس نے ہم پر تباہ کن حملہ کرنے کے وسائل اور ذرائع حاصل کرنے کی تدابیریں کی ہیں اُس نے ہمارے دیرینہ دشمن سے درخواست کرکے اُسکی مدد حاصل کی ہے اور اب وہ ہمارے وجود کی بیخ کنی کے لئے مزید موثر امداد کا منتظر ہے۔

اُسے ابھی معقول فوجی امداد نہیں ملی ہے جس کی اُس نے التجا کی ہے اور اس کی وجہ خواہ حکومت مارشیس کی کمزوری یا ٹیپو کی امداد کے لئے اُس کی سرد مہری ہو یا خود اسکے مشیروں کی حماقت اور کمزوری ہے لیکن اسکی مخاصمانہ کارروائی یا اس کے روکنے کے لئے ہمارے استحقاق اور اُس سے ہمارے خطرات کا اندازہ اس کی حاصل شدہ فوجی امداد سے نہیں ہو سکتا ہے ہمیں معلوم ہے کہ اُس نے غیر محدود فوجی امداد کی درخواست کی تھی اور اُس نے فوجی امداد نہ صرف مارشیس سے بلکہ فرانس سے بھی طلب کی تھی اور ہم اس کا اندازہ نہیں کر سکتے ہیں کہ اسکی توقعات کے بموجب پوری امداد اسے کسوقت تک مل جائے گی۔

(۸۵) اُس لئے یہ کوئی اس قسم کا نقصان نہیں ہے جس کی تلافی ہو سکے بلکہ یہ ہمارے ضدی، خطرناک اور دغاباز دشمن کی موجودہ اور آیندہ تجاویز سے اپنی حفاظت کرنے کا سوال ہے اس قسم کے دشمن سے صرف اسی صورت میں ہمارا تحفظ ممکن ہے کہ ہم اُس کی قوت کو اس درجہ کمزور کر دیں جس سے نہ صرف اسکی موجودہ تیاری کا خاتمہ ہو جائے بلکہ آیندہ حملہ کرنیکے جملہ وسائل کا مستقل طور پر سد باب ہو جائے مرقومہ بالا دلائل سے بیشک اس قسم کے تحفظ کا ہمیں حق حاصل ہے لیکن ہم ہرگز یہ فرض نہیں کر سکتے ہیں کہ ٹیپو سلطان بطیب خاطر اپنے دلی منصوبوں کو ترک کر دے گا اور اپنی مخاصمت۔ دغابازی اور حرص و ہوس سے باز آجائے گا۔

اس لئے اصول معدلت اور قوانین اقوام عالم ہمیں اس قسم کا

تحفظ حاصل کرنے کا مستحق قرار دیتے ہیں اور چونکہ ٹیپو بطیب خاطر اس پر راضی نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کمپنی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ ٹیپو کو راضی ہونے کے لئے مجبور کرے اور اسی طرح بلا تاخیر اپنی قوت کو استعمال کرنا میرے فرائض میں داخل ہے بشرطیکہ میرے اس فعل سے کمپنی کو اسقدر نقصان نہ پہونچے جسقدر کہ ٹیپو کی بلا روک ٹوک جنگی تیاریوں سے پہونچ سکتا ہے۔ اپنی جنگی تیاریوں کے دوران میں ٹیپو صلح اور جنگ کے سوال کو اپنے ہاتھ میں رکھیگا اور وہ ہمارے مقبوضات پر پیشتر سے سوچے ہوئے حملہ کے طریقہ اور وقت کے انتخاب کا استحقاق بھی اپنے ہی ذمہ رکھے گا۔

اُسے ابھی فرانس سے معقول فوجی مدد نہیں ملی ہے اور ساحل ملا بار پر بارش ختم ہونے سے پیشتر اس مختصر عرصہ میں غالباً اُس کے ملک میں مزید فوجی امداد نہ پہونچ سکے گی اور جبکہ وہ فرانسیسی حکومت کے ساتھ بحری آمد و رفت کا سلسلہ رکھے گا تو اس میں کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ فرانسیسی اُسے فوجی مدد دینے اور جنگ پر آمادہ کرنے کی ہر طرح پر کوشش کریں گے۔ غالباً دو ایک فرانسیسی رجمنٹوں کی آمد ٹیپو کو (۸۶) حملہ شروع کر دینے پر آمادہ کر دے گی اور غالباً فرانسیسیوں کی یہ مختصر جماعت موجودہ حالات میں ہندوستان کی دیسی فوجوں میں خوف و دہشت پیدا کرنے کا موجب ہو گی۔ مسٹر ڈھم فرماتے ہیں کہ فرانس کی مستقل پالیسی ہے کہ جملہ دیسی ریاستوں میں فرانسیسی افسران ملازم ہو جائیں اور یہ پالیسی ہماری سلطنت کی بنیادیں اُکھاڑنے کی غرض سے اختیار کی گئی ہے اور اس پالیسی پر نہایت محنت و جانفشانی اور زبردست کامیابی کے ساتھ نظام دکن دستدھیا اور دوسرے چھوٹے چھوٹے فرماں رواؤں کی فوجوں میں عمل کیا گیا ہے اگر ٹیپو کو فرانس سے ایسی فوجی امداد حاصل کرنے کی اجازت دیدی جائے جس سے اُنکو ہم پر حملہ کرنے کی جرائت پیدا ہو تو پھر اس کی ابتدائی نقل و حرکت کی تائید فرانسیسی قسمت آزماؤں کی مختلف جماعتیں عام سرکشی سے کریں گی جو مختلف ریاستوں میں ملازم ہیں اور جو ہندوستان کے

ہر حصے میں باہم مشورہ اور مراسلت کرتے رہتے ہیں۔ ایسے واقعات کی موجودگی میں مقتضاءِ دانش مندی یہی ہے کہ اصل مرض کا علاج کیا جائے جس ہیں کہ ٹیپو نے اپنی مخاصمانہ تجاویز ظاہر کی ہیں لیکن اپنی تجویز کو پورا کرنے کے وسائل نے اُسے مایوس و نا امید کردیا ہے اور اوس کی مایوسی، کمزوری اور افسردہ دلی کے وقت نہایت دانشمندانہ پالیسی یہی ہے کہ ہم فوراً اُس کے مقبوضات پر حملہ کردیں کیونکہ اس سے اُسکی ساری جنگی تیاریاں خاک میں مل جائینگی اور پھر جب کبھی فرانس سے کچھ کمک آئے گی تو وہ اس قابل ہی نہ ہوگا کہ اُس سے کچھ فائدہ اٹھا سکے۔

فرانس سے سردست اُسے بہت کم فوجی امداد ملی ہے اور اس کے باعث اوسکی قوت کو کمزور کرنے کے لئے ہمارا حق زائل نہیں ہوتا ہے بلکہ اُس پر فوری حملہ کرنے کی یہی ایک زبردست دلیل قرار دیجا سکتی ہے۔

(۸۷) اس لئے ہماری حکومت کے حقوق اور مفاد ہماری اس رائے کی تائید کرتے ہیں کہ ٹیپو کے انتقامی منصوبوں کے عمل میں آنے سے قبل ہی ہم ہر طرف سے اُس کے ملک پر حملہ کردیں میری اس دلیل کی تائید مجلس نظما کے احکام کے مضمون اور ٹیپو سلطان کے ملک میں فرانسیسی امدادی فوج کی آمد کے متعلق اس حکومت کی کارروائی سے ہوتی ہے۔

مجلس نظماء کے احکام یہ ہیں کہ "ٹیپو کے ملک میں فرانسیسی فوج کا قدم رکھنا ہی اُس کے ملک پر ہمارے حملہ کا اشارہ ہونا چاہئے"

نواب گورنر جنرل بہادر نے ان احکام کے متعلق فورٹ سینٹ جارج کے صدر بشمول کونسل کے نام اپنی ہدایات مورخہ ۱۲ ستمبر ۱۷۹۶ء میں یہ تحریر کیا تھا کہ "فرانسیسی فوج کی تعداد معقول ہونے کی صورت میں ہمارا حملہ آور ہونا جائز ہوگا" لیکن میری رائے میں اس ہدایت سے سابق گورنر جنرل بہادر کا یہ مطلب نہیں قرار دیا جاسکتا ہے کہ ٹیپو سلطان پر حملہ کرنے کی حکمت عملی یا اس کے جواز کو فرانسیسی فوج کی تعداد پر منحصر کرنا چاہئے جو ٹیپو کے ملک میں داخل ہو۔ یہ کہنا یقیناً درست ہے کہ فرانسیسی فوج کا بہ تعداد کثیر ٹیپو کے

ملک میں داخل ہونا سلطنت برطانیہ کے خلاف اُس کے مخاصمانہ ارادہ کی بیّن علامت ہوگی اور اس کے برعکس اگر چند افسر اور سپاہی اس کی فوج میں ملازمت کرلیں تو خاص حالات میں یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اُس نے یہ کارروائی اپنی فوج کی تنظیم اور ان کی اصلاح کے واسطے کی ہے اور اُس کا یہ ارادہ نہیں کہ وہ کمپنی یا اُس کے حلیفوں کے ملک پر حملہ کرے میرے نزدیک سابق گورنر جنرل بہادر نے اسی نظر سے ٹیپو کے ملک میں فرانسیسی فوج کی آمد کو دیکھا تھا اور اس قسم کی ضرورت کے موقع پر اسی اصول اساسی سے کمپنی کے فیصلہ کو محدود کیا گیا ہے لیکن موجودہ معاملے میں ٹیپو کے مخاصمانہ ارادوں کا اظہار اعلانات، اشتہارات، اُس کے سفیروں کے طرز عمل اور فرانس سے بلا تعین فوجی امداد کی التجا ہے ان واقعات کے علاوہ فرانسیسی فوج کا اُس کے ملک میں آنا اور ملازمت میں داخل ہونا اگرچہ اُس کے مطالبہ سے اس امدادی فوج کی تعداد بہت کم تھی یہ جملہ امور مجلس نظمار اور اس حکومت کے احکام کے منشا کے مطابق "اُس پر ہمارے حملہ آور ہونے کی علامت" متصور ہونی چاہیے۔ (۵۸)

اس لئے میری رائے یہ ہوئی کہ حتی الامکان بہت جلد ٹیپو پر حملہ کردینا چاہیے کیونکہ اس تدبیر سے ہمارے یہ مقاصد نہایت آسانی کے ساتھ حاصل ہو جائیں گے کہ اول تو ہم ساحل ملابار پر گھاٹوں کے تمام بحری علاقہ پر قابض اور متصرف ہو جائیں گے تاکہ آئندہ وہ پھر کبھی اپنے معاونوں سے بحری پیام وسلام نہ کرسکے۔

دوسرے ساحل سے براہ راست اُسکے دارالحکومت پر حملہ آور ہوکر ہم اُسے صلح کرنے پر مجبور کریں تاکہ ساحل ملابار کے مفتوحہ علاقہ کو وہ باضابطہ ہمارے حوالے کردے۔

تیسرے یہ کہ کل صرفہ جنگ ادا کرنے پر ہم اُسے مجبور کریں گے اس سے دوگونہ فائدہ ہوگا اولاً ہمارا سارا خرچہ جو اُس کی جارحانہ کارروائی سے ہم پر لاحق ہوگا وصول ہو جائے گا دوسرے اسکی مالی حالت سے

کمزور ہو جانے سے آیندہ کے لئے ہمارا تحفظ ہو جائے گا۔
چوتھے یہ کہ ہم اُسے اس بات کو منظور کرنے پر مجبور کریں گے کہ اُس کے دربار میں ہمارا رزیڈنٹ مستقل طور پر رہا کریگا اور اس تدبیر سے ہم اُس کی کارروائیوں اور دغابازی کا بروقت تدارک کر سکیں گے۔
پانچویں یہ کہ اگر ہم اُس کے ساتھ کوئی صلحنامہ کریں تو اس کی اول شرط یہ ہونی چاہئے کہ وہ اپنے ملک اور اپنی فوج میں سے جملہ فرانسیسیوں کو نکال دے۔

اس خاکہ کو پیش نظر رکھکر میں نے یہ حکم نافذ کیا تھا کہ ساحل کارومنڈل و ملابار اور بمبئی کی فوجیں فوراً مجتمع کرلی جائیں۔

اور مجھے پوری توقع تھی کہ اگر ہز مجسٹی کے اسکواڈرن متعینۂ ساحل ملابار سے مل کر (جسکے بھیجنے کا امیر البحر رینیر (Ranier) نے وعدہ کیا تھا) حتی الامکان بہت جلد ٹیپو پر حملہ کردیں تو فرانس سے فوجی مدد آنے سے پیشتر ہی ہم ٹیپو کی قوت کو بیحد کمزور کردیں گے لیکن میں نے کبھی یہ رائے نہیں دی ہے کہ اُس پر اس قسم کا کوئی حملہ کیا جائے جس کی کامیابی اُن اصحاب کے نزدیک مشتبہ ہو جن کی رائے پر میں ہر ایک فوجی معاملے میں عملدرآمد ہونا ضروری سمجھتا ہوں۔

ٹیپو کی مسلمہ تجویز۔ اُس کی جنگی تیاریوں کی حالت (جو باوجود اسکی گذشتہ مایوسی کے یقیناً جہاں تک اس کی فوج کا تعلق تھا بہت بڑھی ہوئی تھی) اُس کے ارادوں کی غیر یقینی کیفیت جو اُس کے جبلی جوش انتقام کو عملی صورت اختیار کرنے پر مجبور کر سکتی ہے اور اُس کے نامعقول جوش و خروش کے متعلق میری معلومات جس سے کہ اُس نے برطانیہ کے خلاف انتقامی کارروائیاں کی ہیں یہ جملہ امور اس ضرورت کی تائید کرتے ہیں کہ ہم جنگ کے واسطے کم از کم اُس کی فوج کے مساوی تیاریاں کرلیں یہ تجاویز اب اختیاری نہیں ہیں بلکہ میرے ناگزیر فرائض میں سے ہیں میں کرناٹک کی حفاظت کو ایسی نازک حالت میں نہیں چھوڑ سکتا کہ

وہ ٹیپو سلطان اور اُسکے فرانسیسی دوستوں کے رحم پر مبنی ہو۔ میری رائے میں فی الفور یہ کارروائی کرنا نہایت دانشمندی میں داخل ہے کہ میدان جنگ میں مقابلہ کرنے کے لئے واقعات کی بنا پر حملے کے وقت کا تعین بجائے ٹیپو کے اپنے ہاتھ میں رکھیں اور اس کے بعد خواہ ہمیں اپنی فوج سے کیسی ہی خدمت کیوں نہ لینی پڑے اس لئے میں نے فوج کے اجتماع کے واسطے جو احکام نافذ کئے تھے (اور اب میں نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ میں نے اُسی وقت حملہ کرنے کے خاکہ کے طور پر ظاہر کر دی تھی) اور میرے وہ احکام ایسے اصولوں پر مبنی تھے جو جنگی خاکے کی عملی صورت سے آزاد تھے اور ان کا تعلق نہ صرف کرناٹک کی فوری حفاظت سے تھا بلکہ وہ دوامی دور اندیشی اور حفاظت کی دیگر زبردست تجاویز کے متعلق بھی تھیں جو ہر نازک موقع کی ضروریات کے لحاظ سے میرے خیالات کو وسیع کرتی رہیں۔ جب میں نے ٹیپو پر مجوزہ حملہ کرنے کے مقاصد اور وقت کی بابتہ ان فوجی حکام کے روبرو اپنے خیالات پیش کئے جن کا میں ہمیشہ احترام کرتا ہوں تو انھوں نے بھی اپنی یہی رائے ظاہر کی کہ "ہماری فوجی حالت اسی کی مقتضی ہے کہ آپ کی مجوزہ کارروائی میں بالآخر یقیناً ہمیں فتح مندی حاصل ہوگی" اگر وہ ہماری فتح مندی کی طرح فوری کارروائی کی بھی تائید کرتے تو میں اسی وقت فی الفور حملہ شروع کر دینے کے احکام نافذ کرنے میں مطلق پس و پیش نہ کرتا لیکن اُن کے بیان سے مجھے معلوم ہوا کہ ٹیپو کو اُس کے وسائل حملہ آوری سے اچانک اور فوراً محروم کر دینے کی بیشمار فوائد سے کمپنی کو کسی قسم کا نفع پہونچنے کی بجائے ہمارے حملے کا نتیجہ نہایت تکلیف دہ طوالت اور بیحد مصارف کا موجب ہوگا اگرچہ آخر میں ہماری ہی فتح رہے گی چونکہ اس میں ایسی مشکلات حائل ہیں جو موجودہ تدابیر اور کارروائی سے حل نہیں ہو سکتی ہیں اگرچہ آئندہ کوشش اور ثابت قدمی سے وہ رفع کیجا سکتی ہیں مجھے تحقیقات کرنے پر معلوم ہو گیا کہ ساحل کارومنڈل (Coromandel) کے فوجی نظام میں زبردست نقائص موجود ہیں اور فورٹ سینٹ جارج کے

۹۰

گورنر اور اس فوج کے اَدجوٹنٹ (Adjutant) جنرل نے بھی اپنی شہادت میں اسکی تائید کی ہے اور میں نے اپنی یادداشت متعلق صیغۂ راز مورخہ ۲۰ جولائی میں اس شہادت کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اب اس موقع پر میں اپنے خیالات کا حوالہ دونگا۔ حکومت فورٹ سنیٹ جارج کا مراسلہ مورخہ ۱۰ جولائی تو اس رائے کے حدود سے بہت زیادہ تجاوز کر گیا ہے جو ٹیپو سلطان کی مخاصمانہ کارروائی کو روکنے کی مشکلات کے متعلق ہم نے خود قائم کی یا کسی اور کی زبانی اس وقت تک سنی ہے اس مراسلے میں عبدر باحلاس کونسل نو مدافعت کے لئے معمولی حفظ ماتقدم ہی پر افسوس کرتے ہیں کیونکہ اس سے شاید ٹیپو اور زیادہ ناراض ہو کر ہمارے غیر محفوظ مقبوضات پر حملہ کر بیٹھے۔

91

طویل جنگ کے مصارف۔ اور اس عظیم الشان مصیبت کے خراب اثرات کمپنی کی تجارت پر انگلستان میں ہمارے مالی معاملات پر ہماری ہندوستانی رعایا کی مرفہ الحالی اور سلطنت برطانیہ کی سرکاری آمدنی اور قرضہ پر ضرور پڑیں گے اور اب مجھے اس کی بیحد فکر دامن گیر ہے اور ہماری مالی مشکلات و پریشانیوں نے میری مشکلات میں اور زیادہ اضافہ کر دیا ہے۔ اب اس مسئلہ کی نوعیت بالکل جداگانہ ہو گئی ہے۔ میری ابتدائی تجویز صرف ایک فوجی حملہ کی تھی جس میں بہت مختصر زمانہ صرف ہوتا اور اس میں کچھ زیادہ صرفہ بھی نہ تھا اور اس میں ہماری فتح یقینی تھی اور اس سے مزید فائدہ یہ حاصل ہوتا کہ ہماری مالی حالت اور درست ہو جاتی اور ہمارے جملہ مصارف غنیم کے سر پڑتے جس نے اشتعال دلا کر ہم سے حملہ کرایا لیکن اب مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میری تجویز پر اسوقت تک عملدرآمد نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم ایک طولانی جنگ کے مصارف اور تکالیف کا بار برداشت نہ کریں۔

اس معاملے میں ہمارے حلیفوں کی حالت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ وہ ہماری ترقی کے راستے میں لاینحل روڑے ہیں اگرچہ اس قسم کی جنگ میں

جس کا میں نے تذکرہ کیا ہے حیدر آباد اور مرہٹوں کی امداد حاصل کرنا ضروری ہے اور مجھے ہمیشہ یہی اطلاع موصول ہوئی ہے کہ میسور میں عرصۂ دراز تک جارحانہ جنگ کا قائم رکھنا بغیر پیشوا اور حضور نظام کی مدد کے اگر نا ممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے کیونکہ یہی دونوں سلطنتیں میدان جنگ میں ہماری فوجوں کو رسد بہم پہنچانے میں بڑی سہولتیں پیدا کر دیں گی۔

دربار حیدر آباد و پونا سے ہمارے ساتھ جلد اشتراک عمل کرنے کی کوئی امید نہیں اور اگرچہ میں نے نہایت عجلت کے ساتھ ایسی تدابیر اختیار کی ہیں جن کی بدولت ہمارے دوستوں میں مدافعانہ معاہدوں کو پورا کر سکنے کی قوت پیدا ہو جائے لیکن ابھی عرصۂ دراز تک ان تدابیر سے مستفید ہو سکنے کی مجھے کوئی توقع نہیں ہے اور تا وقتیکہ ہمارے حلیفوں کی حالت درست نہ ہو جائے کسی ایسی جنگ کا چھیڑنا عقلمندانہ فعل نہیں ہے جس کے طول پکڑنے کی توقع ہو اس لئے ان مشکلات کے باعث میں دلی افسوس اور مایوسی کے ساتھ اس بات کو محسوس کرتا ہوں کہ اس تجویز پر عمل کرنے کے لئے یہ وقت ہرگز موزوں و مناسب نہیں ہے جو مجھے اپنے فرائض کی ضروریات اور کمپنی کے حقوق و مفاد کی حفاظت کے لئے ضروری معلوم ہوئی تھی اس لئے ٹیپو کے ملک پر فی الفور حملہ کرنے کی تجویز سے میں دست بردار ہوتا ہوں لیکن جن واقعات نے کمپنی کے حقوق کے استحکام کو سر دست معرض التوا میں ڈال دیا ہے وہ مجھے اس فرض سے باز نہیں رکھ سکتے ہیں کہ میں مدافعانہ انتظام اس طور پر قائم کروں جس سے درمیانی تحفظ جو ہمیں اس وقت میسر آسکتا ہے بلا تاخیر حاصل ہو جائے اور اگر ٹیپو حملہ کرے تو ہم فوراً اسے شکست دے سکیں اور اگر ہم اپنے حلیفوں سے ملکر اپنے حقوق کے تحفظ کا اس سے مطالبہ کریں تو ہمیں ان انتظامات سے مدد مل سکے۔

اس فرض منصبی کے احساس نے مجھے یہ ترغیب دی کہ ۸ جولائی سے اس وقت تک حکومت فورٹ سینٹ جارج و بمبئی اور رزیڈنٹ صاحبان

۹۲

متعینہ حیدر آباد و پونا کے نام جو احکام اور ہدایتیں جاری کی گئی ہیں وہ سب مجلس نظماء کی خدمت میں پیش کردوں۔ ہمارے حقیقی خطرہ کی نوعیت اور اس کے پیدا ہونے کے اسباب و علل کے بیان کردینے سے وہ اصول معلوم ہو سکتے ہیں جن پر یہ احکام اور ہدایتیں مبنی ہیں۔

اور جب تک کہ ہندوستانی ریاستوں کے ساتھ ہمارے مدافعانہ معاہدوں کا پورا انتظام اور وہ جملہ واقعات نہ بیان کردیئے جائیں جن کا اثر ہندوستان کے توازن قوت پر پڑتا ہے اس وقت تک اس مسئلہ کے متعلق کوئی صحیح اور تفصیلی رائے نہیں قائم کی جا سکتی ہے۔

۹۳

پونا بنگلور اور سرنگاپٹم کے معاہدوں سے ہماری یہ غرض تھی کہ ٹیپو کے وسائل آمدنی اور ملک کو گھٹا کر پیشوا اور حضور نظام کے مفاد کو اپنے ساتھ وابستہ کرکے اور انھیں طاقتور بنا کر اس کے خلاف ایک روک تھام قائم کردی جائے اور جب کبھی میسور سے جنگ ہو تو اس میں حضور نظام اور پیشوا کو اپنا شریک بنا کر ٹیپو سلطان کو آئندہ کسی قسم کا ظلم و زیادتی کرنے کے قابل ہی نہ رکھا جائے۔ علاوہ بریں معاہدۂ سرنگاپٹم کے ایک حصہ کا یہ بھی منشا ہے کہ ٹیپو میں اتنی قوت برقرار رکھی جائے کہ وہ مرہٹوں اور حضور نظام کے ساتھ اس قدر توازن قائم رکھ سکے کہ ہماری دست اندازی ہمیشہ پانسہ پلٹ سکے۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ گذشتہ واقعات نے اس انتظام کی حکمت عملی کو بالکل معدوم کردیا ہے۔ اور پیشوا حضور نظام و ٹیپو سلطان میں سے کسی کی اب وہ حیثیت نہیں ہے جو معاہدۂ سرنگاپٹم مرتب ہونیکے وقت تھی خواہ اس کا تعلق آپس میں ایک دوسرے سے ہو یا ہمارے مفاد سے۔

معاہدۂ سرنگاپٹم مرتب ہونے کے بعد سے دربار حیدر آباد کی آمدنی اور قوت روبہ تنزل ہے چونکہ حضور نظام اور مرہٹوں کے مابین بمقام کھرلہ جنگ ہونے میں حیدر آباد کی فوجی قوت متاثر ہوئی اور بہت کچھ گھٹ گئی اور جب اس کے متعلق صلحنامہ مرتب ہوا تو سلطنت آصفیہ پر اس کا انتہائی

اٹھ پڑا تو سلطنت کے ایک علاقے سے دست برداری دی گئی اور
تین کروڑ تاوان جنگ اور عظیم الامرا کی اسیری پر جو بعد میں پونا پہونچا دیے
گئے صلح قرار پائی - حکومت مرہٹہ کے گذشتہ انقلاب میں عظیم الامرا
پونا ہی میں رہے اور اگرچہ ان کی محض ایک قیدی کی حیثیت تھی لیکن
مادھوراؤ پیشوا کے مرگ اتفاقیہ کے بعد انھوں نے وہاں کے انقلابات
میں نمایاں حصہ لیا اور ناموری پیدا کی اور حسن خدمات کے صلے میں
نانا فرنویس نے ان جملہ حقوق سے دست برداری دیدی جو معاہدہ کھرڈلہ
کی رو سے اسے حاصل ہوئے تھے لیکن باجی راؤ پیشوا نے نانا کی بڑھتی ہوئی
قوت کی روک تھام کے لئے سندھیا سے مدد طلب کی اور سندھیا نے پیشوا کو وہ معاہدے فسخ کرنیکی
صلاح دی جو عظیم الامرا کے ساتھ کیے گئے تھے اور حقیقت الامر یہ ہے کہ
پیشوا نے اصرار کر کے نواب نظام علی خاں بہادر سے اس کی منظوری
حاصل کر لی کہ معاہدہ کھرڈلہ کی رو سے جسقدر تاوان اور علاقہ پیشوا کو دیا جانا
قرار پایا تھا اس کا چوتھائی حصہ اب دیدیا جائے -

۹۴

اپنے وقار اور قوت کے ایسے زبردست نقصان کے علاوہ
سلطنت آصفیہ کی مالی حالت ابھی تک درست نہیں ہوئی ہے چونکہ
مرہٹوں سے لڑائی ہونے اور عظیم الامرا کے پونا میں قید ہو جانیکے
باعث عالی جاہ اور دائرجاہ کے فرزند نے بغاوتیں کر کے ریاست
کو اور بھی مالی نقصانات پہونچائے -

ان وجوہ کے اثر سے سلطنت آصفیہ کی نواحی ریاستوں کی
پہلی سی بات باقی نہیں رہی ہے اور اس حالت میں پونا کے اطراف
سندھیا کی جو فوج تعینات ہے اس سے بھی ممالک محروسہ کے
علاقے کو نقصان پہونچا ہے لیکن ۱۷۹۳ء کے بعد سے حیدرآباد کی
فوجی تنظیم میں نہایت حیرت انگیز تبدیلی پیدا ہو گئی ہے سرنگاپٹم
کے معاہدہ کے بعد سے فرمانروائے دکن نے اپنے رسالوں اور
دیگر فوجوں کو بہت کم کر دیا ہے اور پلٹنوں میں بہت زیادہ اضافہ کر دیا ہے

جن کی کمان فرانسیسی افسروں کے ہاتھ میں ہے اور یہ پلٹنیں رے مانڈ کور
کے نام سے مشہور رہیں۔

ٹیپو کے ساتھ گزشتہ جنگ ہونے سے پیشتر ہی سے ریمانڈ کور
حیدرآباد میں نوکر تھی اور سنہ ۱۷۹۲ء میں جب یہ فوج لارڈ کارنوالس کی
فوج کے ساتھ کام کرتی تھی اُس وقت اس کی تعداد اندازاً ڈیڑھ ہزار
سے زیادہ نہ تھی اور اُس کا انتظام نہایت ناقص تھا سنہ ۱۷۹۵ء میں جنگ
کلڑلہ کے وقت ۱۳ ہزار فوج تھی۔ اس فوج کو عالی جاہ کی بغاوت
فرو کرنے اور دیگر خدمات انجام دینے سے تجربہ اور قابلیت حاصل ہوگئی
ہے اور اب اس کے تیرہ رجمنٹ ہیں اور ہر رجمنٹ میں دو بٹالین ہیں
الغرض اس فوج کی تعداد پندرہ ۱۵ ہزار سے زیادہ ہے۔ تازہ اطلاعات
کے مطابق اس کی تنظیم کی اس قدر درستی اور اصلاح ہوگئی ہے کہ اگرچہ وہ
ہماری فوج کے انتظام سے ادنیٰ درجہ کا ہے لیکن جملہ دیگر ہندوستانی
ریاستوں کی پلٹنوں سے اعلیٰ اور افضل ہے۔ علاوہ بریں ہر ایک رجمنٹ
کے ساتھ میدانی توپیں اور ۱۲ سے لیکر ۳۶ پونڈ تک کی ۴۰ برنجی توپوں کا
ایک توپ خانہ ہے جو چند یوربین اور دیگر نہایت ہوشیار توپچیوں کے
ہاتھ میں ہے اور ان پلٹنوں کے ساتھ کام کرنے کے لئے رسالے
مرتب کرنے کی بھی ابتدا ہوگئی ہے۔ ان پلٹنوں کے جملہ اعلیٰ افسران نہایت
قادر انداز فرانسیسی ہیں اور اکثر سپاہی پانڈیچری کی دیسی فرانسیسی فوج میں
ملازمت کرچکے ہیں، اس جماعت کی یہی کوشش ہے کہ وہ فرانس کی
قوت۔ دولت مندی اور کامیابی کو زیادہ کرتی رہے اور دربار حیدرآباد کی
نظر میں برطانیہ کے وقار۔ قوت۔ اور قابلیت کو گھٹاتی رہے اور نہایت
معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ جس مقام پر بھی اس فوج کا کوئی دستہ
کچھ عرصہ تک مامور رہا ہے وہاں انگریزوں کی قوم کے متعلق نہایت بُرا اثر
پیدا کیا گیا ہے۔ مانشیور ریمونڈ کے انتقال سے جسے صرف چند ماہ گزرے
ہیں یہ امید ہوئی تھی کہ غالباً دربار حیدرآباد میں اس فوج کا اثر زائل ہوجائیگا

۹۵

۹۶ چنانچہ یہ موقع پاتے ہی عظیم الامرا نے وہ بڑی جاگیر واپس لے لی جو اس فوج کے مصارف کے واسطے دی گئی تھی مگر پیرون نامی فرانسیسی اس فوج کا کمان افسر مقرر ہو گیا یہ شخص بھی نہایت تندخو اور بیرحم ہے اور اس کے اصول بھی ریمونڈ کے اصولوں سے چنداں مختلف نہیں ہیں حضور نظام کے فوجی نظم کا جزو اعظم یہی فوج ہے اور اسے حضور نظام کے ارا کین سلطنت پر اسقدر قابو حاصل ہے کہ عظیم الامرا بھی خائف رہتے ہیں۔ مانشیور ریمونڈ اس فوج کا کمان افسر ہونے کے علاوہ توپ خانہ کا بھی اعلیٰ افسر تھا اور اُسے پچاس ہزار روپیہ ماہوار الاؤنس ملتا تھا۔ مانشیور پیرون کی ماتحتی میں توپ خانہ بھی دیدیا گیا ہے اور اس کے باعث اُس کا رسوخ اور اثر بہت کچھ بڑھ گیا ہے۔ اس فوج میں ایک تہائی سپاہی ہمارے اور نواب ارکاٹ کے علاقے اور ہمارے یہاں سے بھاگے ہوئے اور مستعفی شدہ سپاہیوں میں سے بھرتی کئے گئے ہیں اور ہمیں اس بات کا کافی ثبوت مل گیا ہے کہ مانشیور بیپٹسٹی (Monsieur Baptiste) نے (دوم کمان افسر جو نہایت عیار اور چالاک قسم کا شخص ہے) جاسوس ملازم رکھے جنھوں نے ہماری افواج متعینہ سرحد نظام کو مستعفی ہونے اور غدر و بغاوت پھیلانے کے لئے بڑی سخت محنت و جانفشانی سے کام کیا اور اس مقصد میں انھیں کامیابی حاصل ہو گئی چنانچہ کچھ عرصہ ہوا کہ وہاں کے بہت سے رسالے مستعفی ہو کر چلے گئے اور ان مستعفی اشخاص میں سے تقریباً ۵۰۰ سوار اور بہت سے ہندوستانی افسران مانشیور پیرون کی فوج میں ملازم ہیں ہمارے رزیڈنٹ نے کئی بار ان مستعفی سواروں کو ہمارے حوالے کرنیکی درخواست کی لیکن مانشیور پیرون اور اسکی فوج کے اثر اور دربار کی کمزوری کے باعث وہ درخواست اس وقت تک نہیں منظور ہوئی ہے اور خود

۹۷ عظیم الامرا کا یہ مقولہ ہے کہ فرانسیسی جماعت کو ایسی زبردست قوت اور اثر حاصل ہے کہ وہ میرے قابو سے باہر ہے عظیم الامرا نے مدت دراز کی

گفت و شنید کے بعد بڑی دقتوں اور سخت کوشش سے دو صوبیدار ہمارے
حوالے کئے گئے ہیں جو مستعفی ہونے کی تحریک کے موجد اور بانی مبانی تھے
مانشیور پیرون اور اس کے افسران دربار کی ایک جماعت سے
مسلسل مراسلت کرتے رہتے ہیں جو پائیگاہ پارٹی کے نام سے موسوم
ہے اور جس میں حضور نظام کے باڈی گارڈ کے افسر زیادہ تر داخل ہیں۔
اس پائیگاہ پارٹی کا عرصہ دراز تک ٹیپو سلطان سے تعلق رہا ہے
اور وہ عظیم الامرا اور دربار کے جملہ بہی خواہان برطانیہ کی سخت مخالف ہے۔
اور یہ واقعہ بھی فراموش نہ کرنا چاہئے کہ سنہ ۱۷۹۶ء میں فرانسیسی جماعت
نے پائیگاہ پارٹی کی مدد سے عظیم الامرا کے پونا میں مقید ہونے کے زمانے
میں حضور نظام کو انگریزی فوج کے برخاست کر دینے پر آمادہ کر لیا تھا اور
ٹیپو کے مشورہ سے (جس کی فوجیں اس موقع پر حضور نظام کی سرحد پر آپہونچی تھیں)
ایسی تدابیر اختیار کی تھیں کہ اگر خدانخواستہ اس نازک موقع پر حضور نظام کا
انتقال ہو جاتا تو مسند نشینی کے مسئلہ کو یہ جماعت اپنی خواہش کے مطابق
طے کر لیتی۔ فرانسیسیوں نے اس موقع پر وہ جاگیر پھر حاصل کر لی جو واپس لے لی
گئی تھی۔ اور یہ عطیہ گویا سلطنت کی آمدنی پر قابو پانے کا پہلا قدم تھا اور
اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر مانشیور کے انتقال کے بعد عظیم الامرا اس
تجویز کو مسترد نہ کر دیتے تو اسی عطیہ کی بدولت ہندوستان میں یورپین
سلطنت قائم ہونے کی بنا پڑ جاتی۔ حیدرآباد کے فرانسیسی افسران اپنے
ان ہموطنوں سے برابر خط و کتابت کرتے رہتے ہیں جو ٹیپو سلطان یا سندھیا
کے یہاں ملازم ہیں۔

رزیڈنٹ متعینہ حیدرآباد نے تازہ خبر یہ دی ہے کہ فرانسیسی افسران
ملازمت کے خواہاں سپاہی برابر حیدرآباد میں آتے رہتے ہیں لیکن
ابھی تک یہ معلوم نہیں ہوا ہے کہ وہ کس راستہ سے دکن میں پہونچتے ہیں
دربار نظام کے اراکین سے فرانسیسی جماعت کے خاص تعلقات
ہیں اور وہ ٹیپو سلطان سے خط و کتابت رکھتی اور فرانس کی زبردست حامی ہے

۹۸

اور سازشیں کرنے کی بہت شایق ہے جس سے اگر وہ خود بغاوت نہیں پیدا کر سکتی تو کم از کم ہر ایک بدنظمی میں حصہ لے سکتی ہے اور ان امور کو حکومت کی کمزوری تصور کرنا چاہیے۔ عظیم الامرا اس خرابی کی حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں اور انہیں یہ اندیشہ لگا رہتا ہے کہ اگر یہ جماعت قوت پکڑ جائے گی تو پھر میرے قابو سے باہر ہو جائے گی اور مجھے اس جماعت کی قوت سے اگر تخت کے جانے کا نہیں تو کم از کم اپنے ہی اختیارات کو صدمہ پہونچنے اور جانشینی کے باضابطہ نظم کے درہم برہم ہو جانے کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ حضور نظام کے فوجی نظم نے انھیں معاہدہ پنگول۔ ہمارے ساتھ مدافعانہ معاہدہ کی قدر و قیمت اور ہمارے حقوق کے متعلق انھیں ناکارہ ہونے سے بھی زیادہ بُرا ابھار رکھا ہے اور دربار حیدرآباد اتحاد ثلاثہ کے کسی شعبہ کو کسی طرح کی امداد دینے کے بجائے ہمارے دشمنوں کو مزید تقویت پہنچانے کا وسیلہ بن گیا ہے۔ پیرون کی فوج کے وجود سے جن خطرات کے پیش آنے کا اندیشہ ہے اُس کا اندازہ صرف فوج کے انتظام اُس کی تعداد اور حضور نظام کے اراکین پر اُس کے اثرات سے نہیں ہو سکتا ہے بلکہ اس خطرہ کے متعلق حالت موجودہ سے بعد میں پیش آنے والے خطرات کے لئے ہمیں اپنی رائے قائم کرنی چاہیے۔ حیدرآباد کی فرانسیسی فوج کو نہ صرف بحالت موجودہ فرانس کے واسطے زبردست تقویت کا موجب تصور کرنا چاہیئے بلکہ وہ ہندوستان میں مستقل فرانسیسی فتنہ کی بنا ہے جس پر ہمارا دشمن صلح اور جنگ دونوں صورتوں میں اپنے مناسب حال مواقع پیش آنے اور واقعات کے ادل بدل سے اپنی زبردست قوت قایم کرسکتا ہے۔

۹۹ فرانس کو صلح کے زمانہ میں بھی ہمارے ایک خاص دوست کی عملداری کی قلب میں اور ہمارے ایک سرگرم دشمن کے پڑوس اور ہماری عملداری کے کمزور حصہ کے کنارہ پر فرانسیسی افسروں کے ماتحت ۱۲ ہزار فوج کی موجودگی سے جو فوائد حاصل ہو سکتے ہیں اُن کے ثبوت کے واسطے کسی دلیل اور بُرہان کے بیان کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ فرانس کو صلح کے زمانہ میں بھی

اپنی سازشوں کے لئے اس سے بہتر وسیلہ اور اپنے بے شمار حامیان کو اپنے اصولوں پر متفق کرنے اور اپنی تجاویز کا آلۂ کار بنانے کا اس سے بہتر کوئی اور طریقہ نہیں مل سکتا ہے اور اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ دربار حیدرآباد میں اس قسم کی فوج کی فراوانی کا یہ انجام ہو کہ وہ ہمارے حقوق سے روگردانی اختیار کرے اور اپنی ساری توجہ ہمارے دشمن کے حقوق پر مبذول کرے لیکن ٹیپو سلطان سے جنگ ہونے یا اسے فرانس کی فوجی امداد مل جانے کی صورت میں اور اس کے ساتھ زبردست جنگ برپا ہونے کی حالت میں ہم حضور نظام سے کس قسم کی امداد کے متوقع ہو سکتے ہیں جن کی فوج کے کمان افسر زیادہ تر ٹیپو کے نامہ نگار اور فرانس کے باشندے ہیں اور جو اس ملک کی حمایت کی سرگرمی کے لئے خصوصیت کے ساتھ مشہور رہیں اور جن کا رابطۂ اتحاد اُن سب فرانسیسی بہادروں سے ہے جو آجکل ہندوستان میں سکونت گزیں ہیں -

ان واقعات کی موجودگی میں اپنی ضرورت کے لحاظ سے حضور نظام سے جسقدر بھی فوجی امداد طلب کریں گے وہ ہمارے حق میں بے سود ہونیکے علاوہ اسی قدر خطرناک ثابت ہوگی اگر حضور نظام کی فرانسیسی فوج ٹیپو کو علانیہ امداد نہ دے تاہم ہمارے واسطے موجب خطرہ ہونے کے بدون وہ ہماری امداد کے لئے ہرگز میدان کارزار میں نہیں لائی جا سکتی ہے اور تاوقتیکہ ویسی زبردست فوج بھی اس کی روک تھام کے لئے موجود نہ ہو وہ جنگ کے دوران میں دکن میں نچلی نہیں بیٹھ سکتی ہے جس سے کہ جنگ کا پانسہ پلٹ جائے گا اور پھر وہ میدان جنگ میں ہماری قوت کو سخت کمزور بنانے کے واسطے اپنی امکانی کوشش کرے گی اور یہ امر بھی یقینی ہے کہ حکومت حیدرآباد کی موجودہ حالت میں فرانسیسی فوجیں علانیہ ٹیپو کا ساتھ دیں گی اور پھر ایک ہی حملے میں سلطنت حیدرآباد پر قبضہ کر لیں گی اور ٹیپو سے مدافعانہ اور جارحانہ معاہدہ کر کے اسے فرانس کے حوالے کر دیں گی - سندھیا کی فوج کی موجودہ صورت نے اس خطرہ میں

۱۰۰

اور بھی اضافہ کردیا ہے اُس کے پاس ایک فرانسیسی افسر کے زیر کمان زبردست پیدل فوج موجود ہے اور یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ ٹیپو سلطان (جس سے نامہ و پیام حال ہی میں شروع ہو گیا ہے) اور فرانس سے اس شرط پر معاہدہ کرنے پر بہت جلد تیار ہو جائے گا کہ اُسے حیدر آباد اور پیشوا کے علاقے اور حکومت میں سے کچھ حصہ دیدیا جاوے گا۔ فرمانروائے دکن سندھیا اور ٹیپو کی فوج کے فرانسیسی افسران اس قسم کا اتحاد اور اتفاق پیدا کر سکتے ہیں جس سے پونا اور دکن کی ریاستیں برباد ہو جائیں اور اُن کی تباہی پر ہندوستان میں فرانسیسی حکومت قائم ہو جائے اس لئے ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ دربار حیدر آباد (خواہ وہ ہماری امداد کے لئے امکانی کوشش کا کیسا ہی ارادہ کیوں نہ رکھتا ہو) اپنی موجودہ حالت میں ٹیپو کے خلاف ہمیں مدد دینے کے لئے صرف ناقابل ہی نہیں ہے بلکہ ہمارے خلاف اُس کی تجاویز کے عملدرآمد کا زبردست وسیلہ بن گیا ہے اور فرانس کی آتش حرص و آز کو اور بھڑکاتا ہے۔

حیدرآباد کی تو یہ حالت ہے اور ٹیپو کے خلاف ہمارے اتحاد ثلاثہ کا دوسرا رفیق پیشوا ہے اسی طرح وہ بھی مدافعانہ معاہدہ کی شرائط کو پورا کرنے کے قابل نہیں ہے۔

معاہدہ سرنگاپٹم کے مرتب ہونے کے بعد سلطنت مرہٹہ کی اصلی حالت ہمارے حق میں نہایت مفید تھی اُس وقت دیگر معاصر ریاستوں میں ایسا توازن قائم تھا کہ اُن سب کی قوت کا ایک ایسے مرکز پر جمع ہونا جس سے ہمارے مقبوضات یا ہندوستان کی کسی دوسری مستحکم سلطنت کو کسی قسم کا خطرہ پہونچنے کا احتمال ہو سکے ناممکن تھا اور نہ اس متحدہ سلطنت کے کسی ایک رکن کو ایسی قوت حاصل تھی کہ وہ تن تنہا ہماری قوت کا مقابلہ کر سکے۔ علاوہ بریں چونکہ پیشوا ان سب ماتحت ریاستوں کا مسلمہ سردار تھا اور اُس نے اپنے وزیر نانا فرنویس کی قابلیت کی مدد سے بہت سے بڑے بڑے مرہٹہ سرداروں پر اپنا اسقدر اثر قائم کر رکھا تھا جس کے باعث

۱۰۱

وہ ہمارا واجب الاحترام رفیق بن سکتا تھا اور اسے میدان جنگ میں زبردست فوج لے آنے کے وسائل بھی حاصل ہو گئے تھے۔

معاہدۂ سرنگاپٹم کے زمانے سے لیکر مادھو راؤ کی وفات تک یہ خدشہ رہا کہ نانا نے اپنی چستی و چالاکی سے پیشوا کی سلطنت میں بہت زیادہ اقتدار و اثر حاصل کر لیا ہے اور اس نے حکومت پونا کو اس لائق بنا دیا ہے کہ وہ سلطنت مرہٹہ کی کل طاقت کو خود استعمال کر سکے چنانچہ جنگ کھرڈلہ میں بہت سے مرہٹہ سرداروں نے پیشوا کو حیدرآباد کے خلاف فوجی امداد دی تھی جس کی بدولت پیشوا کے وقار اور قوت نے سلطنت آصفیہ کو خطرہ میں ڈال دیا تھا لیکن مادھو راؤ کے انتقال ہو جانے پر نانا کی حرص و ہوس نے اسے اس کارروائی پر آمادہ کر دیا کہ اس نے ایک متبنٰے لڑکے کو تخت سلطنت پر بٹھا کر وراثت کے مقررہ سلسلے کو توڑ ڈالا اور اپنے اس فعل سے سازشوں اور بغاوتوں کا دروازہ کھول دیا جس سے سلطنت مرہٹہ میں کچھ مدت سے سخت بدنظمی پھیلی ہوئی ہے۔

اس زمانہ کی حکومت پونا کی تبدیلیوں اور خانہ جنگیوں کے حالات کا مطالعہ نہ کرنے پر بھی یہ بیان کر دینا کافی ہے کہ ان حرکات کی فراوانی سے پونا کی شہنشاہی قوت مضمحل ہونے لگی اور بالآخر اس کا انجام یہ ہوا کہ نانا قید ہو گیا اس کا اثر زائل ہو گیا اور ان واقعات کے رونما ہونے سے حکمراں پیشوا کی قوت اور اختیار جاتا رہا اب اس کی گدی تک کے لالے پڑے ہیں۔

سندھیا نے اس انقلاب کے زمانے میں کبھی پیشوا کا اور کبھی نانا کا ساتھ دیا اور بالآخر اس نے دونوں کو مغلوب کر لیا اور کچھ عرصہ سے وہ حکومت پونا پر اس قدر قابو یافتہ ہو گیا ہے کہ بحالت موجودہ پیشوا ٹیپو سلطان کے مقابلے کے لئے نہ تو ہمیں کسی قسم کی مدد دے سکتا ہے اور نہ وہ مرہٹہ سرداروں کو یہ حکم دے سکتا ہے کہ وہ ہمارے مددگار بن جائیں۔

۱۰۲

ان حالات کے دوران میں جن سے حکومت پونا و حیدرآباد دونوں میں انحطاط پیدا ہو گیا ان کی شدید عداوتیں اور مخالفتیں اس درجہ تک جا پہنچی تھیں کہ وہ ہرگز آپس میں متحد ہو کر کوئی کام نہیں کر سکتی تھیں یہ دونوں ٹیپو سے

مقابلہ کے لئے ہم نے جو مدافعانہ معاہدہ کیا تھا اُسکا مقصد نہ صرف ہمارے رفیقوں کی کمزوری کے سبب بلکہ زیادہ تر اس وجہ سے فوت ہو گیا کہ انھیں کسی مشترک غرض میں انکا متحد کرنا یا متحدہ کام میں اُنکا شریک ہونا نہایت دشوار ہے۔

اور اس اثناء میں ٹیپو سلطان بلا غل و غش بالکل امن چین سے بیٹھا رہا ہے اور ہمارے رفیق آپس کی جنگ و جدال و بغاوتوں اور انقلابات سے کمزور اور پریشان ہو گئے ہیں اس کے برعکس ٹیپو سلطان اپنی فوج کی تنظیم کی درستی اور اپنی مالی حالت کی ترقیات میں مصروف رہا ہے اس نے اسکی بھی کوشش کی ہے کہ پیشوا اور حضور نظام سے اسکا میل جول ہو جائے اگرچہ اُسے اپنے اس مقصد میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے لیکن ریمونڈ کی فوج اور برطانیہ کی مخالف دیگر جماعتوں کے ساتھ تعلقات قائم ہو جانے سے اُس کو دربار حیدر آباد میں بہت کچھ رسوخ حاصل ہو گیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ اُس نے زماں شاہ کے پاس ایک سفارت بھی روانہ کی تھی جس کے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے منصوبہ کی ہماری حکومت اور نواب وزیر اودھ کو ابھی حال ہی میں باضابطہ اطلاع مل چکی ہے اس میں ہرگز کلام نہیں کہ فی الحقیقت زماں شاہ کا ارادہ ہندوستان پر حملہ کرنے کا ہے سابق گورنر جنرل نے بھی اپنی یہی رائے ظاہر کی تھی اور مجھے بھی اُن کی اس رائے سے پورا اتفاق ہے۔

یہ بات مان لی گئی ہے کہ اپنی سلطنت پر بعض ہمسایہ ریاستوں کے حملے کے اندیشے اور بعض خانگی مخالفتوں کے باعث زماں شاہ ہندوستان کی طرف آتے ہوئے راستہ میں لاہور سے اپنے ملک کو واپس چلا گیا اور اُس وقت یہ امید کی گئی تھی کہ یہ وجوہ ابھی کچھ عرصہ تک اُسے اپنی تجویز پر عمل کرنے سے باز رکھیں گے لیکن ہمارے رزیڈنٹ متعینہ دربار سندھیا نے اپنے گذشتہ مراسلوں میں یہ اطلاع دی ہے کہ زماں شاہ اب اندرونی بغاوت اور بیرونی حملے کے اندیشوں سے بالکل مطمئن ہو گیا ہے اور اب عام طور پر یہی کہا جاتا ہے کہ موسم برسات کے اختتام کے بعد اسکا ارادہ اپنی فوجوں کو ہندوستان کی سرحد کی جانب نقل و حرکت دینے کا ہے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ گذشتہ موقع پر

۱۰۳

زماں شاہ لاہور تک بڑھا ہوا چلا آیا اور سکھوں نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی اگرچہ زمانۂ گذشتہ میں یہ بات مان لی گئی تھی کہ سکھ اُس کے راستہ میں اٹل سنگ راہ ثابت ہوں گے زماں شاہ کی نقل و حرکت کے لئے سکھوں کے ملک اور نواب وزیر اودھ کی سرحد کے درمیان کوئی روک بجز سندھیا کی ریاست کی موجود نہیں ہے اور سندھیا کی ریاست اندرونی تنازعات کے باعث اس قدر کمزور ہوگئی ہے کہ وہ کسی قسم کی مدافعت کرہی نہیں سکتی۔ سندھیا تو مع اپنی قوم کے پونا میں رہتا ہے اور اس کے باجگذار سردار شمالی ہند میں ہیں لیکن وہ سندھیا سے اسقدر بیزار ہیں کہ اگر موقع پائیں تو اسکی حکومت کا خاتمہ ہی کر ڈالیں۔

زماں شاہ ان سہولتوں سے لاعلم نہیں رہ سکتا ہے اور اگر یہ سہولتیں اُسے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کی ترغیب دیں تو اس صورت میں چونکہ ہماری فوجیں منتشر ہوجائیں گی اس لئے ٹیپو کو بھی کرناٹک پر حملہ کرنیکے لئے یہ بہترین موقع مل جائیگا اور غالباً ٹیپو اور زماں شاہ کی باہمی مراسلت کا (یا کم از کم اول الذکر کا) کام یہی تھا کہ کسی طرح مل کر حملہ کیا جائے۔

دولت راؤ سندھیا کی فوج کی موجودہ حالت بھی ٹیپو کے حق میں بہا دو چند سودمند ثابت ہوگی۔ ہندوستان میں اپنی ریاست سے سندھیا کی عدم موجودگی سے زماں شاہ کو حملے کی ترغیب ہوتی ہے اور اسکی کامیابی بھی سہل ہو جاتی ہے اور سندھیا کی فوج کے پونا میں موجود رہنے سے ہمارے دونوں حلیف رُکے رہتے ہیں۔ اس لئے عام توازن میں ٹیپو کی قوت کے وزن کے متعلق یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ وہ زماں شاہ کی مشتہرہ تجاویز اور ایک حد تک ان کی کامیابی کے امکان، سندھیا کی کارروائیوں اور دیگر وجوہ سے بہت بڑھ گیا ہے جنھوں نے ہمارے مدافعانہ معاہدہ کی خوبیوں کو زائل کر دیا ہے اسی اثنا میں حکومت فورٹ سینٹ جارج نے جس کا یہ فرض ہے کہ وہ ٹیپو کی حرکات کی نگرانی کرے اور مجھے اسکی قوت کی ترقی کی بابت ہر ایک واقعہ سے مطلع کرتی رہے اپنے مراسلہ مورخہ ۱۰ جولائی میں صاف طور پر یہ بیان کیا ہے کہ "اُس کی مالی حالت ہمیشہ سے بھی بہتر ہے اور اس کی فوج عرصہ دراز سے میدان جنگ کے

۱۰۴

ساز و سامان سے مکمل آراستہ مانی جاتی ہے" حکومت فورٹ سینٹ جارج کو ٹیپو کی فوجی قوت کے خطرہ کا اس قدر احساس ہے کہ وہ ٹیپو کی ترقیات کی مزاحمت کے واسطے کوشش کرنے سے بھی اس لئے ڈرتی ہے کہ شاید ہماری تیاریوں سے مزاحمت کا اندیشہ محسوس کر کے وہ اپنی تیاریوں میں اور بھی عجلت کرے اور اپنی مدافعت کے لئے ہماری فوجوں کی نقل و حرکت سے پیشتر ہی وہ کرناٹک پر قابض نہ ہو جائے۔

حکومت فورٹ سینٹ جارج کے اس مراسلہ سے مجھے جسقدر رنج اور صدمہ ہوا ہے اس کو بیان کرنا مشکل ہے اور میرا خیال ہے کہ اس کے علاوہ اور کسی قسم کے جذبات برطانوی مفاد کی ترقی کے خواہاں یا ہندوستان میں برطانیہ کی شہرت کے حامی کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتے ہیں اس مراسلہ میں جو واقعات اور دلائل درج ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو اب یہ بات تسلیم کر لینی چاہیئے کہ جنگ میسور میں ہماری شاندار فتح مندی اور صلح نامہ مرتب کرنے میں متحاربین کے حقوق اور قوتوں میں توازن قائم رکھنے کی فرزانگی، اور اس کے باعث ساحل پر اپنی فوج کی تعداد میں اضافہ کرنے سے کمپنی کا زبردست صرفہ ان سب کا نتیجہ صرف اس قدر برآمد ہوا کہ ٹیپو کو ناقابل تسخیر قوت حاصل ہو گئی اور گویا ہم نے اپنی تقدیر اس کے ہاتھ میں دیدی کیونکہ اگر حکومت فورٹ سینٹ جارج کے خیالات ہندوستان میں ہمارے اور ٹیپو کی حالات کے صحیح موازنہ پر مبنی ہیں تو ٹیپو کو حملہ آور ہونے کے کافی ذرائع حاصل ہیں اور ہم تو مدافعت کا بندوبست کرنے کی بھی جرات نہیں کر سکتے ہیں اور اسکی عداوت کی بابت پوری واقفیت حاصل ہو جاتے۔ ہمارے دشمن کے ساتھ اس کا باضابطہ جارحانہ معاہدہ کرنے اور جنگ کے لئے اس کی تیاریاں ہونے پر بھی ہمیں غیر مسلح رہنا چاہیئے کیونکہ اگر ہم اس کے خلاف عمل کرنے کا تہیہ کریں گے تو ممکن ہے کہ وہ اپنی تجویز کے متعلق عملی کارروائی شروع کرنے میں تعجیل کرے۔ اگر اپنی مدافعت کے لئے جنگی تیاریوں کی دانائی کے خلاف، ہم اس دلیل پر قائم رہیں گے اور ٹیپو کی جنگی تیاریاں

۱۰۵

برابر جاری رہیں گی تو اس دلیل پر قایم رہ کر ہم اس حالت کو پہنچ جائیں گے کہ یا تو ہم پورے طور پر اس کی اطاعت قبول کر لیں یا اس سے بھی عظیم الشان خطرہ مول لیں جو مدافعانہ قوت کے مجتمع کرنے سے ہمیں پیش آسکتا ہے۔

اگرچہ اس مسئلہ میں میرا ارادہ حکومت فورٹ سینٹ جارج کی رائے پر عمل کرنے کا نہیں ہے لیکن ساحل کے فوجی نظم کی ان خرابیوں کو میں ضرور تسلیم کرتا ہوں جن کے باعث اس فوج کا بڑا حصہ کئی ماہ تک نقل و حرکت نہیں کر سکتا ہے اس میں شک نہیں کہ ان نقائص نے ٹیپو کے لئے بہت سی آسانیاں پیدا کر دی ہیں اور اس لئے یہ نقائص نہایت غور طلب اور ہمارے حق میں خطرہ کا خاص موجب ہیں اور ان نقائص کو مایوسی کاہلی و سستی یا دشمن کی اطاعت کر لینے کے بجائے دیگر تدابیر سے دور کرنا ہماری حکومت پر فرض و لازمی ہے۔

(۱۰۶) میں نے اب اس خطرہ کے خاص اسباب کی بخوبی جانچ کر لی ہے کیونکہ صلحنامہ سرنگاپٹم کے بعد سے واقعات کے تغیر پذیر راستہ میں ان کا پتہ چل سکتا ہے ان اسباب کے مختلف نتائج سے ہماری حقیقی حالت کی نوعیت ان واقعات کو مختصر طور پر بیان کر دینے سے بخوبی ظاہر ہو جائیگی جن کو میں بالتفصیل عرض کر چکا ہوں ٹیپو سلطان ہمارے خلاف نہایت مخاصمانہ ارادے ظاہر کر چکا ہے اور اس کے پاس ایسی فوج موجود ہے جس کا بڑا حصہ حملہ آور ہونے کی غرض سے میدان جنگ میں داخل ہونیکے لئے بالکل تیار ہے ٹیپو نے فرانس سے فوجی امداد کی استدعا کی ہے اور غالباً اس کو وہاں سے مزید امداد مل جائے گی اور اسے ان افواج سے بھی مدد ملے گی جن کے کمان افسر حیدرآباد۔ سندھیا اور دیگر ہندوستانی ریاستوں میں ملازم ہیں اسی طرح زماں شاہ کے حملے اور سندھیا کی حمایت سے بھی اسے امداد مل سکتی ہے۔ اس کے برعکس کرناٹک کی حفاظت کے لئے بھی ہماری فوج متعینہ ساحل کارومنڈل کم از کم ۳ ماہ اور اڈجوٹنٹ جنرل لفٹنٹ کرنل کلوز کی رائے کے بموجب ۶ ماہ سے قبل نقل و حرکت نہیں کر سکتی ہے

اور اسی کے ساتھ ہمارے حلیف مدافعانہ شرائط کو ہرگز پورا کرنے کے لایق نہیں ہیں کیونکہ پیشوا تو حضور نظام اور سندھیا کی مداخلت بیجا۔ سندھیا کی فوج کی موجودگی اور اُس فوج کے زبردست اثرات سے جو دکن میں فرانسیسی افسروں کے زیرِ کمان ہیں قطعی معذور اور بے بس ہو رہا ہے اور ہماری یہ حالت ہے کہ اگر ٹیپو حملہ کر بیٹھے تو ہمارا ایک سپاہی بھی کرناٹک کی حفاظت کے لئے تیار نہیں ہے اور ہمارا کوئی حلیف ہمیں فوجی مدد نہیں دے سکتا ہے۔ لہذا کرناٹک کی قسمت کا فیصلہ ٹیپو کے ہاتھ میں ہے مزید برآں فرانس کی قوت ہندوستان کے ہر حصہ میں بڑھتی جاتی ہے ہمارے حلیف یعنی حضور نظام اور پیشوا ٹیپو اور سندھیا کے رحم و کرم پر ہیں جن سے فرانسیسی ملے ہوئے ہیں اور ہم نے فرانس کے لئے دکن میں زبردست آمدنی کے وسائل اور مستقل سکونت گاہ چھوڑ دی ہے جن کا سنگ بنیاد (۱۰۴) ہمارے اتحاد کی بربادی پر نصب کیا جائے گا اگرچہ ان حالات میں برطانوی حکومت ہند بلا شبہ نہایت خطرناک حالت میں ہے تاہم میری رائے میں کوئی خاص فکر کی بات نہیں ہے کیونکہ ہماری ان مشکلات ہی میں وہ اسباب مل سکتے ہیں جن سے نہ صرف موجودہ خطرہ دفع ہو سکتا ہے بلکہ وہ اس قسم کے اندیشہ کے دوبارہ رونما ہونے کا مستقل علاج بھی ہو سکتا ہے لیکن سندھیا کے منصوبوں کے مشترکہ اندیشہ سے مقام مسرت ہے کہ ریاست پونا اور حیدرآباد میں اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے اتحاد کرنے کا خیال پیدا ہو گیا ہے اور اگرچہ گاہے ماہے مکر و فریب اور خفیہ ریشہ دوانیوں کی علامتیں نمودار ہو جاتی ہیں جو ہر ایک ایشائی سلطنت کی فطرت میں داخل ہیں۔ پیشوا کے وزیرِ اعظم اور عظیم الامرا کو اس بات کا پورا یقین ہو گیا ہے کہ پیشوا اور فرمانروائے دکن کے مابین رابطہ اتحاد کا از سرِ نو قایم ہو جانا دونوں کے تحفظ کے لئے یکساں ضروری ہے اور یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پیشوا کو بغیر حضور نظام کی مدد کے سندھیا کے ناواجب اثر سے نجات حاصل ہونے یا محفوظ رہنے کی کوئی امید نہیں ہے علاوہ بریں یہ بھی ظاہر ہے کہ اگر پیشوا کو پوری قوت اور اختیار حاصل

ہو جائے تو وہ دربار حیدرآباد کی آزادی کے حق میں مضر ہوگا۔ ٹیپو اور فرانس کے منصوبوں کے سدراہ ہوگا اس لئے مجھے یہی مناسب معلوم ہوا کہ اگر ہم ٹیپو کے خلاف اتحاد ثلاثہ کو اس کی حقیقی بنیاد پر از سر نو قایم کردیں اور معاہدین کو اپنی اپنی شرائط پر عمل کرنے کے لایق بنادیں تو غالباً نہ تو پیشوا اور نہ حضور نظام ہماری اعانت کو رشک و حسد سے دیکھیں گے جو مناسب حال و مناسب وقت میں ہم انھیں دے سکیں گے میری ہدایات مورخہ ۸ ر جولائی بنام رزیڈنٹ صاحبان متعینہ پونا و حیدرآباد کا اساسی اصول یہی امید تھی۔ اس کے بعد کی مراسلت نے اس امر کا بہت کافی ثبوت فراہم کردیا کہ ان دونوں ریاستوں کی حالت کے متعلق میری رائے ہرگز غلط نہ تھی کیونکہ یہ معلوم ہوا ہے کہ جب میں حضور نظام اور پیشوا کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی تجویزیں تیار کر رہا تھا جو ان کے باہمی حقوق کی مستحکم بنیاد پر قایم کیا جائے تو اسی وقت اسی غرض کیلئے ان دونوں ریاستوں کے مابین بمقام پونا ایک معاہدہ طے ہو گیا۔

عظیم الامرا نے اس معاہدہ کی حضور نظام سے تصدیق اور توثیق کرانے میں تاخیر کر رکھی ہے لیکن غالباً ہمارے توسط سے ہر ایک اختلافی مسئلہ بآسانی طے ہو جائے گا۔ دونوں فریق نے ہم سے ثالث ہونے کی درخواست کی ہے اور جب کبھی ہم اس میں دخل دیں گے تو دونوں فریق اسے قبول کرلیں گے اور اسے اپنے حق میں نہایت سودمند تصور کریں گے مانشیور پیروں اور فرانسیسی فوج کے غیر معتدل طرز عمل سے دربار حیدرآباد کو روز افزوں خوف و اندیشہ پیدا ہو رہا ہے اور اس لئے عظیم الامرا ایسی زبردست اور خطرناک جماعت کے استیصال کرنے کے لئے ہماری پیش کردہ دستگیری کو نہایت شکر گذاری کے ساتھ قبول کرلیں گے اور فرانسیسیوں کا باہمی رشک و حسد اس فوج کو برخاست کرانے میں بڑی سہولتیں پیدا کردے گا عظیم الامرا نے نہایت زوردار الفاظ میں اپنی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ وہ ہماری امداد سے اپنے اس دلی مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے خواہشمند ہیں لیکن عام اختلافات کے تصفیہ میں

۱۰۸

غالباً دولت راؤ سندھیا کی تند خوئی اور سینہ زوری بڑی زبردست مشکلات حائل ہیں جس کی موجودہ حالت سے ٹیپو کو نہایت پُراثر مدد ملے گی اور پیشوا یا حضور نظام کا اعزاز اور وقار دوبارہ بحال کرنے میں مزاحم ہوگی لیکن سندھیا کی اپنی ریاست سے غیر حاضری اور اس کی ناقابل اصلاح زیادتیاں خواہ کیسی ہی قابل تاسف کیوں نہ ہوں جن کی بدولت ایسے واقعات رونما ہوگئے جنھوں نے ہمارے رفیقوں کی قوت کو صدمہ پہنچایا ہے لیکن اس سے اس کی قوت کے وسائل بھی کمزور ہوگئے ہیں اور اسی نے اس کی عملداری میں بغاوت اور سرکشی کی ہوا پھیلا دی ہے اور اسکے خاندان کے جملہ دوستوں۔ ہوا خواہوں اور معتقد خیر خواہوں کو ناراض اور مایوس کر دیا ہے۔ اُس نے اپنے رشتہ داروں کی عورتوں پر اس درجہ جور و ستم کیا ہے کہ اُس کے ہم رکابوں کی ایک زبردست جماعت اسکی سخت مخالف ہوگئی ہے اُس نے نانا صاحب کو نہایت عیاری اور دغا بازی کے ساتھ اس امید پر قید کر دیا تھا کہ وہ نانا صاحب کے خزانہ پر متصرف ہو جائیگا اور اس وقت اپنی اشد ضرورتیں پورا کرنے کے لئے اُسے روپیہ کی سخت ضرورت تھی لیکن نانا صاحب کے خزانہ سے اُسے ایک جھنجی کوڑی تک نہ مل سکی۔ اُس لئے اب اُس کے پاس آمدنی کا کوئی ذریعہ موجود نہیں اور نہ کوئی معزز دوست اُس کا معاون و مددگار ہے اور اس کے گرد و پیش ایک ایسی فوج موجود ہے جو ہر وقت اپنی تنخواہ کے لئے شور مچاتی ہے اس کا وزیر خاص نہایت کار آزمودہ اور معقول شخص ہے اُس نے ہمارے رزیڈنٹ متعینۂ پونا کے روبرو نہایت صاف الفاظ میں سندھیا کے طرز عمل کی مذمت کی اور کہا کہ میری دلی تمنا ہے کہ آپ کی وساطت سے سندھیا اور پیشوا کے درمیان مصالحت ہو جائے اور پھر سندھیا عافیت کے ساتھ ہندوستان میں اپنی ریاست کو واپس چلا جائے خود سندھیا نے ہمارے رزیڈنٹ متعینۂ پونا کا مشورہ قبول کرنے سے اظہار ناراضی نہیں کیا ہے جس کی نصیحت سے اس وقت اس کی دست اندازی

(۱۰۹)

بہت کچھ رکی ہوئی ہے لیکن جو واقعات کہ رونما ہو چکے ہیں ان کی بنا پر یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ اسکی موجودہ پریشاں حالی میں اگر ہماری حکومت زوردار الفاظ میں کوئی معقول اور مناسب تجویز پیش کرے گی تو سندھیا اس کا معقول لحاظ کرے گا۔ زماں شاہ کے حملے کا چونکہ اندیشہ پیدا ہو گیا ہے اس لئے سندھیا کو اپنی ریاست میں واپس بلانے کی اور بھی ضرورت ہے اور وہ اس بات سے غافل نہیں ہو سکتا کہ زماں شاہ کا حملہ ہونے کی صورت میں نہ صرف اسکی ریاست کی سلامتی کا زیادہ تر انحصار برطانیہ کی فوجی اعانت پر ہے بلکہ اس کی فوج اور ریاست کی موجودہ بدنظمی کے باعث اُس کی تقدیر کا فیصلہ بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔

(۱۱۰) واقعات کی اس صورت میں اگر سندھیا ہماری دست اندازی اور دوستانہ معاہدوں کی تجدید کی مخالفت کرے تو اُس کی یہ مخالفت غیر موثر اور نامناسب ہو گی اور اپنے مفاد اور حکمت عملی کی خاطر وہ کسی ایسی کارروائی کرنے سے احتیاط کرے گا جس کی وجہ سے حملہ آور ہونے کی معقول دلیل ہمارے ہاتھ آ سکتی ہے۔ پونا کے گذشتہ مراحلے پڑھکر یہ توقع ہوتی ہے کہ بہت ممکن ہے کہ نانا فرنویس اور پیشوا اپنے اپنے مفاد کی خاطر باہمی عداوت کو فراموش کر ڈالیں ان دونوں کے درمیان اگر کسی قسم کی مصالحت ہو گئی تو اس سے پیشوا سندھیا اور حضور نظام کے حقوق کا تصفیہ کرنے میں بڑی سہولتیں پیدا ہو جائیں گی۔

آجکل ایسے واقعات موجود ہیں جن کے باعث ہماری حقیقی حالت کی ضروریات، میری رائے میں اس امر کی مقتضی ہیں کہ ہم احتیاطی اور مدافعانہ کارروائی کی تجویز پر عمل پیرا ہونے کی رائے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں۔ میں نے حسب ذیل وجوہ کی بنا پر اس تجویز پر عملدرآمد کرنیکا یہ طریقہ تجویز کیا ہے۔

چنانچہ دربار حیدرآباد نے ہمیں یہ اطمینان دلا کر کہ مزید انگریزی فوج کے آجانے پر پیروں کی فرانسیسی فوج فوراً برخاست کر دیجائے گی ہم سے کئی بار

اس بات کی خواہش کی ہے کہ حیدرآباد میں جو انگریزی فوج ملازم ہے اس کی تعداد میں بیشی کردی جائے لیکن اس کے ساتھ دیگر شرائط جو پیش کیجاتی ہیں وہ پیشوا کے معاہدوں کے منافی ہیں اور حضور نظام و پیشوا کے مابین خلفشار ہو جانے سے اس وقت کے باآسانی طے ہونے میں موانعات حائل ہو گئے ہیں اس لئے سابق گورنر جنرل باجلاس کونسل نے یہ مناسب تصور کیا کہ جو انگریز باہر سے تلاش معاش کے لئے آئیں انھیں حضور نظام کی ملازمت میں داخل ہونے کی ترغیب دیجائے تاکہ فرانسیسی فوج کا جو اثر کہ دربار حیدرآباد پر ہے اس کا توڑ ہو سکے اس خیال کو مدنظر رکھکر مسٹر فنگلاس کے زیر کمان فوجوں کے قائم مقام رزیڈنٹ نے بہت کچھ حوصلہ افزائی اور حفاظت کی ہے اور اب اس فوج میں اسقدر اضافہ کیا گیا ہے کہ اسکی تعداد ۸ ہزار ہو گئی ہے مجھے تو اس حکمت عملی کا انجام نہایت مشکوک معلوم ہوتا ہے اور مجھے تو ہمیشہ اس بات کا اندیشہ لگا رہتا ہے کہ یہ تدبیر فرانسیسیوں کا اثر زائل کرنے کے بجائے کہیں ان کے خریدہ رنگروٹوں کی کثرت کا موجب نہ ہو جائے اگر اس میں معقول کامیابی بھی حاصل ہوئی تو وہ محض عارضی علاج ہوگا کیونکہ مجھے تو اسکی کوئی توقع نہیں کہ مسٹر فنگلاس جیسی فوج اس پایہ کی ہوگی کہ اس کی وجہ سے فرانسیسی فوج کو برخاست کیا جاسکے اس لئے ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ تاوقتیکہ حیدرآباد کی معاونتی فوج میں مستقل طور پر زبردست اضافہ نہ کیا جائے گا دربار حیدرآباد فرانسیسیوں کی جماعت کے پنجے سے آزاد نہیں ہو سکتا جو ریاست میں نہایت استحکام کے ساتھ قائم ہو گئی ہے میں اپنے اس خیال کے متعلق دلائل پیش کر چکا ہوں کہ حیدرآباد میں انگریزی فوج کی تعداد میں اضافہ ہونا پیشوا کے لئے رشک وحسد کا موجب نہ ہوگا اور اس لئے ان واقعات کی موجودگی میں ٹیپو اور سندھیا کے گزشتہ طرز عمل سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے میں نے یہ تجویز پیش کی ہے لیکن اس پر عملدرآمد کرنے سے قبل دربار پونا کی رضامندی حاصل کرلینا چاہئے اس تجویز کے ساتھ مین نے یہ شرط بھی لگادی ہے کہ پونا و حیدرآباد کے مابین جو مسائل مابہ النزاع باقی ہیں ان کے تصفیہ کے

(۱۱۱)

واسطے ہماری حکومت کی ثالثی قبول کرلی جائے۔ مابہ النزاع صرف معدود مسائل ہیں اور دربار حیدرآباد کے مطالبات نہایت معقول اور معتدل ہیں اس لئے مجھے پوری امید ہے کہ ایسے اصولوں پر فیصلہ ہو جائے گا جو جانبین کے حق میں یکساں مفید ثابت ہوگا۔

میں ابھی بیان کرچکا ہوں کہ فرانسیسی فوج کا اثر دربار حیدرآباد کے واسطے نہایت مخدوش ہے جس کو وہ جانشینی کے مسئلہ کے طے ہونے میں استعمال کریں گے جب کبھی حضور نظام کے انتقال سے تخت خالی ہو جائے گا اگر خاندانی نزاعات۔ غیر ملکی سازش یا قوت سے جانشینی کا باقاعدہ نظم درہم برہم نہ ہو جائے تو سکندرجاہ فرزند اکبر حضور نظام کے حقیقی جانشین ہوں گے اس لئے کہ یورپ کی طرح اگرچہ ہندوستان میں اولاد اکبر جانشینی کے لئے کلیتاً استحقاق نہیں رکھتی ہے لیکن یہ ایک زبردست حق تسلیم کیا جاتا ہے اور بجز والدین کی ناراضی یا کسی خاص عیب کے یہ استحقاق مسترد نہیں ہوتا ہے۔ سکندرجاہ اس قسم کے ہر ایک اعتراض سے مبرا ہیں اور یہ بھی معلوم ہے کہ حضور نظام کی سکندرجاہ پر خاص عنایتیں ہیں چنانچہ حضور نظام نے ان کے سپرد شاہی مہر کردی ہے اور چند ایسے اہم کام سپرد کردئے ہیں جو کلیتاً بادشاہ کے خود کرنے کے ہیں۔ حضور نظام کا اپنی حیات میں شاہی اختیارات اپنے فرزند اکبر سکندرجاہ کے سپرد کردینا انھیں اپنا جانشین نامزد کردینے کے مساوی متصور ہوتا ہے اور یہ قیاس کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اپنے ولی عہد کو اُسکے حقوق سے محروم کرکے وہ کسی چھوٹے بیٹے کو اپنا ولی عہد نامزد کردیں گے تاوقتیکہ حضور نظام کو نزع کے عالم میں یہ بدیہی غیر منصفانہ اور خلاف مصلحت فعل کرنے کے لئے مجبور اور لاچار نہ کردیا جائے۔

سکندرجاہ کی شادی عظیم الامرا کے خاندان میں ہوئی ہے اور اسوجہ سے ان کے سربرآرائے حکومت ہونے سے دربار حیدرآباد میں انگریزی حقوق کے تحفظ کو مزید تقویت حاصل ہو جائے گی۔ علاوہ بریں حضور نظام کا کوئی اور بیٹا بدون فرانسیسی جماعت یا ٹیپو سلطان کی دستگیری کے

تخت نشین ہو جانے کی ہرگز توقع نہیں کر سکتا ہے۔ اس بات کے ہم کافی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ فرانسیسی اور ٹیپو سلطان سکندر جاہ کو تخت سلطنت سے محروم کرنے میں کسقدر کوشاں ہیں اور جانشینی کے مسئلہ میں مداخلت کرنے کے لئے اُنھوں نے جو حرکتیں کی ہیں وہ بھی بیان کردی گئی ہیں ان حرکات کی پھر تجدید ہوگی اور خدانخواستہ اگر انہیں کامیابی ہوگئی تو اس کا انجام عظیم الامرا اور سکندر جاہ کی تباہی اور آخرکار دربار حیدرآباد میں انگریزی حقوق کی پامالی ہوگا۔ معاہدۂ سرنگاپٹم مرتب ہونے کے وقت ہندوستان میں قوت کا توازن جو موجود تھا اُسے دوبارہ قائم کرنے کے جملہ توقعات منقطع ہو جائیں گے اور حضور نظام کی ریاست فرانس کی تحتانی سلطنت ہو جائیگی اور فرانس کے طرفدار ٹیپو سلطان سے اور حیدرآباد کی فرانسیسی فوج سے مل کر ہندوستان میں انگریزی قوت کے لئے خطرہ کا موجب ہو جائیں گے اس لئے حیدرآباد میں انگریزی فوج میں اضافہ کرنے کی ضرورت کے متعلق جو تجاویز پیش کئے گئے ہیں وہ ان واقعات کی موجودگی میں اس امر کے مستحق ہیں کہ سکندر جاہ کی جانشینی کی حمایت کے واسطے اُن پر عملدرآمد کیا جائے چونکہ ان کا تعلق حیدرآباد میں ہمارے اثرات کے استحکام اور ٹیپو سلطان و فرانس کے اثرات کو زائل کرنے سے ہے اس لئے میں نے اپنے رزیڈنٹ متعینۂ حیدرآباد کو یہ اختیار دیدیا ہے کہ اگر اس کے بعد ضرورت لاحق ہو تو وہ انگریزی رسالوں سے وہاں یہ کام لے اور میرے نزدیک محض ہماری فوج کی حیدرآباد میں اس خبر کے ساتھ موجودگی ہی غیر ملکی اور خاندانی مخالفتوں کا سد باب کردے گی کہ ہمارا ارادہ جانشینی کے عام قاعدہ کی حمایت کرنے کا ہے

حضور نظام کی ملازمت میں انگریزی فوج رکھنے کے انتظامات نامکمل رہیں گے تاوقتیکہ دربار پونا اس کی صدق دلی کے ساتھ تائید نہ کرے اور پیشوا کو اُس کے رتبہ کے لائق اختیارات نہ مل جائیں۔ لیکن ٹیپو سلطان اور فرانس کے ہندوستان میں روز افزوں اثر کے خطرہ کو زائل کرنے کی اشد ضرورت ہے اس لئے یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اگر پونا میں ہماری تجویز کو ناکامی

(۱۱۳)

نصیب ہوئی تو اس صورت میں حیدرآباد کی حفاظت اور وہاں سے دربار سے فرانسیسی جماعت کے اثرات کو زائل کرنے کی اور بھی ضرورت بڑھ جائے گی ہمیں بہت کچھ کرنا پڑے گا اس لئے اگر پیشوا اُن تجاویز کو منظور نہ کرے جو اس کے روبرو پیش کی جائیں یا اگر سندھیا کی کاروائیونکی کامیابی یا کسی دوسری وجہ سے دربار پونا کے متعلق ہمارے تدابیر باطل ہوجائیں اس وقت بھی مجھے یہی مناسب معلوم ہوگا کہ میں رزیڈنٹ متعینہ حیدرآباد کو یہ ہدایت کردوں کہ وہ انگریزی فوج میں اضافہ کرنے کی تجویز اور میری دیگر ہدایات پر عملدرآمد شروع کردے جو اسے قابل عمل معلوم ہوں اور پیشوا کو یہ حق حاصل رہے گا کہ جو معاہدے ہم حیدرآباد سے کریں گے انھیں وہ جسوقت چاہے تسلیم کرلے۔ اور اسی سلسلے میں حیدرآباد کے معاونتی معاہدوں کی اِن شرائط کو سردست ملتوی رکھا جائے جن کا پیشوا سے تعلق ہے

اگر یورپین افسران یا سپاہیوں کو کسی دوسری ریاست میں نوکری کرنے کی اجازت دیجائے گی تو پھر حیدرآباد سے فرانسیسی فوج برخاست ہوجانے سے بھی ہمارے وہ مقاصد حاصل نہ ہوں گے جو اس تجویز کے پیش کرنے سے ہمارے پیش نظر تھے۔ اگرچہ حضور نظام کی ملازمت میں وہ جسقدر خطرناک ثابت ہوئے وہ دوسری ملازمت میں اسقدر مخدوش نہیں ہوسکتے ہیں تاہم میں نے یہ کوشش کی ہے کہ فرانسیسی حیدرآباد سے صرف برخاست ہی نہ کئے جائیں بلکہ فوراً وہ اپنے وطن واپس بھیجدئے جائیں اور اسی لئے میں نے یہ استدعا کی ہے فرانسیسی افسروں اور دیگر ملازموں کو فوراً یورپ روانہ کرنے کی غرض سے انھیں حکومت فورٹ سینٹ جارج کے حوالے کردیا جائے۔ حضور نظام نے حکومت فرانس یا فرانسیسی افسران سے کوئی معاہدہ اس قسم کا نہیں کیا ہے کہ انھیں ہمیشہ ملازم رکھا جائے گا اس لئے وہ جسوقت بھی مناسب تصور کریں انھیں یک قلم برخاست کرسکتے ہیں چونکہ مانشیور ریموں اور اُس کی فوج نے حیدرآباد میں زبردست قوت حاصل کرلی ہے جس کو وہ نہایت بیجا طریقہ پر استعمال کرتے ہیں اس لئے اپنے

تاج وتخت اور حکومت کو ایسی مخدوش جماعت سے نجات دلانے کے لئے حضور نظام جو کچھ مناسب سمجھیں وہ تدابیر اختیار کر سکتے ہیں۔

(۱۱۵) اسی خیال کو پیش نظر رکھکر میں نے اپنی تجویز میں پہلی شرط یہی لگائی ہے کہ حضور نظام۔ اُن کے جانشین اور ورثا اپنی عملداری اور اپنی فوج میں فرانسیسیوں کو کبھی داخل ہونے کی اجازت نہیں دیں گے۔

حیدرآباد میں زیادہ تعداد میں انگریزی فوج قائم کردینے کے بعد مسٹر فنگلاس کی فوج پر وہ اعتراضات باقی نہیں رہیں گے جو میں نے اس قسم کے آوارہ گردوں کے حضور نظام کے یہاں ملازمت حاصل کرنے کی حوصلہ افزائی کیئے جانے کی بابتہ بیان کردیئے ہیں۔ لیکن ہمیں اس مسئلہ کو فی الفور طے کرنے کی ضرورت نہیں اگر دربار حیدرآباد ہماری تجاویز کو قبول کرلے تو اپنی مرضی کے مطابق اس مسئلہ کو فیصل کرنے کے بہت کافی وسائل ہمارے پاس موجود ہو جائیں گے۔ حیدرآباد میں انگریزی فوج بڑھانے سے پیشتر اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارے مجوزہ انتظام کا جس حد تک پونا کے شعبۂ ملازمت سے تعلق ہے اولاً اس کے لئے حضور نظام کی رضامندی حاصل کرلی جائے

پونا یا حیدرآباد کے متعلق میرا ارادہ اُس وقت تک کوئی کارروائی کرنے کا نہیں ہے جب تک کہ ایک کے متعلق دوسرے کو پوری اطلاع نہ دیجائے اور اسکی رضامندی حاصل نہ کرلی جائے اور میرے نزدیک یہ ایسا عمدہ اصول ہے کہ جس کی ہر منزل پر نہایت سختی کے ساتھ پابندی کرنی چاہئے تاکہ رشک و حسد کے جملہ وجوہ رفع ہو جائیں دونوں کو ہم پر اعتماد و بھروسہ ہو جائے اور یہ دونوں ریاستیں ایک دوسرے کے حقوق کا بے لوثی کے ساتھ خیال و لحاظ رکھیں۔

مجوزہ انتظام کے جن حصوں کا تعلق حکومت پونا کی جدید تنظیم سے ہے وہ کرنل پامر نے اپنے خط مورخہ یکم جون میں بالفاظ ذیل تجویز کئے ہیں ا
"پونا میں زبردست انگریزی فوج کے پہونچ جانے پر پیشوا کو اپنے پورے

اختیارات حاصل ہو جائیں گے اور پھر اس حالت میں ٹیپو کے کہنے پر بھی سندھیا کو اس کی مخالفت کرنے کا کوئی معقول بہانہ نہیں مل سکے گا۔"

پونا سے جو اطلاعات موصول ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں پر ہماری یہ رائے پسند کی گئی ہے کیونکہ بیرونی امداد کے بغیر کسی اور طریقہ سے پیشوا کو اپنے اختیارات کامل یا نا قطعی ناممکن ہے اس لئے امید ہوتی ہے کہ ہماری فوج کے پہونچ جانے پر جملہ مرہٹہ سردار پیشوا کی اعانت اور حمایت کرنے پر تیار ہو جائیں گے اور سندھیا کے معاونین بھی اس بات کو نامنظور نہیں کریں گے پیشوا نے خود ہماری فوجی امداد کے لئے پر زور استدعا کی ہے اور اس کی ضرورت نہایت مشرح طور پر بیان کردی ہے اور اپنی حفاظت اور اپنے اختیارات کی بحالی کے واسطے اُنکے اثرات کو ظاہر کیا ہے علاوہ بریں ٹیپو کی حالت یوماً فیوماً زیادہ مخدوش ہوتی جاتی تھی اُس نے حضور نظام سے بھی مدد مانگی تھی لیکن اسکی تقدیر کا فیصلہ ہونے سے قبل حضور نظام کی امداد اُس تک نہیں پہونچ سکتی تھی دوسرے یہ کہ باوجود معاہدہ ہو جانے کے حیدرآباد سے امداد ملنے کی توقع نہایت مذبذب تھی اس حالت میں صرف ایسی تدبیر پہ ہماری حکومت بھروسہ کر سکتی تھی کہ اس ریاست میں اپنے حقوق کے فوری تحفظ کے لئے اپنی فوج بھیجکر دست اندازی کرلے۔ (۱۱۶)

اس لئے رزیڈنٹ متعینہ پونا کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ بمبئی سے رسالہ طلب کرلے لیکن اس پر عملدرآمد کرنے سے پیشتر یہ مناسب معلوم ہوا کہ رزیڈنٹ صاحب پیشوا سے حیدرآباد میں انگریزی فوج کی تعداد بڑھانے دربار پونا و حیدرآباد کے نزاعات کے لئے ہماری ثالثی۔ اپنی ریاست اور فوج سے فرانسیسیوں کے اخراج کی منظوری حاصل کرلیں دربار پونا سے اس انتظام کا دوامی فائدہ اٹھانے کی غرض سے یہ تہیہ کر لیا گیا ہے کہ دربار پونا کے روبرو یہ تجویز پیش کی جائے کہ وہ ہمارے ساتھ اُس طرح پر دوامی معاونتی معاہدہ کرلے جس طرح کہ ہم نے دربار حیدرآباد سے طے کیا ہے اسی غرض سے۔

رزیڈنٹ متعینۂ پونا کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ حیدرآباد اور پونا میں اس انتظام کے کامیاب ہونے کے لئے ایسی مناسب کارروائیاں عمل میں لائے جن کو نانا فرنویس پسند کرلے۔

پونا کے گزشتہ مراسلوں سے یہ قوی امید ہوتی ہے کہ سندھیا کو اس کی ریاست میں واپس بھیجنے اور پیشوا کے اختیارات بحال کرنے میں کرنل پامر نانا فرنویس کی قابلیت اور تجربہ سے بہت کچھ کام لیں گے ہماری دست اندازی سے جب حیدرآباد اور پونا میں اتحاد و اتفاق قایم ہو جائے گا تو اس صورت میں اگر ہمارے اس انتظام میں سندھیا کچھ روڑے اٹکانا چاہے گا تو غالباً وہ باآسانی دور ہو جائیں گے اور اس کی یہ حرکت اس کے لئے سخت بدنامی کا باعث ہوگی۔

نانا فرنویس کا خزانہ ہی سندھیا کے لئے اپنی بددل فوج کا منہ بند کرنے کا واحد ذریعہ ہے مگر کرنل پامر مناسب موقع پاکر نانا فرنویس اور سندھیا کے مفاد کو اس طرح پر پیوست کردیں گے کہ سندھیا کسی قسم کی فوجی نقل نہ کرسکے اور سلامتی کے ساتھ اپنی ریاست کو واپس چلا جائے چونکہ میں جملہ فریقوں میں صلح کرانے کا متمنی ہوں اس لئے میں نے کرنل پامر کو ہدایت کی ہے کہ سندھیا کے روبرو نہایت مشفقانہ و صلح جویانہ تجاویز پیش کرو اور اسے سمجھا دو کہ اپنی ریاست کو واپس چلے جانے میں آپ ہی کا فائدہ ہے چونکہ آپ کی عدم موجودگی میں آپ کی ریاست خطرہ میں رہے گی زماں شاہ کا حملہ ہونے کی صورت میں ہم آپ کے معاون ہونگے اور یہ کہ پونا و حیدرآباد کے درمیان ہم بھی مصالحت کرانے کے لئے آمادہ ہیں اور ان دونوں کی آزادی بحال کرانے کے انتظام کے لئے میں نے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ دونوں ریاستیں اس پر راضی ہو جائیں کہ سندھیا سے اُن کے جو اختلافات ہیں وہ ہم رفع دفع کرادیں۔

سندھیا ہماری تجاویز کو ہرگز نامنظور نہیں کرسکتا ہے کیونکہ ان کے انکار سے وہ ہمارا اعلانیہ دشمن اور ٹیپو سلطان کا معاون بن جائے گا۔ (۱۱۸)

اس حالت میں بالآخر ہمیں سختی سے کام لینا چاہیئے اور ریذیڈنٹ متعلقہ کو ہدایت کردی گئی ہے کہ بدرجۂ مجبوری آخری سبیل یہی ہے کہ تم سختی سے کام لینا تاہم میرے نزدیک زیادہ سختی کی ضرورت نہیں ہوگی۔

میں نے دکن میں فرانسیسی جماعت کی ترقی کو روکنے اور اپنے دوستانہ معاہدوں کے نتائج حاصل کرنیکے واسطے مرقومۂ بالا تدابیر تجویز کی ہیں۔

میں اُن دلائل کو بیان کرچکا ہوں جن سے مجھے اس امر کا یقین ہوگیا ہے (حکومت فورٹ سنیٹ جارج کی رائے کے خلاف) کہ ٹیپو کی علی الاعلان تجاویز اور مسلمہ جنگی تیاریوں کی حالت میں کرناٹک کی حفاظت کے واسطے ساحل کارومنڈل۔ ملابار اور بمبئی پر فوجوں کا اجتماع نہایت ضروری تھا۔ دشمن کی جنگی تیاریوں کے قدم بہ قدم نہ چلنے کی مہلک پالیسی کا نتیجہ ہم ساحل ملابار پر کئی بار دیکھ چکے ہیں اور اپنے فرض منصبی کا احساس کرکے میں اپنی رائے کو پھر دہراتا ہوں کہ کرناٹک کو ایسی نازک حالت میں چھوڑ دینے پر میں ہرگز راضی نہیں ہوسکتا ہوں اس کا تحفظ صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم جنگی تیاریاں شروع کردیں اور اگر میں صرف اُن ہی تجاویز پر بس کرتا جن کی کامیابی کا انحصار دربار حیدرآباد و پونا کی منظوری پر ہے (جو ٹیپو کی ناقابل برداشت عداوت کو رفع کرنیکے لئے بحالت موجودہ و آیندہ ہمارے لئے اشد ضروری ہیں) تو صرف ایسی ضرورت سے بھی ساحل کارومنڈل و ملابار و بمبئی پر فوجوں کے اجتماع کی تجویز مجھے پیش کرنی چاہیئے تھی۔

یہ فرض کرلینا ناممکنات سے ہے کہ ہمارے مدافعانہ معاہدوں کی تجدید میں مزاحمت کرنے کے لئے ٹیپو اپنی امکانی کوشش نہ کرے گا اور اس لئے یہ بات بھی یقینی ہے کہ اس کی روز افزوں جنگی تیاریاں اور اسکے فرانس کے ساتھ جدید تعلقات اُس کو حضور نظام اور پیشوا کے معاملات میں مداخلت کرنے کی شہ دیں گے اور پونا میں سندھیا کی اور حیدرآباد میں پیرون کی فوج کی رائے کی تائید اور اعانت پر آمادہ کریں گے اس لئے اپنے دوستوں کے ساتھ

نامہ و پیام ہونے کے دوران میں اپنی فوجوں کو ٹیپو کی سرحدوں پر جمع کرکے اسکی
نقل و حرکت کو روکنے کی اشد ضرورت ہے۔

اپنی اس یادداشت میں ساحلی فوجی نظم کے ان نقائص کو بیان کرنے سے
میں نے چشم پوشی کی ہے جو اس نازک موقع پر اس کی نقل و حرکت کے مانع
ہوئے ان نقائص کو رفع کرنے کے واسطے میں نے جو تجاویز پیش کی ہیں وہ
کرناٹک میں ہمارے آئندہ کے تحفظ کے لئے نہایت ضروری ہیں یہ تجاویز
میری یادداشت بصیغۂ راز مورخہ ۲۰ جولائی اور میرے مراسلہ بنام حکومت
فورٹ سینٹ جارج میں تفصیل کے ساتھ درج ہیں۔

میں اس صرفہ سے تو آگاہ ہوں جو ہماری ساحلی فوج کی اسقدر درستی و
اصلاح کرنے میں ہمیں برداشت کرنا ہوگا کہ ہماری فوج نہایت تیزی اور مستعدی
کے ساتھ ٹیپو کے فوری حملے کے مقابلہ کے واسطے پورے طور پر تیار رہے۔

اگر حیدرآباد سے ہمارا معاونتی معاہدہ طے ہو جائے تو وہاں کے لئے
ایک سالم پلٹن جس میں ۲ رجمنٹ ہوں گی درکار ہوگی جو فورٹ سینٹ جارج کی
فوج سے دی جا سکتی ہے۔

جو فوج کہ حیدرآباد میں متعین کی جائے گی وہ شمالی سرکار کو ٹیپو سلطان
یا کسی اور غیر ملکی غنیم کے حملے سے بچا سکے گی۔ شمالی سرکار میں صرف اتنی فوج
کافی ہوگی جو اندرون ملک امن برقرار رکھ سکے اور پولیس کے فرائض انجام
دے لے اس لئے مصالحت ہو جانے کی صورت میں اس امر کی ضرورت
نہیں ہے کہ جو فوج آجکل حضور نظام کے یہاں ملازم ہے اس کی بجائے دوسری
فوج تعینات کرنے کے لئے فورٹ سینٹ جارج میں ایک سے زیادہ رجمنٹ
کی بھرتی کی جائے۔

اس انتظام سے فورٹ سینٹ جارج کے فوجی مصارف میں دو رجمنٹوں کے
خرچ کی بچت ہو جائے گی اور ہمارے پاس اس قدر سرمایہ موجود رہے گا
جو کم از کم توپ خانہ۔ مویشیوں اور غلہ کے جدید خرچ کے لئے کافی ہوگا (۱۲۰
کیونکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ فوری ضرورت کے وقت مستعدی کے ساتھ

حملہ کرنے میں ان کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔
ایسی صورت میں ٹیپو کے مقابلے کے لئے مدافعانہ معاہدوں کی تکمیل کا ضروری تعلق کرناٹک میں ہمارے مدافعانہ نظم کی اصلاح و ترقی سے وابستہ ہے اور جو فوجی امداد ہم حضور نظام کو دینے والے ہیں وہ (بلا مزید مصارف کے) ہمارے ساحلی فوج کے حق میں مزید سرگرمی اور مستعدی کا موجب ہو جائے گی چونکہ مجھے ان موانعات کا دلی رنج و صدمہ ہے جو ٹیپو کے علاقہ پر فوری حملہ کرنے میں حایل و مزاحم ہوئے لیکن اب مجھے امید ہے کہ دور اندیشی اور مدافعت کے نظم کی کامیابی سے ہمیں بہت کچھ فائدہ پہونچے گا جس کو ہیں نے فوری جنگ کی بجائے مجبوراً قایم کیا ہے دربار حیدرآباد سے معاونتی معاہدے کرنے اور اسی قسم کے معاہدے پونا سے قرار پا جانے کے باعث ہماری فوجی قوت میں بیحد اضافہ ہو جائے گا اس میں کچھ زائد صرفہ بھی نہ پڑے گا اور غالباً ہمارے فوجی مصارف میں قدرے کمی واقع ہو جائے گی۔
ہماری دو پلٹنوں کی ایک بڑی فوج بن جائے گی اور وہ ٹیپو کی سرحد کے ایسے مقامات پر تعینات کی جائے گی جن پر بآسانی وار ہو سکتا ہے اور وہ ہمارے سامان رسد کی حفاظت کر کے نہایت سہولت کے ساتھ ہر وقت سلطان کے دارالسلطنت تک پہنچ سکے گی اگر کبھی کرناٹک۔ شمالی سرکار یا ملابار کی سرحد کی جانب قدم بڑھانے کا ٹیپو تہیہ کرے تو ہماری فوج کی تعیناتی اس کی نقل و حرکت کے ہمیشہ مانع و مزاحم رہے گی۔
اس کی بدولت ٹیپو اور سندھیا کی فوجیں کبھی ملنے نہ پائیں گی اور اس وجہ سے سندھیا کو اپنی ریاست میں مقیم رہنے کی ترغیب ہو گی اور سرحدوں پر ہماری فوج کی موجودگی سے وہاں بھی اس کی نقل و حرکت کی روک تھام ہوتی رہے گی۔ (۱۲۱)
ایسی صورت میں سندھیا کا فائدہ بھی اسی میں ہے کہ فرانس یا

کسی اور دیسی ریاست کے مقابلے میں ہم سے دوستی پیدا کرنے کو وہ ترجیح دے ۔ اس طرح زماں شاہ کی سرحد ہندوستان پر پہونچنے کی صورت میں سندھیا ہمارے لئے نہایت کارآمد رفیق بن سکتا ہے اور اس حالت میں وہ ہماری اعانت کا خود محتاج ہوگا لیکن اس کے برعکس اگر پیشوا کے خلاف اپنے رشک و حسد و غیر منصفانہ خیالات میں اسے کامیابی حاصل ہو جائے تو وہ ٹیپو سلطان اور فرانس کا ہی خواہ بن جائے گا اور اسے ایک ایسی سلطنت کے باقی ماندہ اجزا کا کچھ حصہ مل جائے گا جس کو وہ خود مغلوب کر سکتا تھا۔

اس کے بعد ہمیں اپنی پوری کوشش اس بات میں صرف کرنی چاہئے کہ ان دو ریاستوں کی قوت اور آمدنی میں کمی نہ ہونے پائے جن کے اشتراک عمل سے ریاست میسور سے جنگ ہونے کے وقت امداد ملنے کا پورا بھروسہ اور اطمینان ہے ۔ اور چونکہ ہم اپنے رفیق کو جنگ و جدال کے باعث کمزور ہونے سے بچاتے ہیں اس لئے ہمیں امید ہے کہ ہندوستانی ریاستوں کے باہمی نزاعات میں ہماری دست اندازی کسی مخالفت یا جنگ کا موجب نہ ہوگی بلکہ کل ہندوستان میں عام طور پر امن و امان قایم کرنے کا باعث ہو جائے گی اور ہماری یہ دست اندازی ایک زبردست علامت ہماری امن پسندی کی ثابت ہوگی ۔

خواہ بادی النظر میں یہ مجوزہ نظم کیسا ہی پیچیدہ اور عظیم الشان کیوں نہ معلوم ہو لیکن بہت جلد ہندوستان کے جملہ فرماں رواؤں پر واضح ہو جائیگا کہ ہم اپنے رفیقوں اور خود اپنے لئے اصولاً ایسی ہر ایک تجویز کے مخالف ہیں جو فتوحات ۔ توسیع عملداری یا ظلم اور رشک و حسد کے واسطے ہو اور ایسے اصول پر کاربند ہونے کے باعث ہمارا فرض اور استحقاق ہے کہ ہم اپنے حلیفوں کی کمزوریاں رفع کردیں لیکن اس اصول سے ہم ہرگز تجاوز نہیں کرنا چاہتے ہیں ۔ اور نہ کوئی ایسی تجویز پر عمل کرنا پسند کرتے ہیں جس سے کسی دیسی ریاست کی قوت میں کچھ کمی و بیشی کرنا مدنظر ہو بلکہ برخلاف اسکے ہی

(۱۲۲)

اصول کسی بیرونی مداخلت کو روکنے کا فرض ہم پر عائد کرتا ہے اگر وہ مداخلت ہمارے جائز حقوق یا مدافعانہ معاہدوں میں رخنہ اندازی کرنے کی نیت اور ہندوستان میں اپنا سیاسی اقتدار قایم کرنے کی غرض سے کیجائے۔

حیدرآباد اور پونا میں ہماری امدادی فوج متعین ہو جانے سے نہ صرف ان ریاستوں کی بیرونی حملوں سے محافظت ہو جائے گی بلکہ کوئی ویسی ریاست ناموزوں قوت حاصل نہ کر سکے گی اور چونکہ ہمارے پاس ہندوستان کے مرکز میں ایک زبردست فوج موجود رہے گی اس لئے اس قسم کا کوئی واقعہ بلا ہمارے علم و رضامندی کے ہرگز وقوع میں نہ آنے پائیگا۔

اب غور طلب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ جب ہم اس نظم کی تکمیل کر لیں جس کا انحصار ہمارے رفیقوں کے دربار کی منظوری پر ہے اور اپنی فوج کو جنگ کے لئے تیار کر کے کرناٹک میں لے آئیں اُس وقت ہمارے مطالبہ کی کیا نوعیت ہو جو ہم ٹیپو کے روبرو اپنے اطمینان کے لئے پیش کریں گے۔

اس بحث کے دوران میں جو واقعات میری نظر سے گزرے ہیں اُن سے یہ امر صاف ظاہر ہو گیا ہے کہ ہماری سلامتی کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ٹیپو سلطان کی قوت میں کمی کر دی جائے۔

معاہدۂ سرنگاپٹم سے ہرگز یہ غرض نہ تھی کہ ٹیپو کی قوت ایسے پیمانے پر قائم رکھی جائے جس سے کہ وہ کمپنی کے لئے ہمیشہ خوف و خطرہ کا موجب بنا رہے اور جو شخص بھی کہ ہماری یا فورٹ سنیٹ جارج کی حکومت کے سرکاری کاغذات سے واقف ہے وہ ہرگز اس امر سے انکار نہیں کر سکتا ہے کہ کئی سال سے ٹیپو ہمارے واسطے خوف و خطر کا موجب ہے گذشتہ دو سال کے اندر یہ دوسرا واقعہ ہے جس سے مجبور ہو کر حکومت نے محض ٹیپو سلطان کی نقل و حرکت روکنے کے لئے ساحل پر فوج جمع کرنے کی ضرورت محسوس کی ہے۔

ٹیپو سلطان کی فوجی طاقت اور اس کی جنگی تیاریوں کے متعلق ہماری مبہم اور ناقص معلومات اور سمندر کے ذریعہ سے اُس کو فرانس کی امداد اور خفیہ قاصدوں کی آمد کی سہولتوں نے کمپنی کی حکومت کے انتشار اور تردد میں بہت کچھ اضافہ کر دیا ہے اور چونکہ اس کے ساتھ ہمارا نامہ و پیام ناکمل اور مبہم قسم کا ہوتا رہا ہے اس لئے ہم جنگ یا امن کے زمانے میں کسی قسم کا فائدہ اٹھانے سے قطعی محروم ہیں

ایسی صورت میں ٹیپو کی قوت میں روز افزوں اضافے کا ہونا کمپنی کے حق میں ہمیشہ خدشہ۔ پریشانی اور صرفہ کا موجب رہے گا۔

اُس کے معاندانہ وسائل میں اس طرح کمی ہو سکتی ہے کہ یا تو اُس کی مملکت اور وسائل آمدنی میں معقول کمی کر دی جائے یا ہم اپنی جنگی قوت اور قابلیت میں اضافہ کر کے اپنی کمی کو پورا کر لیں اور مزید برآں ہم ایسی تدابیر اختیار کر لیں جن کے وسیلے سے ہم اُس کے ارادوں اور اُن پر عمل کرنے کی قوت کا صحیح اندازہ کر سکیں اور فرانس کے ساتھ اسکے نامہ و پیام کو اگر ہم بالکل بند نہ کر سکیں تو کم از کم اُس میں رکاوٹ پیدا کر سکیں۔

ساحل ملابار پر اسکے علاقے میں کمی کر دینے کا ضرور یہ اثر ہوگا کہ فرانس کے ساتھ اُس کے نامہ و پیام میں مشکلات حائل ہو جائیں گے اور کرناٹک کی جانب پھر وہ نقل و حرکت نہ کرنے پائے گا۔ لیکن محض ہماری تلوار کے ڈر سے ہماری اس دلی تمنا کے بر آنے کا کوئی امکان نظر نہیں آتا ہے۔ یہ آرزو تو صعوبت و مصارف جنگ برداشت کرنے ہی سے پوری ہو سکتی ہے اور غالباً اسی قیمت پر اُس کے وسایل میں معقول کمی کی جا سکتی ہے

(۱۲۴) میں نے اُن تدابیر کا مفہوم اور ان کی نوعیت بیان کر دی ہے جو دوستانہ اور امدادی معاہدوں اور کرناٹک میں اپنی مدافعت کے ذرائع کی اصلاح و ترقی کی صورت میں ہم نے اختیار کی ہیں۔

اس انتظام میں کامیابی حاصل ہونے کے بعد ٹیپو کی قوت پر بہت

زبردست دباؤ پڑے گا اور ہماری سرحدیں اس قدر محفوظ ہو جائیں گی کہ ہم جنگ کا خطرہ مول لئے بغیر ان تمام امور کی بابت اس سے نہایت معقول ضمانت طلب کر سکیں گے جن سے آجکل اس کی قوت نہایت خطرناک ہو رہی ہے۔

اور میں بیان کر چکا ہوں کہ یہ معاملات اس کی کارروائیوں کل انعقاد اس کا فرانس کے ساتھ مسلسل نامہ و پیام ہونا اور اس کی جنگی تیاریاں ہیں معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کی بابتہ ہم ٹیپو سے ایسے الفاظ میں جواب طلب کریں کہ یہ ساری خرابیاں رفع ہو جائیں اور ہمارا مطالبہ ایسے معقول منصفانہ صاف اور صریح اصولوں پر مبنی ہو کہ ٹیپو کا انکار کرنا نہایت مذموم اور بیہودہ متصور ہو سکے تاکہ سارے ہندوستان پر ہمارے ہتیار اٹھانے کی ضرورت روشن ہو جائے۔

ہم ٹیپو سے صاف صاف کہہ سکتے ہیں کہ ہماری نیت ہرگز آپ کا ملک غصب کرنے یا آپ کے وسایل آمدنی کو کم کر دینے کی نہیں ہے اور اپنی نیک نیتی کے ثبوت میں ہم ضلع دنا دوا پس دینے کا واقعہ پیش کر سکتے ہیں اور ہم اُسے بتلادیں کہ آپ نے بلا وجہ معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے اور اس پر بھی ہم آپ سے کوئی ملک یا زرتاوان نہیں طلب کرتے ہیں بلکہ ہم تو اپنے صرف اسی مطالبہ پر قناعت کر لیں گے کہ آپ ہماری مخالفت و عداوت کرنے سے محترز رہیں اور یہ ایسا معمولی مطالبہ ہے جو ساری مہذب قومیں ایام صلح میں ایک دوسرے سے کیا کرتی ہیں اور ہم نہایت زور کے ساتھ اس سے یہ جواب طلب کریں کہ صاف صاف بتادیجئے کہ آیندہ ہمارے اور آپکے تعلقات کی کیا نوعیت رہے گی کیونکہ گذشتہ چند سال میں آپ کا جیسا عمل اور پریشان کن طرز عمل جملہ متحدین کے ساتھ رہا ہے ہم ہرگز پسند نہیں کرتے ہیں۔

ہم صاف صاف اپنی یہ مستقل رائے اُس پر ظاہر کر دیں کہ یا تو ہمارے ساتھ حقیقی اور پُراثر صلح رکھئے اور اسی کے ساتھ نامہ و پیام کے مراسم اور

باہمی حسن سلوک ہوتا رہے اور ایسے شرائط طے کیجئے جن سے صلح کے برکات حاصل ہوتے رہیں ورنہ ہم آپ پر حملہ کریں گے اور اس وقت تک لڑتے رہیں گے جبتک کہ آپ کی ساری قوت کا خاتمہ کر کے ہمارے جملہ خدشے اور اندیشے رفع نہ ہو جائیں گے۔

جملہ اتحادیوں کو متفقہ طور پر ٹیپو سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے اور پھر اُس سے یہ درخواست بھی کرنا مناسب ہے کہ صلح کے زمانہ میں جیسا کہ جملہ مہذب اقوام کا دستور ہے اسی طرح وہ اپنے دربار میں ہمارے ہر ایک حلیف کا ایک سفیر آنے کی اجازت دے اور اسی طرح ان ہی شرائط پر وہ اپنے سفیر ہمارے یہاں روانہ کرے۔

ٹیپو نے فرانس سے جارحانہ معاہدہ کر کے جو فوج کمپنی پر حملہ آور ہونے کی غرض سے تیار کی ہے اس لئے یہ فوج جب تک اُس کی ملازمت میں رہے گی اُسکے رکھنے کا یہی مقصد سمجھا جائے گا اور اس سے یہ مطالبہ کرنا چاہیئے کہ بلا تاخیر اس فوج کو برخاست کر دے اور اپنی عملداری سے نکال باہر کرے۔

انگریزی قوت کا ہندوستان سے استیصال کرنے کے لئے فرانسیسیوں کی دلی تمنا۔ فرانسیسیوں کے ساتھ ٹیپو کے تعلقات کی نوعیت اور فرانسیسیوں کا اپنے مفاد کی خاطر ٹیپو کو جنگ پر اکسانا یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ ان کی بنا پر اس سے یہ مطالبہ ہونا چاہیئے کہ وہ مستحق ہیں کہ وہ اپنی طرف سے اور اپنے جانشینوں اور ورثا کی جانب سے یہ معاہدہ کرے کہ وہ فرانسیسیوں کو ہمیشہ کے واسطے اپنے قلمرو سے نکال باہر کریگا۔

ٹیپو سے یہ مراعات مل جانے پر ہمیں بہت سے فوائد حاصل ہو جائیں گے کیونکہ اُس کے دربار میں ہمارے ایک سفیر کے قیام سے وہ نہ صرف اپنی مخاصمانہ تجاویز پر عمل پیرا نہ ہو سکے گا جو اس کے بعد اُسکے ذہن میں گذریں گی بلکہ معتبر اور مستند معلومات بہم پہونچانے کا ایسا وسیلہ ہمارے ہاتھ آجائے گا جس کی بدولت ہمیں اُس کے حرکات و سکنات کی

(۱۲۶)

بروقت اطلاع مل سکے گی۔

اس تدبیر سے بالآخر ہمارے دوستانہ تعلقات سلطنت میسور کے ساتھ قایم ہو جائیں گے کیونکہ آخر کار ٹیپو کو بھی یقین ہو جائے گا کہ اُس کے حق میں نہایت دانشمندانہ حکمت عملی یہی ہو سکتی ہے کہ اپنے کھوئے ہوئے علاقہ کو واپس لینے کی کوشش میں مزید علاقہ کے ضائع جانے کا خطرہ مول لینے سے یہی بہتر ہے کہ اپنی موجودہ سلطنت پر بے غل و غش قبضہ رہنے کو غنیمت تصور کر کے قناعت کر لی جائے۔

ٹیپو نے مارسیشس سے جو فرانسیسی فوج بھرتی کی ہے اُسے برخاست کر دینے پر اس قوم کے دیگر اصحاب کو سلطان کی ملازمت کے لئے آنے کی جرأت نہ ہوگی اور عین موقع پر انگریزی سفیر کی موجودگی کی بدولت اُسکے لئے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا سخت دشوار ہو جائے گا جس کی رو سے وہ فرانسیسیوں کو اپنی فوج اور اپنی عملداری سے نکال دینے کا پابند ہوگا۔

اس لئے ان دونوں تدابیر کا اسقدر نتیجہ تو ضرور ہوگا کہ ہمارے دشمن کے ساتھ اس کا نامہ و پیام اگر کلیتاً نہیں تو بڑی حد تک ضرور بند ہو جائیگا۔ اور بالآخر وہ اس پر بھی غور کرے گا کہ وہ زبردست فرانسیسی امداد کے بغیر انگریزی قوت کو موثر صدمہ پہونچانے کی توقع نہیں کر سکتا ہے اور تاوقتیکہ وہ اپنی آزادی کو خطرہ میں نہ ڈالے ایسی فوجی امداد اسکے ملک میں نہیں پہونچ سکتی ہے۔

ہمارے معاہدوں کی تجدید۔ میدان جنگ میں ہماری فوجوں کا نمودار ہونا اور ساحل ملابار پر انگریزی اسکواڈرن کے ایک حصہ کا موجود رہنا غالباً ٹیپو کو ہمارے اس قسم کے مطالبات سننے پر آمادہ کر دے گا۔ اس کی سمجھ میں بہت جلد آجائے گا کہ اس کی فوجی قوت کا قلع قمع کر دینے اور سلطنت میسور کا استیصال کرنے کے معقول وسائل ہمارے پاس موجود ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ اس سے یہ بھی یقین ہو جائے گا کہ اپنے تحفظ کے علاوہ ہماری کوئی اور غرض نہیں ہے اور ہم فی الحقیقت اُس کے ساتھ دوستی و صلح

تعلقات اُس وقت تک قائم رکھنے کے خواہاں ہیں جب تک کہ وہ اپنے موجودہ علاقے پر قانع رہے گا اور ہمارے خلاف اپنی شر انگیز تجاویز سے باز رہے گا۔

اگر میرے مجوزہ مطالبات کے مفہوم کو ٹیپو قبول کرلے تو مجھے قوی امید ہے کہ نہ صرف اتحاد ثلاثہ کی اصل غرض پوری ہو گی بلکہ حیدرآباد اور پونا میں ہماری کثیر فوج کے رہنے۔ سرنگاپٹم میں ہمارے سفیر کے قیام کرنے ٹیپو سلطان اور حضور نظام و پیشوا کی عملداری سے فرانسیسیوں کے خارج کئے جانے سے ہم یہ توقع کر سکیں گے کہ اب مدت دراز تک ہندوستان میں امن و امان قائم رہے گا اور پھر ہندوستان میں فرانسیسی قوت کے بڑھنے کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہیگا اور زماں شاہ کے مخدوش حملے کے وقت سندھیا (یا ہندوستان میں اُس کی ریاست کا جو کوئی بھی وارث ہو) ہمارا نہایت کار آمد معاون بن جائے گا اور اُس وقت ساحل کارو منڈل کے فوجی مصارف میں با آسانی تخفیف ہو سکے گی کیونکہ پھر ہماری حکومت کو ٹیپو کی جنگی تیاریوں اور کرناٹک پر حملہ ہونے کا کچھ اندیشہ نہ ہو گا اور بزمانۂ امن ہمیں کسی قسم کی تکلیف مصیبت ۔ پریشانی اور مصارف جنگ کی شکایت پیدا نہ ہو گی اور ہمیں اپنی قوت کے تفوق سے کہیں زیادہ حقیقی امن اور دائمی تحفظ حاصل کرنیکے لئے اپنی قوت کے صحیح اور مناسب استعمال سے امن و امان برقرار رہنے کا اطمینان حاصل ہو جائے گا۔

(۱۲۸)

ضمیمہ (۴)

مراسلہ منجانب میجر جنرل سر جان میلکم

بنام مارکوئس آف ہیسٹنگز
از مقام مدراس مورخہ ۱۷ جولائی ۱۸۱۷ء

حضور والا۔

کلکتہ سے روانہ ہونے کے قبل میں نے حضور والا سے عرض کیا تھا کہ پنڈاریوں پر حملہ کرنے کے متعلق حتی الوسع اپنے خیالات سے بہت جلد حضور والا کو مطلع کرونگا اور اسی کے ساتھ یہ بھی گوش گذار کرونگا کہ اس جنگ کی بدولت ہمیں مالوہ کے کس کس سردار اور فرماں روا سے سابقہ پڑے گا اس مسئلہ کی بحث میں کوئی ایسی خبر یا نئے واقعات میں پیش کرنے والا نہیں ہوں جس سے حضور والا خود واقف نہیں ہیں لیکن جن دلائل پر کہ میری رائے مبنی ہے انھیں ظاہر کردینے کا مجھے اس قدر اشتیاق ہے کہ میں حضور والا کو مجبوراً اس کے سننے کی تکلیف دوں گا۔ اس مشکل مسئلہ کا بغور مطالعہ کرنے سے میرے دل نے ان تدابیر کی حقیقی ضرورت کو تسلیم کرلیا ہے جن کی بدولت ہمیں اپنی حکمت عملی کے ایسے اصولوں سے روگردانی کرنی پڑے گی جو ہم نے اس وقت تک ریاستہائے مالوہ کے متعلق اختیار کر رکھے تھے۔ یہ رائے قایم کرنیکے متعلق میں اپنے دلائل کا پورا سلسلہ

بیان کروں گا تاکہ حضور والا کے روبرو میری اصابت رائے کی داد دینے
یا غلطی کی اصلاح کرنے کے لئے بہترین ذرائع موجود ہوں۔
انگلستان سے روانہ ہونے کے قبل میں نے مسٹر کیننگ
(Mr. Canning) کی خدمت میں پنڈاریوں کے حالات پیش کئے تھے
اور اس یادداشت میں ان کی ابتدا کا پتہ لگانے اور ان کے عادات و
خصائل بیان کرنے کی کوشش کی تھی اور ایسی تجاویز پیش کیں تھیں جنکے
(۱۲۹) ذریعہ سے وہ بآسانی معدوم یا مغلوب ہو سکتے ہیں۔ اس یادداشت کے
پیش کرنیکے بعد چونکہ کمپنی کے علاقہ پر دو حملے ہو چکے ہیں۔ حکومت پونا
کی حالت ابتر ہو گئی۔ ناگپور کے راجہ سے معاونتی معاہدہ ہو گیا۔ دولت راؤ
سندھیا ہم سے پھر گیا علاوہ بریں بہت سے خفیف معاملات پیش آئے
ہیں (جن میں سے گنجام پر پنڈاریوں کا حملہ ہونے کے بعد کٹک اور
گنجام میں غدر پڑنا زیادہ اہمیت رکھتے ہیں) اس لئے اس مسئلہ کے
اکثر اجزا کی ہیئت کذائی تبدیل ہو گئی ہے اس لئے اب اس مسئلہ کی
تبدیل شدہ شکل پر میں بحث کرونگا اور دیسی ریاستوں کے رزیڈنٹ صاحبان
کی شرح اور مدلل مراسلات کا حوالہ دونگا جو ہمارے سیاسی محکمہ کے ہوشیار
افسران نے مع دیگر مستند دستاویزات کے فراہم کی ہے جس سے ان غدار
لٹیروں کی حالت اور غارت گر فرماں رواؤں کے ساتھ ان کے تعلقات پر
روشنی پڑتی ہے جن سے وہ فطرتاً اور باقاعدہ وابستہ ہیں۔

پنڈاریوں کی ترقی کے وجوہ میں پیشتر ہی مفصل طور پر بیان کر چکا ہوں۔[1] اگرچہ وہ
فوجی لٹیروں کی ایک علیحدہ جماعت کی شکل میں عرصہ دراز سے موجود تھے اسمیں
شبہ نہیں ہے کہ ٹیپو سلطان کی قوت کے زائل ہونے۔ حضور نظام اور پیشوا کی
سیاسی آزادی کے سلب ہو جانے اور سندھیا و ہلکر کی قوت کے گھٹ
جانے سے انکی تعداد میں بہت زیادہ بیشی ہو گئی اور ان فرماں رواؤں سے بڑی حد تک آزاد
ہو جانے سے جنکے وہ تابع فرمان تھے انکا دائرہ عمل نہ صرف اور زیادہ وسیع ہو گیا بلکہ

[1] پنڈاریوں کی سرگذشت جو ستمبر ۱۸۱۶ء میں مسٹر کیننگ کی خدمت میں پیش کی گئی تھی۔

ان میں بہت زیادہ دلیری اور اولوالعزمی پیدا ہوگئی۔

جو حضرات کہ مارکوئس آف ویلزلی کی حکمت عملی پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس عظیم الشان خرابی کا موجب ان اصولوں کو قرار دیتے ہیں جو حکومت برطانیہ کا اقتدار یا اثر جملہ ریاستہائے ہند پر قائم کرنے کے واسطے اُس نے اختیار کئے تھے۔ لیکن اُس لارڈ موصوف کے اصولوں کے حامی یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جملہ خطرات کی بناء کا موجب وہ خود غرضانہ اور غیر جانب دارانہ حکمت عملی ہے جس نے ہماری عظیم الشان کامیابی کے ثمرات کو ضائع کردیا اور امن عامہ حاصل ہونے کے عظیم و عجیب مقصد میں جو قریبی کامیابی کی توقع اپنی حقیقی اور مسلمہ فضیلت کی بدولت ہمیں ہوگئی تھی اور جسے اپنی اور اپنے رفیقوں کی اصلی طاقت کے وسیلہ سے اور اپنے اثر کے بے خوف استعمال سے ہم حاصل کر سکتے تھے اس میں مایوسی پیدا کردی۔ (۱۳۰)

کسی خرابی کے رفع کرنے کی تدبیر سے پیشتر اس کا اصلی سبب معلوم کرنا چاہئیے اور اس اصول کو مدنظر رکھکر اپنے دوازدہ سالہ تجربہ کی بنا پر ایسے واقعات معلوم کرنے کی اشد ضرورت ہے جن سے ان دونوں نظام عمل کی بالمقابل خوبیوں کا اندازہ کرنے میں مدد ملے۔ لارڈ ویلزلی کا نظام عمل اولاً ہندوستان کے جنوبی حصوں میں جاری کیا گیا تھا۔

اس کے نفاذ سے میسور کے علاقے میں ہم کو بے غل وغش پوری کامیابی حاصل ہوگئی جہاں پر خاص خاص سرداروں۔ پلٹنوں رسالوں اور کنڈاچر (Candachar) سپاہیوں کی زبردست جماعت کے مصارف کے واسطے نہایت عمدہ انتظامات ہو گئے اور اس کی بدولت وہاں کی نہایت دلیر اور بہادر رعایا ہمارے قبضے میں آگئی جس سے کہ ہم اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکتے ہیں اور اس کی وجہ سے ہم اس علاقے میں ہر قسم کی بغاوت اور بدامنی کو رفع کرنیکے قابل بن گئے۔

حضور نظام دکن کے ساتھ دوستی کرلینے سے ہمارے ہاتھ میں ٹیپو کو

تباہ کرنے اور سلطنت مرہٹہ کو مغلوب کرنے کے ذرائع آ گئے اور آخر الذکر مقصد کے حصول کے واسطے پیشوا کے ساتھ مصالحت کرنا ضروری اور لازمی تھا۔ بیشک ان معاہدوں سے بہت سی خرابیاں بھی پیدا ہو گئی ہیں لیکن یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہماری مشرقی سلطنت کی نوعیت ہی ایسی واقع ہوئی ہے کہ ہر معاملے میں مشکلات کا انتخاب کرنا ہوتا ہے بیشک حیدر آباد اور پیشوا کے ملک میں ہماری قوت اور اثر کے قائم ہو جانے سے پنڈاریوں کی تعداد بڑھ گئی ہے کیونکہ ہم نے اپنے اتحادیوں کی سرگرمی کو ان کی سلطنت کے اندرونی انتظامات میں بڑی حد تک زائل کر دیا ہے اور وہ ہمارے دست نگر ہو گئے ہیں ان وجوہ سے جو پریشانیاں لاحق ہوئی ہیں ان کا مقابلہ ایسے خطرات سے کرنا چاہئے جو ہمیں اس صورت میں درپیش ہوتے اگر ہم اپنے مفید مطلب شرائط پر ان کے ساتھ دوستی و اتحاد کرنے سے احتراز کرتے۔ اگر ہم کوئی اور طرز عمل اختیار کرتے تو غالباً سلطان میسور کے ساتھ اس وقت تک جنگ ہو رہی ہوتی اور بفرض محال اگر اس کی قوت کو ہم تباہ بھی کر ڈالتے تو حضور نظام اور پیشوا رشک و حسد کے باعث یا تو ہمارے واسطے نہایت مخدوش ہمسایہ ثابت ہوتے یا وہ اپنی کمزوری کے باعث کسی اولوالعزم بہادر سردار کی حرص و طمع کا شکار ہو جاتے جو ان کے وسائل آمدنی کی مدد سے اپنی فتوحات کو وسعت دینے کی تدبیریں سوچتا۔ جس شخص کو ہندوستانی والیان ملک کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت حاصل ہے وہ اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ اس قسم کے ایک دو واقعات ضرور پیش آتے اور اس صورت میں ہمیں جن خطرات کا سامنا ہوتا ان کے مقابلے میں موجودہ پریشانیوں کی کچھ بھی حقیقت نہیں ہے۔ (۱۳۱)

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اپنے رفیقوں پر وقار اور اثر قائم کر لینا اپنی سلامتی اور امن عامہ کے حصول کا بہترین وسیلہ ہے اور اس انتظام سے جنوبی ہند میں بے شمار فوائد حاصل ہوئے ہیں تو پھر کیا ان نتائج سے انکار کیا جا سکتا ہے جو اس انتظام کی بدولت دوسرے شہروں میں

ظاہر ہوے ہیں۔ کیا اس حقیقت کی روشن مثال بندیلکھنڈ کی حالت نہیں ہے۔ اس علاقے میں بڑی بدامنی۔ طوائف الملوکی تھی اور لوٹ مار کا بازار اسقدر گرم تھا جس کی کوئی مثال سارے ہندوستان میں نہیں مل سکتی ہے لیکن ہماری قوت اور حکمت عملی نے اس علاقے کی اچھی طرح اصلاح کر دی ہے اور اسے اپنا مطیع و فرماں بردار بنا لیا ہے۔ بہت سے چھوٹے رؤسا اپنے علاقہ کے مالک و مختار ہیں اور وہ ہمیں اپنا بادشاہ تسلیم کرتے ہیں اور ان کی فوجی اعانت سے اندرونی امن وامان قائم رکھنے اور بیرونی حملے کی مدافعت میں ہم کو بیحد تقویت پہونچتی ہے۔ ریاست بھرت پور و ماچیری میں اپنے اقتدار کے استعمال کے دوران میں ہم کو ماچیری میں اس وجہ سے قدرے پریشانی کا سامنا کرنا پڑا کہ راجہ ماچیری نے اپنے تعلقات فراموش کر دئے تھے لیکن ہماری فوجی طاقت کے مظاہرے سے اسکی عقل فوراً درست ہو گئی نواب بھراءنچ ۔ احمد بخش مرتضیٰ خاں اور دیگر جاگیردار جو جمنا کے مغرب میں آباد ہیں وہ نہ صرف نہایت امن پسند اور مرفہ الحال ہیں بلکہ انھوں نے ایک ایسی درخشاں مثال پیش کی ہے جس کی ہندوستان کے دیگر مقامات پر اشد ضرورت ہے جن معزز اور مقتدر ہندوستانیوں نے بوقت ضرورت ہماری خیر خواہی کی ہے اور شاندار خدمات انجام دئے ہیں ان خدمات کے صلے میں انھیں جاگیریں عطا کی گئی ہیں تاکہ وہ ان جاگیروں سے خود بھی مستفید ہوں اور ہمیں فوجی امداد بھی دیتے رہیں۔ اسی طرح جمنا اور ستلج کے درمیانی علاقہ کے سکھ سرداروں کو بھی ان کی خیر خواہی اور خدمات کے موافق صلہ دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے علاقے میں جس طرح چاہیں چین کرتے رہیں مگر برطانیہ کی حکومت کو تسلیم کر لیں اور اس کی خدمات بجالاتے رہیں۔

(۱۳۲)

ان حالات کا بغور مطالعہ کرنے سے ہم اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ اگر مارکوئس آف ویلزلی کی حکمت عملی کے عملدرآمد کو اس کی تکمیل سے قبل بند نہ کیا جاتا تو حکومت برطانیہ کی فضیلت کی بدولت اس حکمت عملی کی

اصل غرض یعنی سارے ہندوستان میں امن قائم ہونا ضرور حاصل ہو جاتی جو تجاویز نامکمل رہ گئیں وہ بھی کامیاب ثابت ہونے والی تجاویز کے مانند کارآمد تھیں یہ قرار پایا تھا کہ میسور میں جس طرح بے قاعدہ رسالے اور کنڈاچہ سپاہی نوکر رکھے گئے تھے اسی طرح ہندوستان کے دلیر اور بہادر باشندے فوج میں ملازم کرلئے جائیں۔ راجپوت ریاستوں سے معاہدے کئے گئے تاکہ اس بہادر اور امن پسند قوم کی شجاعت سے ہم مستفید ہوں۔ (۱۳۳)

حضور نظام اور پیشوا کے قدرتی وسائل سے اپنا کام نکالنے کے لئے امکانی کوشش کی گئی۔ سندھیا سے دوستانہ معاہدہ قایم رکھنے کی اس لئے ضرورت تھی کہ اس کی حکومت کے قواعد وقوانین تبدیل کردئے جائیں اور اس راجہ کو نظم غارت گری کی بربادی یا اصلاح کا آلہ بنالیا جائے کیونکہ وہی اس نظم کا خاص معاون و مددگار ہے۔ چونکہ راجہ ناگپور امن پسند اور مستقل مزاج تھا اس لئے اگر اس کے رشک وحسد اور خوف کو ہم رفع کرسکیں تو وہ قیام امن کے لئے نہایت مفید رفیق ثابت ہوگا اس لئے اس کے ساتھ معاہدہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی جسونت راؤ کے ذاتی کیرکٹر سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ کسی ایسے اتحاد میں شریک ہوگا جس کی غرض لوٹ مار اور غارت گری کا استیصال ہو چونکہ وہ خود اس کا زبردست حامی تھا لیکن ہم نے نہ تو اس کے واسطے اور نہ کسی اور سردار کے لئے صلح جوئی کا دروازہ اس لئے بند نہیں کیا کہ شاید اپنے خیالات کی تبدیلی یا لوٹ مار میں ناکامی دیکھکر وہ اس پر آمادہ ہوجائے کہ اپنے علاقہ کی آمدنی پر قانع ہوکر وہ امن چین کے ساتھ زندگی بسر کرے۔

جب ہم ان وسائل پر جو حکومت برطانیہ کو حاصل تھے اور اسکی تلوار اور حکمت عملی کی عدیم النظیر کامیابی پر غور کرتے ہیں یا بالفاظ دیگر اسکی قوت کی تکمیل اور مسلمہ فضیلت کو دیکھتے ہیں تو اس بات کو تسلیم کرینگے

کافی وجوہ نظر آتے ہیں کہ ایسے علاقوں میں امن و سکون قائم کرنے میں اُسے ضرور کامیابی حاصل ہو سکتی تھی جن کو اگر ان کی حالت پر چھوڑ دیا جاتا تو وہاں نہ صرف بدامنی اور لوٹ مار کا بازار گرم رہتا بلکہ وہ علاقے لٹیروں اور قزاقوں کا گہوارہ بن جاتے جو کچھ عرصہ بعد سارے ہندوستان کے امن کے لئے خطرہ کا موجب ہو جاتے۔ اس نظام عمل کے مخالفین کا یہ ارشاد بالکل درست ہے کہ اس انتظام کی اصل غرض حاصل کرنیکے لئے جن تدابیر کی ضرورت ہے وہ ہمیں ان سب پریشانیوں اور مصیبتوں میں مبتلا کر دیں گی جو ہمارے وسیع اور پیچیدہ سیاسی تعلقات سے پیدا ہوں گی لیکن اس کا یہ موزوں جواب دیا جاتا ہے کہ یہ پریشانی ہماری حقیقی حالت کا لازمی اور قدرتی جزو ہے اور یہ بھی اظہر من الشمس ہے کہ اس سے بچنے کی جملہ تدبیریں نہ صرف بے سود ثابت ہوں گی بلکہ اس سے مزید حیرانیاں اور ہندوستان کے عام امن و سکون اور بالآخر انگریزی مقبوضات کی سلامتی اور مرفہ الحالی کے لئے زبردست خطرات پیدا ہو جائیں گے۔ (۱۳۴)

اس بات کو ثابت کرنیکے لئے کہ یہ بداندیشی کس حد تک پیش آئے ۱۸۰۶ء کے بعد کے واقعات کو مختصر طور پر بیان کر دینا کافی ہو گا (جو غیر جانب داری کی پالیسی پر عمل کرنے کا زمانہ ہے)

جو معاہدے کہ ۱۸۰۵ء و ۱۸۰۶ء میں سندھیا و ہلکر کے ساتھ طے ہوئے تھے ان میں گورنر جنرل بہادر نے چند ضمنی دفعات اور بڑھادی تھیں جن میں بلا معاوضہ علاقہ جات یا اور حقوق اس غرض سے عطا کئے گئے تھے کہ اپنے حلیفوں کی حفاظت کرنے کی پریشانی اور مصیبت سے ہمیں نجات ملجائے اور تکلیف دہ علاقوں پر نہ ہمارا قبضہ برقرار رہے اور نہ انکی حفاظت کی ذمہ داری ہم پر قایم رہے۔ صلح ہوتے ہی بے قاعدہ رسالے (جن میں ہمارے جدید مفتوحہ علاقوں کے باشندے شامل تھے) بلا امتیاز تخفیف کر دئے گئے جو یا تو دوران جنگ میں بھرتی کئے گئے تھے یا ہماری ترغیب پر دشمن کے یہاں سے آکر ہماری فوج میں داخل ہو گئے تھے۔

یہ لوگ بے روزگار ہو جانے پر فوراً شمالی ہند چھوڑکر قزاقوں کی جماعت میں شامل جا ہوئے جنکا اجتماع اس وقت مالوہ میں تھا۔ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ جن سرداروں نے دوران جنگ میں ہمیں مدد دی تھی انھیں جاگیرات دیکر بسا دیا گیا تھا۔ راجہ بھرت پور و ماچری اور ان سرداروں کو اس بات پر راضی کرنا نہایت دشوار تھا کہ ہماری حفاظت میں رہ کے اپنے حق سے دست بردار ہو جائیں اور اگر وہ اس تجویز کو قبول کرلیں تو انھیں مزید جاگیرات عطا کی جائیں گی۔ لارڈ لیک کے اصرار اور ان سرداروں کی ضدگی وجہ سے کہ وہ حکومت برطانیہ کی حفاظت میں رہ کے اپنے حق سے دست بردار ہونے کے لئے آمادہ نہیں ہیں مذکورۂ بالا تجویز کے اس حصے پر عملدرآمد نہ ہو سکا۔ اور اس کے نتیجہ نے پورے طور پر یہ ثابت کردکھایا ہے کہ ہمارے حق میں اس سے زیادہ سود مند کوئی اور واقعہ ابتک ظہور میں نہیں آیا ہے۔ (۱۳۸)

اس غیر جانب دارانہ مسلک کے بموجب راجہ جے پور و راجہ بوندی اور دریائے جمنا و ستلج کے درمیانی علاقہ کے سکھ سردار جنھوں نے لڑائی کے دوران میں ہماری فوج کے دوش بدوش کام کیا تھا ہماری حفاظت سے محروم کردئے گئے۔ مصالحت ہو جانے کے بعد ہم نے دولت راؤ سندھیا کے معاملات میں مداخلت کرنے سے کامل طور پر اس لئے گریز کیا کہ شاید اس راجہ سے ہمارا کوئی جھگڑا ہو جائے۔ ہلکر سے کسی قسم کی مراسلت نہیں ہوئی اور راجہ ناگپور سے دوستانہ معاہدہ طے کرنیکی کوشش ترک کردی گئی۔ الغرض یہ ارادہ کرلیا گیا تھا کہ ان ریاستوں کے علاوہ جن کی حفاظت کے ہم معاہدات کی رو سے ذمہ دار ہیں آیندہ سے دیگر ریاستوں یا سرداروں کی ترقی یا تنزل سے حکومت برطانیہ کو کچھ سروکار نہ ہوگا اور یہ امید کی گئی تھی کہ جن ریاستوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں وہ آپس کی لڑائی جھگڑوں میں مبتلا رہیں گی اور اس کی وجہ سے ہمارے اور ہمارے حلیفوں کے ملک کے امن و سکون میں اور بھی

اضافہ ہو جائے گا۔

لیکن دو سال بھی نہ گذرنے پائے تھے کہ رنجیت سنگھ راجہ لاہور کو اس طرح ہمارے پیچھے ہٹنے سے جرأت و ہوس پیدا ہوئی اور اس نے ستلج کے جنوبی علاقے میں سکھ سرداروں پر زیادتیاں شروع کر دیں۔ جس زمانہ کا میں تذکرہ کر رہا ہوں اس وقت اس کے طرز عمل سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مخاصمانہ منصوبے کر رہا ہے لیکن لارڈ منٹو نے ایک ہی نظر میں اس خطرہ اور اس کے علاج کو معلوم کر لیا۔ چنانچہ اس نے دریائے ستلج کے بائیں کنارے پر لودھیانہ کی طرف ایک فوج بھیجدی اور اس دریا کے جنوبی علاقہ کے سکھ سرداروں کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی اور رنجیت سنگھ کو متنبہ کر دیا کہ دریا کو عبور نہ کیا جائے چنانچہ اس کارروائی سے رنجیت سنگھ کی عقل درست ہو گئی اور اسے اپنی حالت کا صحیح اندازہ ہو گیا اگر کچھ اور تحمل سے کام لیا جاتا تو رنجیت سنگھ لڑائی پر آمادہ ہو جاتا جس سے وہ برباد ہو جاتا اور اس کا ملک فتح کر لیا جاتا لیکن اس کے برعکس برتاؤ نے اسے امن پسند ہمسایہ بنا دیا۔ یہ واقعہ نہایت اہم ہے کیونکہ غیر جانب داری کے مسلک پر عمل کرنے سے وہی نتیجہ (توسیع عملداری) برآمد ہوا جس سے احتراز کرنا مقصود تھا۔

(۱۴۹)

حکومت ہلکر کی پریشان حالت نے ۱۸۰۶ء میں محمد خاں بنگش کو اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے پر آمادہ کر دیا۔ ہلکر کے علاقہ خاندیش پر متعین کرنے پر اس نے وہاں کا خزانہ لوٹ لیا اور پھر ہمارے حلیف حضور نظام اور پیشوا کے علاقوں میں بھی لوٹ مار شروع کر دی اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ ہلکر کے دشمن کی سرکوبی کے لئے ہماری فوج کی خدمات کی ضرورت لاحق ہو گئی میجر جنرل سر جان ڈونکن نے جن کے سپرد یہ خدمت ہوئی تھی اپنی مستعدی اور سرگرمی سے کام لیکر بنگش کو گرفتار کر لیا اور اسکی جماعت کو شکست دیکر جنگ کو طول نہ پکڑنے دیا۔ اس واقعہ نے

ظاہر کر دیا کہ اس کا انجام ہمارے حق میں کیا ہونے والا ہے اور ثابت کر دکھایا کہ ہمارے لئے جو شاہراہ عمل مقرر کی گئی ہے اس پر گامزن ہونا ناممکن ہے اور اگلے سال اس کا پورے طور پر ثبوت مل گیا جبکہ امیر خاں نے جسے ہلکر کے یہاں بہت زیادہ فوجی طاقت حاصل ہو گئی تھی اپنے دوست پنڈاریوں سے مل کر ۳۰ ہزار آدمیوں سے راجہ ناگپور کے علاقہ پر دھاوا کر دیا۔ اس کی فتوحات اور پیش قدمی کے متعلق لارڈ منٹو گورنر جنرل نے اپنی یہ رائے قایم کی کہ یہ شخص اسلامی سلطنت قایم کرنا چاہتا ہے اور اس سے جو تبدیلیاں رونما ہوں گی وہ ہمارے ان حقوق کے مخالف واقع ہوں گی جو ہمیں دکن میں حاصل ہو گئے ہیں۔ ان خیالات اور راجہ ناگپور کو بچانے کی خواہش نے جسکے ساتھ معاونتی معاہدہ کے واسطے گفت و شنید ہو رہی تھی گورنر جنرل کو دریائے نربدا پر فوجیں مجتمع کرنے پر آمادہ کر دیا اور ان فوجوں نے سرونج پہونچکر امیر خاں کو شمال کی طرف واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔ لارڈ منٹو کی یہ رائے تھی کہ امیر خاں کا استیصال کرنے کے لئے جنگ کو ابھی اور طوالت دیجائے (۱۸۰۷) وہ اپنی سرحد کے استحکام کی ضرورت کو بھی محسوس کرتے تھے۔ اور مالوہ میں لٹیروں اور قزاقوں کا جو زور ہر سال بڑھتا جاتا تھا ان کے انسداد کے لئے کافی وسائل ہونے کی ضرورت کا بھی انھیں احساس تھا لیکن انھوں نے خود اپنے قول کے مطابق اپنی ان اہم تجاویز پر عمل کرنے سے

لے لارڈ منٹو نے حضور نظام و پیشوا اور راجہ ناگپور کے یہاں اپنی معاونتی فوجوں کی تعیناتی کے مقامات پر بحث کرنے کے بعد اپنی یادداشت مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۸۰۹ء میں یہ تحریر فرمایا ہے کہ "ان تینوں فوجوں کو اس طرح تعینات کرنا چاہئے کہ وہ فوجیں نہ صرف مشرق یا مغرب یا مرکز میں بہت جلد آکر مل جائیں بلکہ وہ ایک طرف تو بمبئی اور گجرات اور دوسری طرف بندیلکھنڈ پہونچ سکیں۔

اس لئے احتراز کیا کہ ایسی عظیم الشان جنگ سے نہایت پیچیدہ فوجی اور سیاسی انتظامات کرنے ہوں گے لڑائی کے متعلقہ امور کی بابتہ جن کا دوسروں کے مفاد پر بے شمار اثر پڑے گا تدابیر کے دائرہ عمل اور مقامات جنگ کا تعین کرنا ناممکن ہو گا۔ لڑائی میں زر کثیر صرف ہو گا اور آجکل یورپ کے حالات بھی دگرگوں ہو رہے ہیں اس لئے حضور ممدوح نے صرف راجہ ناگپور کی حفاظت کرنے پر اکتفا کیا اور اپنے ان ہی خیالات کی بنا پر لارڈ موصوف نے اپنی اس فوج[1] کو فرمانروائے دکن کی ریاست میں جانے کا حکم دیا جو مالوہ میں داخل ہو گئی تھی۔ اور کمان افسر کو یہ ہدا کی گئی کہ امیر خاں کی جاگیر سرونج اس شرط پہ ہلکر کے ایک افسر کو عطا کردی جائے کہ یہ جاگیر کبھی امیر خاں کو واپس نہیں دی جائے گی۔ لیکن اسکے ساتھ ہی گورنر جنرل بہادر کا خیال تھا کہ یہ شرط بیکار ثابت ہو گی کیونکہ اگرچہ امیر خاں کا کوئی سروکار ہلکر کی حکومت سے نہ تھا اور حکومت ہلکر نے امیر خاں کی حرکات سے بے تعلقی ظاہر کر کے اس بات کی تائید بھی کردی تھی تاہم امیر خاں ہلکر کے کمزور اور پریشاں حال دربار پر بہت جلد اپنا سکہ دوبارہ بٹھالیگا۔ ہلکر کے وزراء نے باوجود وعدہ کر لینے کے اپنا کوئی افسر علاقہ سرونج کو اپنی تفویض میں لینے کے واسطے نہیں بھیجا اس مجبوری سے سرونج وہاں کے ایک ملکھیا یا بالفاظ دیگر امیر خاں کے ایک افسر کو دیدیا گیا۔ یہ نتیجہ نکلا اس فوج کشی کا جس میں ایک فوج ہندوستان کے قابل ترین افسر[2] کی ماتحتی میں مسلسل بارہ ماہ تک مصروف

[1] اس فوج میں ۱۷ ہزار باقاعدہ سپاہ۔ ایک اعلیٰ درجہ کا توپ خانہ اور ہمارے رفیق حضور نظام و پیشوا کے بے قاعدہ رسالے تھے۔ اس تخمینہ میں بندیلکھنڈ کی زبردست فوج شامل نہیں ہے جو کرنل مارٹنڈیل کی ماتحتی میں اشتراک عمل کے لئے آئی تھی۔

[2] میجر جنرل سر پیری کلوز بیرسٹر مرحوم

رہی تھی۔ غالباً ہماری فوج کی کارگزاری سے راجہ ناگپور کا ملک لوٹ کھسوٹ سے محفوظ ہوگیا اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امیر خاں برائے چندے اپنے ذاتی عروج و ترقی سے باز رہا۔ اور اس طرح ایک شخص کے حریصانہ خیالات کی روک تھام ہوگئی۔ لیکن آئندہ سال کے واقعات نے ثابت کر دکھایا کہ ہماری فوج کے اس مظاہرے سے (کیونکہ اس سے زیادہ کچھ اور نہ تھا) غارت گری کی تنظیم کو قطعی زک نہیں پہونچی جس کے استیصال کے لئے ہماری فوج کے استعمال کی ضرورت لاحق ہوئی تھی اور جواب ہمارے لئے حقیقی خطرہ کا موجب ہے۔

۱۸۱۱ و ۱۸۱۲ و ۱۸۱۳ء میں پنڈاریوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگئی اور انھوں نے نہ صرف ہمارے حلیف حضور نظام و پیشوا کے علاقوں میں لوٹ مار کی بلکہ بندیلکھنڈ سے گزرنے اور مرزاپور کے دیہات کو تباہ و برباد کرنے کی جسارت کی اور بہار کے زرخیز صوبہ کو اپنی تلوار اور بندوق سے ڈرایا اور دھمکایا۔ ان لٹیروں کی جسارت نے بنگال اور مالوہ میں ہماری فوجی اخراجات میں بہت بیشی کر دی اور ۱۸۱۴ء میں جبکہ بنگال کی فوج کا بڑا حصہ نیپال گیا ہوا تھا۔ مالوہ کے غارت گر حکمراں جنمیں سندھیا سے لیکر ادنے سردار تک شامل تھے اور جن کا ذریعۂ معاش صرف لوٹ مار اور ڈاکہ زنی تھا اسقدر مخدوش اور خطرناک ہوگئے تھے کہ اس وقت نہ صرف دکن کی معاونتی فوج میں اضافہ کیا گیا بلکہ فورٹ سینٹ جارج کی کل فوج کو دریائے تنگا بھدرا کے کنارے پر طلب کر لیا گیا۔ (۱۴۹)

اپنے عارضی تحفظ کے لئے اس کارروائی کی اشد ضرورت تھی اس لئے حفظ ماتقدم کی بنا پر اس کارروائی میں اسقدر زیادہ روپیہ صرف ہوگیا جسقدر کہ کسی بڑی لڑائی میں ہوا کرتا ہے۔ لیکن ہماری کثیر التعداد فوجیں اور ہماری سرحدی افواج پنڈاریوں کو ہمارے رفیقوں کے ملک میں لوٹ مار کرنے سے باز نہ رکھ سکیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا ہماری قابل فخر

فوجی قوت اور ہماری زبردست مدافعانہ تیاریوں کا مضحکہ اڑانے کی غرض سے ان لٹیروں کی ایک جماعت ہماری میمنہ افواج کے سامنے سے گزر گئی اور اس نے حضور نظام کی عملداری سے بہت تیزی کے ساتھ قطع منازل کرکے غیر محفوظ صوبۂ گنٹور پر دھاوا بول دیا۔ ہمارے اس علاقے کی شکست نے جو اثرات پیدا کئے ہیں ان کے بیان کرنے میں مبالغہ سے کام نہ لوں گا ہماری رعایا کو عرصۂ دراز سے ہماری قوت پر یہ بھروسہ تھا کہ ہم انھیں ہر ایک حملے سے بچا سکتے ہیں چونکہ ہمسایہ ملکوں کی رعایا لوٹ مار کی مصیبتوں میں مبتلا رہتی تھی اور ہماری رعایا دیکھتی تھی کہ وہ اس مصیبت سے محفوظ ہے اس لئے علاوہ دیگر وجوہ کے اس خاص سبب سے وہ ہماری حکومت کو زیادہ پسند کرتی تھی۔ ہماری عملداری میں رعایا کو جو امن چین حاصل تھا اسے مدنظر رکھکر وہ عادات واطوار۔ زبان اور مذہب کے جملہ اختلافات کو فراموش کر دیتی تھی یا کم از کم ان اختلافات کو اس نے قابل نفرت تصور کرنا ترک کر دیا تھا کمپنی کے علاقۂ جنوبی ہند کو گذشتہ چالیس سال میں ایسی خوفناک مصیبت کبھی پیش نہیں آئی حیدر علی کا کرناٹک فتح کر لینا ایک قصۂ پارینہ تھا جس کو بوڑھے لوگ غیر معتقد سامعین کے روبرو بیان کیا کرتے تھے لیکن پنڈاریوں کے دہشت ناک مظالم حیدر علی کے جور و ظلم سے کہیں زیادہ بڑھ گئے ہیں۔ ان مظالم کا دائرہ عمل اگرچہ نہایت مختصر اور محدود تھا لیکن ان کا اثر دور دراز کے صوبوں تک جا پہونچا حتیٰ کہ ان لٹیروں کی ایک جماعت ۱۸۱۶ء میں گنجام میں لوٹ پڑی۔ پوری معلومات حاصل کرنیکے بعد میں کہتا ہوں کہ جنوبی ہند میں ان واقعات کے پیش آنے کا یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ ہماری رعایا میں سے جو حضرات کہ ہماری قوت کی فضیلت اور استحکام کے دل سے معتقد تھے وہ ڈگمگا گئے۔ اور لوگوں کے خیالات کی اس تبدیلی پر بدظن اور سرکش بغلیں بجانے لگے اور یہ امید کرنے لگے کہ اب وہ زمانہ آیا چاہتا

ہے کہ انگریزی حکومت کا مقابلہ کرنے کی دیرینہ آرزو پوری ہو گی کمپنی کی حکومت کو ان لوگوں کے ہاتھوں جو نقصانات اور ذلتیں برداشت کرنی پڑیں اور ان کے انتقام لینے میں جو تاخیر کی گئی اس سے یہ مطلب نکالا گیا کہ ہم میں اس خطرہ کے مقابلے کی طاقت نہیں رہی ہے۔ اس خرابی کو دور کرنے کے لئے ایسے زمانہ میں اگر مدافعانہ تدبیر بنائی جائے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ ہماری سلطنت کی نوعیت اور جس بنیاد پر کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت قائم ہوئی اس سے ہمیں قطعی لاعلمی ہے۔ اس مسلک کی تنگ خیالی کے علاوہ عارضی مصارف کی بچت کے معاملے میں بھی مایوسی حاصل ہو گی۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں اپنی مدافعت کے راستوں اور سرحدی چوکیوں پر رسالے تعینات کرنے ہوں گے اور بغاوت رفع کرنا ہوگی ان کے مصارف اور ہمارے تخت تاراج صوبوں کی آمدنی کی کمی جنگ سے کہیں زیادہ بڑھ جائے گی اور کیا ہم اپنے کیرکٹر کا زوال برداشت کر سکتے ہیں اور اسکے ساتھ ان جملہ امور کو ترک کر سکتے ہیں جو ہماری موجودہ فضیلت میں مدد دیتے ہیں اور کیا ہم اسے محض روپیہ پیسہ کا معاملہ بنا سکتے ہیں اگر ہماری تدابیر خرابی کی جڑ نہ دور کر سکیں تو جس کے رفع کرنے کے لئے حکومت برطانیہ کو اپنی ساری کوششیں صرف کر دینے کی ضرورت ہے تو ہم اس صورت میں بھی گھاٹے ہی میں رہیں گے۔

اپنی تجاویز پر عملدرآمد کرنے کے طریقے اور اپنی کارروائی کے بنیادی اصولوں کے متعلق اپنی رائے پیش کرنے سے قبل اپنی اور اپنے رفیقوں کی قوت اور ان فرماں رواؤں اور سرداروں کے رویہ اور حقیقی حالت کے متعلق چند الفاظ بیان کر دینا کارآمد ہوگا جو ہماری ہر ایک کارروائی کے عملدرآمد سے ہمارے دوست یا دشمن بن جائیں گے (۱۴۱)

برطانوی حکومت کی ہندوستان میں اس وقت جو حالت ہے وہ ہر لحاظ سے زبردست کوشش کرنے کے لئے نہایت مناسب ہے

جنگ نیپال میں ہماری کامیابی اور ہاتھ رس کی فتح مندی نے ہماری نیک نامی کو بہت کچھ بڑھا دیا ہے اور ان کی بدولت بنگال کی فوج میں اس قدر شجاعت اور ضابطہ کی پابندی آگئی ہے کہ اب وہ میدان کارزار کے لئے جیسی لیس و تیار ہے ایسی اس سے قبل کبھی بھی نہ ہوئی تھی۔ مقامی فوجوں کی بھرتی سے ہمارے پاس ایک زبردست فوج تیار ہو گئی جس میں اگر یوروپین افسروں کے تحت ۶ ہزار بے قاعدہ سوار و نکو بھی شامل کر لیا جائے تو ہمارے پاس اس قدر فوج ہو گئی ہے کہ کسی جنگ کے پیش آنے پر ہم اپنی فوج فوراً میدان کارزار میں لا سکتے ہیں اور بنگال میں ہمارے رسالے ایسے مقامات پر متعین ہیں کہ جہاں کہیں بھی ضرورت لاحق ہو وہ بہت تھوڑے عرصہ میں فوراً مجتمع ہو سکتے ہیں اور ریاست ناگپور سے معاونتی معاہدہ ہو جانے کا نتیجہ علاوہ سیاسی اہمیت کے یہ برآمد ہوا ہے کہ نربدا کے کناروں پر ہماری فوج کو ایسی جگہ مل گئی ہے کہ اس کا بندیلکھنڈ اور برار سے سلسلہ مل گیا ہے اور اسکی بدولت اُس علاقے میں ہمیں بیحد فوجی طاقت حاصل ہو گئی ہے۔

فورٹ سنیٹ جارج اور بمبئی کی فوجیں نہایت اچھی حالت میں ہیں اور اگر حضور نظام۔ پیشوا اور گائیکوار کے یہاں کی اُن افواج کو بھی شامل کر لیا جائے جو حال ہی میں بمقام تنگابھدرا مجتمع ہوئی تھیں تو ان مقامات میں ہمارے رسالوں کی تعداد تینتیس ۳۳ ہزار تک جا پہنچتی ہے جو کئی سال سے نہایت عمدہ حالت میں ہے۔ اس فوج کا بڑا حصہ ایسی اچھی حالت میں ہے کہ موسم شروع ہونے پر وہ جارحانہ کارروائی کر سکتا ہے سرکاری قرضہ۔ خزانہ اور آمدنی کی حالت نہایت حوصلہ افزا ہے اور اگر کوئی جنگ درپیش ہو تو ہمیں کسی طرح کی مالی مشکلات کا سامنا نہ ہوگا۔

حضور نظام کی ریاست کی حالت کچھ اچھی نہیں ہے وہاں کی خصوصیات اور حالات نے ہمیں اندرونی نظم و نسق میں دست اندازی کرنے پر مجبور کر دیا ہے (جس کا انتظام ایک ہندو وزیر کے سپرد ہے اور

ہم اُسے مدد دیتے ہیں) اور ہماری دست اندازی سے حضور نظام اُنکے عمائدین اور حکام کی پریشانیوں میں اضافہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس کا یہ اثر ہوا ہے کہ ملک مفلوک الحال ہوتا جاتا ہے اور وہاں کی حکومت کی عملی قوتیں اگر بالکل برباد نہیں ہو رہیں تو کم از کم ضعیف تو ضرور ہو رہی ہیں۔ جب کوئی معاہدہ کسی ملک کی سیاسی آزادی کو سلب کرنے کیلئے کیا جائے تو اس کا یہی نتیجہ برآمد ہونا چاہئیے اور گویا یہ ایک طرح کی نصفت فتح مندی ہے لیکن اس معاملہ میں خاص قسم کے حالات نے معمول سے زیادہ اثرات مرتب کئے ہیں اور اگرچہ صوبہ دکن میں فوج متعین کر دینے سے فوری خطرہ کا اندیشہ نہیں رہا ہے لیکن ایک نازک موقع پیش آنیوالا ہے جب میں یا تو ہم اس ریاست پر اور زیادہ اپنا اثر قایم کر لیں یا پھر اسمیں از سر نو عملی قوت پیدا کر کے اُسے حکومت کرنے کے لایق بنا دیں۔

آخرالذکر صورت اختیار کرنے میں ہمارا زیادہ نفع ہے لیکن ہمیں یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس ریاست کے اطراف میں تا وقتیکہ ہم لٹیروں کو مغلوب نہ کر لیں اس کی حالت ہر لحظہ ابتر ہوتی جائے گی اور ہم کوئی اصلاح نہ کر سکیں گے۔ قزاق دس برس سے حضور نظام کی ریاست میں ہر سال لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں اور ہم سے اس کا کچھ انسداد نہ ہو سکا اور اس کی بدولت وہاں کی رعایا کے امن پسند طبقے کی نظر میں ہماری وقعت نہیں رہی ہے حالانکہ جب ہم نے معاہدہ کیا تھا اُس وقت وہ طبقہ کچھ ہمارے اتحاد کے موافق تھا اور ان لوگوں کی توقع تھی کہ اس کی بدولت وہ بیرونی حملوں سے محفوظ رہ سکیں گے۔ لیکن اب اس کا یہ نتیجہ ہوا ہے کہ جملہ بدظن لوگوں کی امیدوں میں از سر نو جان پڑ گئی ہے جن میں ریاست کی کل مسلمان رعایا شامل ہے یہ لوگ سب کے سب فوجی ہیں اور ریاست میں ہمارے رسوخ کی ترقی سے رفتہ رفتہ ملازمت سے خارج ہو گئے ہیں لیکن ہماری خوش قسمتی سے وہ بے اصول اور پراگندہ ہیں۔ عمائدین کسی ایسے فرماں روا سے وفاداری نہیں کر سکتے ہیں جو ان کی

۱۴۳

جاگیرات سے متمتع ہونے کی غرض سے اُن کی تباہی کا خواہاں ہو کر اپنے کو خود برباد کرلے۔ چنانچہ عمائدین نے مجبوراً اپنے معاونین اور فوجوں کو برخاست کر دیا۔ یہ برخاست شدہ فوجیں باہم سے متنفر ہونے کے باعث متحد ہو سکتی ہیں لیکن ان کے عمل میں اصولی اتفاق کی ضرورت ہے اور تقریباً وہ سب متحد ہونے کے قابل نہیں ہیں لیکن ان کی طبیعت اور حالت ملک کے اندرونی امن کے لئے نہایت اندیشہ ناک ہے۔

اور ان میں سے اکثر لوگ پنڈاری لیٹروں میں شامل ہو گئے ہیں اور لوٹ مار میں انھیں مدد دیتے ہیں اور یقین ہے کہ اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ اگر ہم ان لٹیروں کا استیصال یا انسداد نہ کریں گے تو ان کی شامل کی وباد کن میں ضرور پھیل جائے گی جہاں پر ہر ایک برخاست شدہ سپاہی ایک تلوار اور ایک گھوڑا لیکر ہمارے مقابلے کے لئے کمربستہ ہو جائیگا انسدادی تدابیر شروع کر دی گئی ہیں اور ریاست کے وزیر نے ہمارے مشورہ پر کئی باقاعدہ پیدل کی پلٹن اور بے قاعدہ سواروں کے رسالے تیار کرلئے ہیں۔ یہ فوجیں یورپین افسران کے زیر کمان ہیں اور امید ہے کہ وہ کارآمد بن جائیں گی اور ہمیں اس کا بھی یقین کامل ہے کہ بہادر اقوام کو فوج میں ملازمت دینے سے وہ عام مایوسی دور ہو جائے گی جو ہمارے نظام عمل کے یکایک جاری ہونے سے پیدا ہو گئی ہے۔

ہمیں یہ توقع کرنے کا حق حاصل تھا کہ پونا میں جس معاہدہ کی بدولت پیشوا کو گدی نشین کر دیا گیا اور برقرار رکھا گیا ہے اس سے ہمیں معقول فائدہ حاصل ہوگا۔ لیکن اپنی قوم کے دیگر افراد کی طرح پیشوا بھی نہایت ضدی اور اوندھی خصلت کا نکلا اور اس نے اپنے طرز عمل میں نہایت کجروی اختیار کی اس لئے ابتدا ہی سے ہمیں اس کی طرف سے پریشانی لاحق ہونے کا اندیشہ پیدا ہو گیا۔ اس کی دلجوئی کے لئے ہر طرح پر کوشش کی گئی ہم نے اس کی رعایا کو مجبور کیا کہ اپنے راجہ کی اطاعت کرے اور اسی کے باجگزار

(۱۴۴)

سرداروں کو ترغیب دی کہ مالگذاری ادا کریں اور دیگر ریاستوں پر اُس کے حقوق برقرار رکھنے کی خاطر ہماری حکومت نے دست اندازی کی اور اس کے اندرونی انتظامات میں مداخلت کرنے سے حتی الامکان چشم پوشی کی اب سے تین سال پیشتر تک حالت ٹھیک رہی لیکن جب ٹرمبک جی جو بدچلن وعیار شخص اور ایک ادنیٰ نوکر تھا ریاست کا وزیراعظم بنا دیا گیا تو پیشوا کے خیالات کی طرف سے شبہات و شکوک پیدا ہونے لگے۔ اور ۱۸۱۵ء میں مہاراجہ گائیکوار کے وزیراعظم گنگا دھر شاستری کے قتل پر جو اپنے آقا اور پیشوا کے مابین کچھ حساب کتاب طے کرنے پونا آیا تھا انگریزی رزیڈنٹ نے اس ظالمانہ قتل کے مجرم ٹرمبک جی کی حوالگی کا مطالبہ کیا لیکن جس لیت و لعل کے بعد اُسے کمپنی کے حوالہ کیا گیا اس سے اس شبہ کی تصدیق ہوگئی کہ پیشوا کے جرم کا آلۂ کار یہی شخص ہے اور اس شخص کے تھانہ سے فرار ہو جانے پر معلوم ہوگیا کہ پیشوا نے نہ صرف اسکی گرفتاری کے لئے کچھ کوشش نہیں کی بلکہ اس بغاوت کو امداد پہونچائی جو ٹرمبک جی نے اس کی ریاست میں برپا کردی تھی تاکہ انگریز مرعوب ہوکر اس کے رفیق کو معافی دیدیں لیکن ہمارے رزیڈنٹ[۵۲] کے استقلال اور پختہ کاری کے باعث پیشوا کو اپنی تجاویز میں ناکامی حاصل ہوئی ہے اور نہایت عالی حوصلہ اور ناطق قسم کی مسلسل تدابیر نے پیشوا کو مطیع و فرماں بردار رہنے پر مجبور کردیا۔ اس نازک موقع پر اُس کے ساتھ ایک معاہدہ طے ہوا ہے جس سے ہمیں بہت سی سہولتیں حاصل ہوگئی ہیں اور ان کا نہایت اچھا اخلاقی اثر ہوا ہے۔ اس دوران میں وہ پنڈاریوں سے مدد حاصل کرنیکا متوقع رہا۔ ہمارے رزیڈنٹ[۵۳] متعینۂ ریاست سندھیا نے ابتدا ہی میں

---

[۵۱] بمبئی سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر جزیرۂ سالسٹ میں ایک چھوٹا سا قلعہ ہے۔

[۵۲] آنریبل اسٹوارٹ الفنسٹن

[۵۳] مراسلہ منجانب کپتان کلوز بنام مسٹر ایڈمس مورخہ ۲۳ نومبر ۱۸۱۶ء

پنڈاری لٹیروں اور ٹرمبک جی کے مابین خط وکتابت ہونے کی اطلاع دی تھی اور اس کے بعد بیان کیا تھا کہ ان لٹیروں کے سرداروں نے پیشوا کی ریاست کو ہاتھ نہ لگانے کے احکام نافذ کر دیے ہیں حقیقت الامر یہ ہے کہ ہندوستان کی موجودہ حالت میں جو دالئی ملک یا سردار انگریزوں سے دلی عداوت رکھتا ہے وہ فطرتاً ایسے لوگوں کو اپنا دوست بنانے کا خواہاں ہو جاتا ہے جو اپنے کو علی الاعلان انگریزوں کا دشمن کہتے ہیں یہ حالت نہایت مخدوش ہے کیونکہ کوئی سلطنت یہ اندازہ نہیں کر سکتی ہے کہ وہ ہر موقع پر ایسی دانشمندانہ کارروائی کرکے اپنے کو مصیبت سے بچالے گی جیسی کہ پونا میں کی گئی ہے۔ (۱۳۵)

دربار پونا ہرگز جنگ جو نہیں ہے اور موجودہ فرماں روا کو نزاعی گدی حاصل کرنے میں جو امداد دی گئی غالباً وہ اس کی قدر کرے گا کیونکہ جو قوت اس نے حاصل کی ہے اس کے تحفظ کا انحصار ہماری مدد پر ہے لیکن یہ ایسی ریاست ہے جس میں سازشوں کا بازار گرم ہے اور یہ ریاست کسی فوجی طاقت سے نہیں بلکہ محض اپنی حکمت عملیوں کی بدولت عرصۂ دراز سے قایم و برقرار ہے۔ ریاست کی یہ کیفیت اور وہاں کے عمائدین کی مخالف جماعتوں کے باہمی جھگڑے ہمارے معاہدے کی راہ میں متواتر بڑی مشکلات حائل کریں گے لیکن کسی خاص خطرے کا اندیشہ نہیں ہے اور اگر بدترین صورت کا بھی ہم اس حالت سے موازنہ کرکے دیکھیں جو معاہدہ طے ہونیکی صورت میں ہوتی تو بھی ہم کو اس دوستی میں فائدہ ہی نظر آئے گا۔ جس جنگ کا ہمیں خدشہ ہے اس میں اگر بھونسلا ہمارا مخالف یا غیر جانب دار ہوتا تو اس جنگ میں ہماری کل فوج زیادہ سے زیادہ اسی قدر کارگزاری کر دکھاتی کہ جو کچھ اب ہمارے قبضے میں ہے وہ ہمیں مل جاتا یعنی جنگی کارروائیوں اور سامان رسد حاصل کرنے کے لئے ریاست ناگپور ہمارے تصرف میں ہوتی اور یہ بات بھی ہمیں جبراً اور بدقت تمام میسر آتی اور اس

(۱۴۶)

صورت میں ہمارے لئے بجز اس کے اور چارۂ کار ہی کیا ہوتا کہ ہم اسکی ریاست پر قبضہ کر لیتے۔ جو شخص ریاست ناگپور کے علاقوں کی مقامی حالت اور پنڈاریوں کے مسکن و مقبوضات کے باہمی تعلقات سے واقف ہے اور جو پنڈاریوں پر ہمارے ہر ایک حملے میں بندیلکھنڈ اور دکن سے فوجوں کی آمد و رفت جاری رکھنے کی ضرورت سے آگاہ ہے اُسے یہ بات مان لینی ہوگی کہ اس نتیجہ سے بچنا کسی طرح ممکن ہی نہیں ہے ریاست ساگر و بھوپال چونکہ ناگپور کے متعلق ہیں اس لئے وہ نہایت اہم ہو گئی ہیں وہ ریاست ناگپور کی شمالی و مشرقی سرحد پر محیط ہیں اور نربدا کے داہنے کنارے پر چھوٹے چھوٹے والیان ریاست کا علاقہ ہے اس لئے برار کی پوری حفاظت اور اس مشترکہ سڑک کی نگرانی کے لئے ان رؤسا سے بھی دوستی پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس سے گذر کر لٹیرے بندیلکھنڈ۔ بنگال یا شمالی سرکار پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ والئے ساگر برائے بیت بیشوا کا ماتحت ہے اور اگر ہم خواہش کریں تو وہ نیز فرماں روائے بھوپال ہم سے معاہدہ کرنے پر تیار ہے جس کی رو سے اُس کی ریاست انکے قبضہ میں رہے اور اسے لٹیروں کے حملوں سے نجات مل سکے جو اس کی ریاست کے گرد پھیلے ہوئے ہیں۔ مجلس نظما نے نواب بھوپال سے معاہدہ کرنے کی ممانعت کردی لیکن راجہ ناگپور کے ساتھ معاونتی معاہدہ طے ہو جانے اور پنڈاریوں پر حملے کی ضرورت نے نواب بھوپال کے ساتھ مصالحت کرنے پر ہمیں مجبور کر دیا ہے۔ بھونسلا کی ریاست کی حفاظت کرنے اور پنڈاریوں کو ان کے موجودہ مسکنوں سے نکال باہر کرنیکے واسطے اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ دوستی یا فتح مندی کے ذریعہ سے ہم بھوپال کے موقع اور وسائل سے فائدہ اٹھائیں۔ پہلے تو یہ مسئلہ قیاسی حکمت عملی کا تھا مگر اب شدید

لہ یہ رائے سرجی کلوز کی ہے

ضرورت کا سوال بن گیا ہے اور یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ناگپور کے معاہدے نے اس ملک کی حفاظت میں آسانی پیدا کر دی ہے اور جس مقام کی ہمیں حفاظت کرنا ہے وہ مالوہ میں کوئی حقیر جگہ نہیں ہے بلکہ نربدا کے کنارے پر ہمارے فوجی مقامات سے اس کا سلسلہ ملنے کے باعث یہ نہایت زبردست مقام بن گیا ہے۔

سب راجپوت ریاستوں میں ہمارے لئے ریاست جے پور اپنی مقامی حیثیت کے باعث نہایت اہم ہے اور یہ ریاست ۱۸۰۶ء کی مصالحت کے بعد کئی بار تباہی کے کنارے جا پہونچی ہے اور ہمارے واسطے یہ امر نہایت اندیشہ ناک ہے کہ پٹھان لیٹروں کی حد سے زیادہ خطرناک جماعت کا ایک ایسے ملک پر قبضہ موجود ہے جس سے انھیں شمالی ہند میں ہمارے نہایت زرخیز صوبوں پر حملہ آور ہونے اور وہاں کی شورہ پشت رعایا سے نامہ و پیام کرنے کے بہترین وسائل حاصل ہو سکتے ہیں جو ان کے ہم قوم اور بیشتر رشتہ دار بھی ہیں اس خطرہ کے اندیشہ کو محسوس کر کے حکام بالا نے ہمیں والئے جے پور کے ساتھ مدافعانہ معاہدہ طے کرنیکا اختیار دیدیا اور اگرچہ چند مشکلات کے باعث صلح کی گفت و شنید میں خلل واقع ہو گیا ہے لیکن اس کی بدولت ابھی حال ہی میں ریاست جے پور سے ایک خطرہ رفع ہو چکا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صلح کی گفتگو پھر شروع ہوگی کیونکہ اگر ہم اس ریاست کی مدد نہ کریں گے تو وہ تباہ و برباد ہو جائے گی اور وہاں کے خاص خاص عمائدین اس حقیقت سے اس درجہ باخبر ہیں کہ انھوں نے اپنے فرماں روا سے صاف صاف کہدیا ہے کہ جلد از جلد معاہدہ طے کرنے میں کسی قسم کا قطعی خیال نہ کیا جائے۔

له جے پور کی حالت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ہمیں اطلاع ملی ہے کہ آجکل وہاں کی فوج اپنی ہی ریاست کے اس علاقے میں لوٹ مار کر رہی ہے جو امیر خاں کے قبضہ میں ہے۔

پیش آنے والے خطرہ کے لحاظ سے ہمیں جے پور کے ساتھ بلاتاخیر تعلقات[1] قایم کر لینے چاہئیں۔ سامان رسد اور جنگی کارروائیوں کے لئے اس ریاست کے علاقے ہماری ماتحتی میں رہنے چاہئیں ورنہ ہمارے کمزور مقامات پر حملہ آور ہونے میں ہمارے غنیم کو اس ریاست سے ہر قسم کی امداد ملیگی۔ (۱۴۸)
سنہ ۱۸۰۶ء کی صلح کے بعد سے راجہ جے پور و جودھ پور[2] سندھیا اور ہلکر کی فوجوں کے شکار بن گئے ہیں اور امیر خاں مع اپنی فوج کے راجہ مان سنگھ پر مسلط ہو گیا ہے ان واقعات سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اسکی فوجیں بڑی حد تک مغلوب ہو چکی ہیں اور وہ تہی دست ہو گیا ہے لیکن اگر غارت گر روسا کی حرکات سے تنگ آکر کسی وقت ہم اپنی جنگی کارروائیوں کو صوبہ میواڑ یا مارواڑ یا اس کے نواح تک وسعت دینگے تو مجھے یقین کامل ہے کہ اسی وقت ہم نہایت آسانی سے وہاں کے کاہل مگر بہادر باشندوں کو بیدار کر سکیں گے اور ان میں اب بھی شجاعت کی وہ چنگاریاں موجود ہیں جو شعلہ زن ہو جانے پر ان لٹیروں کے استیصال میں بہت کچھ مدد دے سکتی ہیں جنھوں نے ان ریاستوں پر بڑے بڑے مظالم اور زیادتیاں کی ہیں۔

ظالم سنگھ راجہ کوٹا نے اپنے ذاتی خصائل کی بدولت اپنے فوجی وسائل اور ملکی حدود سے کہیں زیادہ قوت حاصل کر لی ہے۔ وہ نہایت فہیم مستقل مزاج اور دور اندیش ہے وہ اپنی ریاست کا خود انتظام کرتا ہے اور دوسروں کے معاملات میں بھی نہایت دانشمندی کے ساتھ دست اندازی کرتا ہے اپنے تحفظ کی ضرورت کے وقت وہ خراج ادا کرتا ہے[3]

---

[1] راجہ جے پور کیساتھ معاہدہ طے کرنے میں راجہ بوندی کو بھی شریک کر لینا چاہئے۔

[2] والیٔ جودھپور

[3] ظالم سنگھ سندھیا کو خراج دیتا ہے اور اس نے سندھیا اور ہلکر سے کئی ضلعے پٹہ پر لئے ہیں اور ہلکر کو ان اضلاع کا لگان اپنے دوست امیر خاں کی معرفت ادا کرتا ہے جسکا خاندان اسکی پناہ میں ہے اور جس کی امداد پر وہ ہمیشہ بھروسہ کرتا ہے۔

لیکن اس کا طرز عمل اس قسم کا ہے کہ اس کے ساتھ نہایت معتدل برتاؤ کیا جائے۔

اس کی ریاست مصیبت زدہ والیان ریاست اور سرکش رعایا کی جائے پناہ ہے نزاعات کے تصفیہ کے لئے وہ بہت بڑا ثالث مانا جاتا ہے اور سب لوگ اس کا نہایت احترام اور اعتبار کرتے ہیں اور یہ بات ان میں ہے اور کسی کو حاصل نہیں۔ اس کا ملک اگرچہ غداری اور بدامنی کے گرداب میں واقع ہے مگر وہ اپنے گرد و پیش کے اضلاع کی مصیبتوں سے ہمیشہ مستثنیٰ رہتا ہے البتہ گزشتہ چند سال سے پنڈاریوں کی غارت گر جماعتوں نے اس کے ملک کو کچھ نقصانات پہونچائے ہیں اس واقعہ اور اس کے طرز عمل سے یہ امید کی جاتی ہے کہ (جہانتک اس کی سیاسی فرزانگی اجازت دے گی) وہ پنڈاریوں کے استیصال کی تجویز میں ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس کے ملک کی مقامی حیثیت ایسی ہے کہ وہ ہماری اول جنگی کارروائی کے حلقہ کے اندر آجائے گا اس لئے وہ ہمارا دوست بنے گا یا دشمن رہے گا۔ اگر ہم معقول فوج کے ساتھ میدان میں آئیں گے تو اس میں کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ وہ کس کی طرفداری کرے گا۔ ممکن ہے کہ ہمیں بالآخر سخت تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہو اس وقت امن و سکون از سر نو قایم کرنے میں یہ ہر دل عزیز اور قابل فرماں روا ہمارے بہت کام آئے گا۔

جن سرداروں کا ہم تذکرہ کر چکے ہیں ان کے علاوہ اور بہت سے چھوٹے چھوٹے ہندو سردار ہیں جو ۱۸۰۶ء کے بعد سے نہایت زبردست لیٹروں کی اطاعت قبول کر لینے پر مجبور ہوئے ہیں لیکن وہ پورے طور پر مغلوب نہیں ہوئے ہیں اور اب بھی اُن کے پاس اپنی آزادی حاصل کرنے اور اُسے برقرار رکھنے کے کچھ ذرائع موجود ہیں اور اگر آئندہ جنگ میں ہم امن عامہ قایم کرنے کی غرض سے شرکت کریں اور میرے نزدیک حصول کامیابی کی یہی سبیل ہے تو یہ ہندو سردار ہمارے بہترین اور حقیقی

۹۱

دوست بن جائیں گے۔ اور ان کے ساتھ تعلقات قایم ہو جانے سے وہ پریشانیاں بھی لاحق نہ ہوں گی جو بڑی بڑی ریاستوں سے دوستی کرنے میں پیدا ہو جاتی ہیں چونکہ وہ ماتحت رہنے کے عادی ہیں اس لئے ایک زبردست سلطنت کی ماتحتی پر وہ فخر کریں گے اور اگرچہ وہ اپنی املاک کو تجارت اور زراعت سے ترقی دینے کے خوگر ہیں مگر وہ اپنے یہاں مسلح سپاہی رکھتے ہیں جو لٹیروں میں سے بھرتی کئے جاتے ہیں اور اگر وہ اپنا فائدہ دیکھتے ہیں تو قیام امن میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کرتے ہیں اور اپنی حکمت عملی کے اقتضاء سے جب کبھی ہم ان سرداروں سے کچھ خراج یا مسلح آدمی ہر سال پیش کرنا طے کرلیں گے تو وہ ہمیشہ ہم کو ملتے رہیں گے مجھے اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اس بات کا پورا اطمینان ہے کہ پچھلے موقعوں پر ہم نے خراج یا مسلح سپاہی طلب نہیں کئے لیکن ہمارے اس فیاضانہ سلوک کے معنی غلط سمجھے گئے اور اعتماد کی بجائے شبہات پیدا ہونے لگے۔ چونکہ انھیں باہمی حقوق کے استحکام کی کوئی مستقل لڑی نظر نہ آئی اس لئے بے لوث حفاظت کے قایم رہنے پر ان کے دل میں شبہات پیدا ہو گئے۔ (۱۵۰)

اب میں غارت گر فرماں رواؤں کے رویّے اور حالت کے متعلق یا بالفاظ دیگر ان والیان ریاست اور سرداروں کی بابتہ مختصر طور پر اپنی رائے بیان کرتا ہوں جنکا طریقۂ حکومت و طرز معاشرت نظام غارت گری کا ممد و معاون ہے جو ہمارے موجودہ خطرہ کا موجب ہے اس لئے سخت اشد ضرورت ہے کہ ہم اپنی حکمت عملی اور فوجی قوت کا سارا زور اس کے دفعیہ میں صرف کردیں۔ غارت گر ریاستیں تین جماعتوں پر منقسم ہیں۔ اول سندھیا و ہلکر دوسرے امیر خاں تیسرے پنڈاری اگرچہ یہ سب نظام غارت گری کے یکساں حامی ہیں جسے ہم ختم کرنا چاہتے ہیں لیکن اول الذکر اور باقی دو میں اور نیز دوسری اور تیسری جماعت کے درمیان میں بہت کچھ فرق ہے اس لئے ہر ایک کی داخلی و خارجی حکمت عملی کے متعلق علیحدہ علیحدہ

غور کرنا چاہیئے اِس کی بدولت ہم دو اہم مسائل کے متعلق صحیح نتیجہ مرتب کر سکیں گے اول یہ کہ آیا ہمیں اُن سب یا ہر ایک کے خلاف کارروائی کرنے کا استحقاق حاصل ہے دوسرے یہ کہ حسب ضرورت ہم جو تدابیر اختیار کریں ان میں کامیابی حاصل ہونے کا کیا طریقہ ہوگا۔

مادھوجی سندھیا نے مالوہ اور ہندوستان میں جو سلطنت قایم کی وہ عرصۂ دراز تک ایک بیرونی ریاست کی غارت گری کے اصول پر چلتی رہی کیونکہ وہ اپنی رعایا سے بہ تعداد کثیر مال گذاری وصول کر لیتا تھا اور گویا یہ رعایت کرتا تھا کہ ملک کے باقی حصہ کو نہیں لوٹتا تھا لیکن فرانسیسی افسروں کے ماتحت باقاعدہ فوج اور توپ خانہ قایم کر دینے سے اس کی حکومت نے ایک صورت اور اسکی قوت نے استحکام حاصل کر لیا قلعہ جات فتح کئے گئے۔ چھوٹی بغاوتیں فرو کی گئیں خراج جبریہ وصول کیا گیا جدید فتوحات عمل میں آئیں اور رعایا کا کثیر حصہ اپنے راجہ کا مطیع اور فرماں بردار بن گیا۔ مادھوجی کی جملہ تجاویز فہم و فراست سے لبریز نظر آتی ہیں لیکن قوت کی افزونی سے اس کے جانشین دولت راؤ کے دل میں بیحد رشک و حسد کا مادہ پیدا ہو گیا اور آخر کار اس نے ۱۸۰۳ء میں دولت برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ دیدیا جس کا چند ماہ میں یہ انجام ہوا کہ اس کے باقاعدہ رسالے تباہ ہو گئے توپ خانہ گرفتار ہو گیا اور ہندوستان میں اس کے جس قدر مقبوضات تھے وہ سب اُس کے قبضہ سے نکل گئے اگرچہ ۱۸۰۳ء میں صلح ہو گئی تھی ۱۸۰۶ء میں گوالیار پھر اُسے واپس دیدیا گیا اور اُسی زمانہ میں انباجی انگھا کی ریاست ضبط ہو جانے اور ہلکر کی سلطنت کی تباہ و برباد ہو جانے سے دولت راؤ سندھیا کے پاس بہت سے مقبوضات موجود تھے اور انھیں ترقی دینے کے ذرائع بھی حاصل تھے اور انھیں وہ بڑھا بھی سکتا تھا لیکن اس نے عمداً برعکس روش اختیار کر لی اور یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ہمیں اب جو خطرہ درپیش ہے اس کا خاص موجب یہی شخص ہے۔

اس سردار کی تاریخ سنہ ۱۸۰۶ء سے مسلسل اس امر کا اظہار کرتی ہے کہ اسکی حکومت میں نفرت انگیز لڑائی جھگڑے۔ اس کی فوج میں بغاوت اور لوٹ کھسوٹ سے افلاس کا دور دورہ ہے اور اس نے اپنی عداوت کا سارا بخار ان کمزور ہندو ریاستوں سے نکالا ہے جو ہمارے ضبط و تحمل کے باعث اُس کے رحم و کرم پر ہیں۔ یہ ریاستیں خوش انتظامی کی بدولت سرسبز اور مرفہ الحال بن گئی تھیں مگر اس کم بخت نے انھیں ویران کر دیا اگرچہ ان چھوٹے چھوٹے فتوح سے سندھیا بڑھ گیا ہے مگر اس کی آمدنی میں کمی اور خزانہ خالی ہوتا جاتا ہے اور اس کا ملک روز بروز مفلس ہو رہا ہے اور اس کے ارکین سلطنت اور فوج سرکش اور شوریدہ سر ہو گئے ہیں البتہ اس کی حوصلہ افزائی کی بدولت صرف پنڈاری تو خوش حال ہو گئے ہیں اور ان کی تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے اور اس کی حمایت کے باعث وہ نہایت دلیر ہو گئے ہیں اس نے پنڈاریوں کو رہنے کے لئے اپنی ریاست میں جگہ دی ہے اور جب وہ ہماری رعایا کا خون پیکر اور ہمارے علاقوں کو لوٹ کر اور مال غنیمت لیکر واپس گئے تو اس نے اپنے یہاں آنے سے منع نہیں کیا بلکہ مال غنیمت میں سے اپنا حصہ لے لیا اور ان کی اس کامیابی سے خوش ہوا۔ میرا یہ خیال اس واقعے کی صداقت (۱۵۲) کے باعث ہے۔ چونکہ سندھیا اپنی سلطنت کے نقصان کو نہ تو فراموش کر سکتا ہے اور نہ معاف ہی کر سکتا ہے اس لئے فطرتاً وہ ہمیں اپنا بدترین دشمن تصور کرتا ہے اور ہماری قوت پر حملہ کرنے کی تجویزیں سوچتا رہتا ہے

سنہ ۱۸۰۵ء میں اختتام جنگ کے بعد سے مرہٹے اس رائے کے حامی ہیں کہ ہمیں غارت گری کی پوری تنظیم کا مقابلہ کرنا پڑے گا اور ہمارے مقبوضات اور ذرائع آمدنی پر لٹیروں اور ڈاکوؤں کے مسلسل حملوں سے اورنگ زیب کے جانشینوں کی طرح ہماری قوت میں بھی زوال

ؔ کپتان کلوز کے مراسلات سنہ ۱۸۱۶ء و سنہ ۱۸۱۷ء۔

آجائے گا اور پنڈاری کئی سال سے اس زوال کا موجب ہو گئے ہیں ہماری تیاریوں سے خائف ہو کر سندھیا نے ان لٹیروں کو اپنے جھنڈے کے نیچے مجتمع ہونے کے واسطے طلب[1] کیا اور انہوں نے ان کی گستاخیوں اور اپنی ریاست میں گاہے ماہے ان کی ڈاکہ زنی اور خود اپنے سر بلا مول لینے کو محض اس خیال سے گوارہ کر لیا کہ انگریزی حکومت سے انتقام لینے میں یہ لوگ جنگ میں اس کا ساتھ دیں گے اور محض اسی لئے ان سے اپنے تعلقات وابستہ کر لئے ہیں۔

ہم نے اس کے متعلق اس سے جواب طلب کیا تو اس کے طرز عمل سے ظاہر ہو گیا کہ اس کا کوئی قول و قرار ہرگز قابل اعتماد نہیں ہے سچ ہے کہ اس نے حال ہی میں ہمارے اقتدار سے خوف زدہ ہو کر انگریزی حکومت کے ساتھ خوش گوار تعلقات قایم رکھنے کی خواہش ظاہر کی ہے مگر دو سال پیشتر اس کا لہجہ بالکل مختلف قسم کا تھا اور اب بھی جب ہم نے زور دیکر اس سے کہا ہے کہ پنڈاریوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک فوج بھیجدو تو اس کی سلطنت کے ایک خاص افسر اور ان لٹیروں کے ایک سردار کے مابین خط کتابت ہو رہی ہے جس کے خلاف اسے تلوار اٹھانی ہے۔

میرا اندازہ تو یہی ہے کہ نظم غارت گری کے لئے ہم جو تدبیر بھی اختیار کریں اس کے متعلق سندھیا کے کسی قول و قرار۔ وعدہ اور معاہدہ کا اعتبار کرنا گذشتہ واقعات کے پیش آنے کے بعد ہماری انتہائی کمزوری کی علامت ہو گی تاوقتیکہ ہم اپنا پورا اطمینان نہ کر لیں کیونکہ کسی مزید ثبوت کی تلاش تضیع اوقات کا موجب ہو گی جبکہ یہ امر مسلمہ ہے کہ اس نے اپنے مفاد کو لٹیروں کے فوائد سے پیوست کر دیا ہے وہ لٹیروں کا مربی اور سرپرست ہے اور ان کے تعلقات کی بنا کتنی ہی

---

[1] وزیر دربار ناگپور نے بلا تامل یہ واقعہ ہمارے رزیڈنٹ کے گوش گذار کر دیا۔

کمزور کیوں نہ ہو۔ یہ ڈاکو اپنے کو اس کی رعایا اور سپاہی تصور کرتے ہیں اور یہ بات لٹیروں کے سردار کے خطوط سے جو اس کے وزیر کے نام روانہ کئے گئے اور ہزاروں دیگر واقعات سے ثابت ہو گئی ہے اور اس کی ریاست میں لٹیروں کی مستقل بود و باش ہی ہمیں اس کا مستحق بناتی ہے کہ (اگر ہماری پالیسی اس کی مقتضی ہو) ہم اس کے ساتھ دشمن جیسا برتاؤ کریں اگر ہم اسے اپنا دشمن نہ سمجھیں گے تو غیر جانب داری اور سندھیا جنگ کی مصیبتوں اور خطرات سے اپنے کو محفوظ رکھکر ہمیں پریشان اور دق کرنے والی لڑائی جاری رکھے گا۔ اس کے یہاں کے سوار بتعداد کثیر ان لٹیروں میں شامل ہیں اور اپنے لباس قومیت اور عادات و خصائل میں بالکل پنڈاریوں کے مشابہ ہیں اور وہ جب ڈاکہ زنی کے کام پر روانہ ہوتے ہیں اور ہمارے حملے سے بچنا چاہتے ہیں تو وہ سندھیا کے ملک میں پناہ لیتے ہیں اور اس کی فوج میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ایسی حالت میں اس خرابی کے دفعیہ کے لئے جو تدبیر بھی اختیار کی جائے گی اس میں دولت راؤ سندھیا کو یا تو اپنا دوست تصور کر کے اس پر ہمیں بھروسہ کرنا ہو گا یا اسے اپنا دشمن تصور کر کے اس کا مقابلہ کرنا ہو گا۔ سندھیا کے جرم کی سنگینی کی تخفیف کی بابتہ یہ کہا جاتا ہے کہ اسے پنڈاریوں کو دبانے یا نکالنے کی قوت حاصل نہیں ہے لیکن اگر اس مفروضہ کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے ہماری حالت نہیں بدل سکتی البتہ اس کی حالت تبدیل ہو سکتی ہے۔ ایسی صورت میں نیت اور قابلیت کے فقدان میں بہ آسانی امتیاز نہیں کیا جا سکتا ہے اور جبکہ اس کی ریاست میں رہنے والے دلیر لوگوں کے مخاصمانہ حملوں سے ہماری سلامتی خطرے میں ہے تو پھر یہ سوال اٹھانا محض بے کار ہے کہ یہ لوگ حملہ کرنے کی قوت اس کی کمزوری سے یا اسکی امداد سے حاصل کرتے ہیں۔ ہم اسے ایک ریاست کا فرماں روا تسلیم کرتے ہیں اس لئے اسے اپنی رعایا کے طرز عمل کا

(۱۵۶)

ذمہ دار ہونا چاہیئے اگر فی الحقیقت یہ حالت سندھیا کی کمزوری کے باعث ہے تو ان جماعتوں کے استیصال کے لئے وہ ہمارے اشتراک عمل سے بہت خوش ہوگا جو ہمیشہ اس سے سرکشی کرتی ہیں اور اگر انکا قلع قمع نہ کیا گیا تو بہت جلد اس کی حکومت کا تختہ پلٹ دیں گی۔

مالوہ اور خاندیس میں خاندان ہلکر کے مقبوضات عجیب و غریب تباہی اور بدامنی کے عالم میں ہیں۔ جسونت راؤ ہلکر کے فاتر العقل ہو جانے کے زمانہ سے یہ ریاست تباہ و برباد ہو رہی ہے۔ اور حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ مختلف دعویداروں کے لڑائی جھگڑوں کا شکار ہو رہی ہے البتہ محض باہمی رشک و حسد۔ عادات و خصائل اور بعض رسم و رواج کی پابندی کے باعث جو اہل ہند کا طغرائے امتیاز ہیں یہ ریاست اب تک مکمل تباہی سے محفوظ رہی ہے اگرچہ نوعمر راجہ کی ماں[1] تلسی بائی اسکی ولیہ مان لی گئی تھی تاہم ریاست کی فوجی طاقت کو امیر خاں نے غصب کر لیا تھا۔ جسونت راؤ کا مدنظر بلرام سیٹھ سنہ ۱۸۰۶ء میں اس کا وزیر اعظم ہو گیا جسے جسونت راؤ نے انگریزی حکومت کے ساتھ مصالحت کی گفت و شنید کرنے پر مامور کیا تھا۔ اس ریاست کی کمزوری اور بدامنی ہر سال بڑھتی جاتی تھی۔ امیر خاں اپنے ذاتی عروج کے لئے ان تمام وسائل سے کام لینے لگا جو اسے حاصل ہو گئے تھے اس کے ساتھی (جن میں سے زیادہ اسی کے ہم قوم پٹھان تھے) اس فوج سے بالکل علیحدہ تھے جو خاندان ہلکر کے موروثی وفادار سرداروں کے ماتحت تھی ان کی کل تعداد ۸۰۔ ۱۰ ہزار سوار اور چند سو بے قاعدہ پیدل سپاہ سے متجاوز نہ تھی۔ اور چونکہ ریاست قدیم فوج کے اس باقی ماندہ حصہ کی تنخواہ بھی ادا نہ کر سکتی تھی اسلئے اس فوج کے سپاہی ۸۔ ۱۰ سال سے اپنی ہی ریاست پر ڈاکہ زنی کر کے بسر اوقات کرتے ہیں اور پنڈاریوں کے شریک حال ہو کر اور کمزور و منتشر

---

[1] تلسی بائی حقیقی ماں نہ تھی بلکہ اس راجہ کو اپنا متبنیٰ بنانے کی وجہ سے ماں کہلاتی تھی۔

حکومت دیکھکر غدر مچاتے اور رعایا سے استحصال بالجبر کرتے ہیں۔ ایک موقع پر تلسی بائی ولیہ اپنے لڑکے اور بلرام سیٹھ کے رقیب گنپت راؤ کو اپنے ساتھ لیکر اپنی غدار فوج کے قبضے سے نکل گئی اور ایک قلعہ میں پہونچکر اس نے اپنے کو مع فرزند کے ظالم سنگھ والئے کوٹا کی پناہ میں دیدیا اور بطیب خاطر چار ماہ جلا وطن رہنے کے بعد اس نے اپنے ایک خاص افسر کو گرفتار کیا اور اس کا مال واسباب ضبط کرلیا اور اس طرح جب اپنی فوج کو تنخواہ دینے کے وسائل اس کے ہاتھ آگئے تو وہ اپنے خیمے کو واپس آگئی اس نے اول کام یہ کیا کہ بلرام سیٹھ کو گرفتار کرکے قتل کیا۔ اس کا مال واسباب لوٹ لیا اور گنپت راؤ کو اپنا وزیر مقرر کردیا۔ اس کے بعد اس نے جسونت راؤ آنجہانی کی ایک بیوہ کو لوٹ لیا اس عورت پر سخت زیادتیاں کرکے پچاس ہزار روپیہ وصول کیا جس سے اس کے دشمنوں کی آتش حرص اور تیز ہوگئی۔ اس ظلم اور قتل کے بعد اس کی ساری جائداد لوٹ لی گئی۔ جسونت راؤ ہلکر کا بھتیجا اور سابق وزیر کے حامی چند سردار گرفتار کرکے قتل کردئے گئے۔ اس سال کے اوائل میں ان واقعات کے رونما ہونے پر سخت حیرت اور دہشت طاری ہوگئی ہے۔

امیر خاں ابھی تک جودھپور میں ہے اور اس کے معاملات اور اپنی فوج کی تنخواہ کے لئے شور وغل نے اسے مالوہ آنے سے باز رکھا ہے جہاں پر اس کے نمائندے غفور خاں نے تلسی بائی کی کارروائیوں کی مخالفت میں بے سود کوشش کی ہے۔ تلسی بائی نے اپنی باغی فوج کو اپنے قابو میں کرنے کے بعد دولت راؤ سندھیا سے امداد طلب کی جو دیدی گئی۔ غالباً اب اس پرانے جھگڑے کا جلد فیصلہ ہوجائے گا کہ دربار ہلکر میں سندھیا یا امیر خاں کس کا حق فائق ہے۔ لیکن اس جھگڑے سے

(۱۵۲

لـ۱ وہ گرم لوہے کے تختہ پر بٹھادی گئی۔ بحوالہ مراسلہ کپتان کلوز۔

اسقدر حقوق وابستہ ہیں اور ایسی سازشیں ہو رہی ہیں کہ کسی منزل پر نتیجہ کا اندازہ نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ اونٹ خواہ کسی کروٹ کیوں نہ بیٹھے ہم تو صرف اسقدر جانتے ہیں کہ بدامنی اور پریشانی بدستور موجود رہیگی

مذکورۂ بالا واقعات کو اگر پنڈاریوں کی حالت سے ملاکر نہ دیکھا جائے تو ہم ان سے صرف یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ یہ واقعات ہمیں مصیبت کے منظر سے آگاہ کرنے کی علامت ہیں۔ ہلکر کے فوجی سپاہی ان لٹیروں کے افسران ہیں اور ہلکر کی ریاست اور حکومت انھیں نہ صرف روپیہ۔ آدمی اور رسد مہیا کرتی رہتی ہے بلکہ ان کے قیام کو جگہ دیتی ہے اور ان کو پناہ دیتی ہے ہلکر کی ریاست اور پنڈاریوں کے درمیان لگاب ما سے جھڑپ ہو جانے کے باعث ہمارے اس بیان کی صداقت میں شبہ نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ایسی جھڑپ اس امداد اور حوصلہ افزائی کا ہمیشہ ثمرہ ہوا کرتی ہے جو کمزور ریاستیں اس قسم کے لٹیروں کو دیا کرتی ہیں۔ اس خرابی کے استیصال کے لئے ہمیں ریاست ہلکر کا بندوبست کرنا لازمی ہو گیا ہے اور اس کام کو انجام دینے کے لئے مجبوراً ہمیں تلوار اٹھانی پڑے گی البتہ اسکی پروا نہیں کہ اس کام کو ہم خود سندھیا کی وساطت سے یا امیر خاں کے ذریعہ سے انجام دیں تاکہ ہمارا مقصد حاصل ہو جائے۔ یہ محض وقتی ضرورت کا سوال ہے۔ ایک ایسی ریاست کے ساتھ معاہدوں کا تذکرہ کرنا اسکی شرائط کا مضحکہ اُڑانے میں داخل ہے جو دس سال سے معدوم ہے اور کسی حالت میں بھی وہ دوستانہ تعلقات کو نہیں نباہ سکی ہے لیکن اس بیان سے میرا یہ منشا نہیں ہے کہ ہم خاندان ہلکر کو اسکی ریاست سے محروم کر دیں بشرطیکہ ہلکر کے خاندان والے یا اُن کے کارکن نظم غارت گری کے استیصال کے متعلق ہماری تدبیروں میں ہنسی خوشی، ہمارا ساتھ دیں اور مجھے معلوم ہے کہ جو کارروائی بھی اختیار کی جائے گی وہ خاندان ہلکر کو سخت گراں گزرے گی اور

اس خاندان کے جملہ جملے حوالے رفع کرنے کے لئے ہمیں سختی کے ساتھ کام لینا پڑے گا۔ قوم مرہٹہ کی مختلف شاخوں کو نہایت سرعت کے ساتھ زوال آرہا ہے۔ اپنے ملک کے حدود سے باہر ان کی عملداری کسی مستحکم بنیاد پر قایم نہیں ہوئی اور انہیں ابھی حال ہی میں کچھ فتوحات نصیب ہوئی تھیں مگر اکثر صورتوں میں ان کی قوت اپنی اصلی شکل میں قایم رہی ہے وہ برائے نام بادشاہ اور فی الحقیقت لٹیروں کے سردار ہیں اور جب کبھی غیر علاقوں پر وہ حملہ آور ہوئے۔ انھوں نے اپنی عادت کے بموجب ان جاگیردار اور چھوٹے رؤسا کو خوب لوٹا اور ان پر زیادتیاں کیں جو ان کے مسلسل ناقابل برداشت مظالم سے تنگ آکر بغاوت کرنے پر آمادہ ہوگئے تھے جس نظم کی بدولت یہ لوگ مالامال ہوگئے ہیں اس کے استیصال ہی سے یہ لوگ مغلوب ہوسکتے ہیں لیکن حتی الامکان ایسی تدابیر سے ہمیں احتراز کرنا چاہئے جس سے وہ خوف زدہ ہو جائیں یا ان کے جذبات برانگیختہ ہوں اور (عام معیت کے خیال سے) وہ متحد ہو جائیں ہر حالت میں ان کا زور یقیناً توڑا جاسکتا ہے لیکن جسقدر آہستگی سے یہ کام انجام دیا جائے گا اسی قدر کم مخالفت رونما ہوگی۔

ہم ابھی بیان کرچکے ہیں کہ ۱۸۰۹ء میں امیر خاں کی قوت کی کیا حالت تھی وہ ۴۰۔۵۰ ہزار ڈاکوؤں کا سردار تھا اور اس کی روک تھام کے لئے ایک فوج دکن میں اور بہت سی فوج بندیلکھنڈ میں مامور کرنے میں زر کثیر صرف کرنا پڑا۔ امیر خاں کو اپنا سردار مان کر پنڈاری اس کی فوج میں صرف اس وجہ سے شریک ہوگئے تھے کہ اس نے ڈاکہ زنی میں ان کی افسری قبول کرلی تھی لیکن جب اُسکے خیالات محدود ہوگئے تو پنڈاری بھی اسکی اطاعت سے پھر گئے۔ (۱۵۸)

یقیناً امیر خاں کا یہ انتہائی عروج تھا اور جیسا کہ بعض حضرات کو گمان تھا اگر اس میں ویسی عقل اور شوق ہوتا تو اس نے اپنی سلطنت قایم

کرنے کے لئے زبردست کوشش کی ہوئی لیکن دیگر مواقع کی طرح اس موقع پر بھی اُس نے یہ ظاہر کر دکھایا ہے کہ وہ ایک جماعت کا صرف بہادر سردار ہے۔ مگر جس نازک موقع نے اُسے ایک بڑا شخص بنا دیا اُس سے ہم پر یہ امر بخوبی روشن ہو گیا تھا کہ اگر اس وقت کوئی اولوالعزم اور قابل شخص سردار بن جاتا تو ہمیں ہر وقت نہایت زبردست کا سامنا رہتا۔ اگر اُس جیسے مواقع حیدر علی یا سیواجی جیسے شخص کو میسر آجائے تو اُس نے ہماری سلطنت ہند کے کونے کونے میں اپنی تلوار سے آگ لگا دی ہوتی۔ اب امیر خاں ہلکر کے منتشر خاندان پر اپنا اقتدار قایم کرنے۔ اپنی فوج کی بےچینی رفع کرنے کی تدابیر کرنے۔ ریاست جے پور پر حملے کرنے اور راجہ مان سنگھ والئے جودھ پور کے دربار میں اپنا رسوخ اور اقتدار قایم کرنے میں اپنی کوششیں صرف کر رہا ہے۔ آخرالذکر اس کی محبوب ترین تمنا تھی چونکہ راجہ جودھ پور سے وہ نہ صرف کثیر خراج وصول کرتا ہے بلکہ اُسے نہایت بیش قیمت جاگیریں عطا ہوئی ہیں جنھیں وہ اپنے خاندان کے واسطے کرانا چاہتا ہے اور اس کی فوج زیادہ تر اسی ریاست میں ہے لیکن محض اس کی فوج کی وہاں موجودگی ہی سے اسکا ظالمانہ رعب و داب قایم ہے امیر خاں اور راجہ جودھ پور کے مابین نہایت سخت رقابت موجود ہے اور یہ گمان ہوتا ہے کہ اس کا ارادہ راجہ مان سنگھ کو معزول کر دینے کا ہے اور جودھ پور کے ایک خاص وزیر کے قتل کے تازہ واقعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریاست جودھ پور میں اپنے حقوق برقرار رکھنے کے لئے امیر خاں ظالمانہ حرکت کرنے میں بھی پس و پیش نہ کرے گا۔

خاندان ہلکر پر اپنا رعب و داب قایم رکھنا اس نے اپنے ایک نمائندے کے سپرد کر دیا ہے جس کے ساتھ مختصر سی فوج رہتی ہے اور ریاست جے پور کا مفتوحہ علاقہ امیر خاں نے اپنے ایک سردار کو تفویض کر دیا ہے۔ اس کی جاگیر سرونج اور دیگر علاقے جو اس نے ہلکر خاندان سے حاصل کئے ہیں بالکل غیر محفوظ ہیں اُسے ظالم سنگھ راجہ کوٹا پر پورا اعتماد ہے

کیونکہ یہ راجہ اُسے[1] ہلکر کا واجب الادا اخراج دیدیتا ہے اور اس راجہ نے اُس کے خاندان کو پناہ دے رکھی ہے اس دوستی کے بدلے امیر خاں راجہ کوٹا کا زیر دست معین و مددگار ہے اور ایسے دوست کی شہرت سے راجہ کو بڑی تقویت حاصل ہوگئی ہے چند سال پیشتر امیر خاں سے پنڈاریوں کے تعلقات بہت بہتر تھے لیکن اب بھی وہ اُس کی نظر عنایت کے امیدوار رہتے ہیں اور حالت وطرز معاشرت کی ہمرنگی کے باعث ساتھیوں کے شریک حال ہیں اور کسی لڑائی میں ایک قسم کے لیٹروں کو دوسری قسم کے ڈاکوؤں سے جدا کرنا سخت دشوار ہے تاوقتیکہ امیر خاں کے ساتھی کسی دور دراز کے مقام پر مصروف کارزار نہ ہوں۔ اس صورت میں بھی جن پنڈاریوں کو ہم مالوہ سے نکال دیں گے وہ ماروار جاکر پناہ لے لیں گے اور جب ہم اپنی کوششوں میں ڈھیل ڈالدیں گے تو وہ پھر مالوہ کو لوٹ جائیں گے۔

اس لئے امیر خاں اور اس کے ساتھیوں کو اپنی تجویز سے خارج سمجھنا ناممکنات سے ہے اور اس معاملے کی بابتہ ہماری ہر ایک رائے نامکمل رہے گی اگر کسی نہ کسی عنوان سے انھیں شامل نہ کیا جائیگا اور یقیناً لارڈ منٹو کے خیال کے بموجب سنہ ۱۸۰۶ء سے اس شخص نے طرز عمل کو دیکھکر خاندان ہلکر سے اس کی جداگانہ ہستی تصور کرنی چاہئے وہ ڈاکوؤں کی ایک زبردست جماعت کا سردار ہے اور بلا کسی جائز استحقاق کے وہ سلطنت کا مدعی ہے اور اس لئے حسب ضرورت ہمیں اس کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ سردست ہمارا نفع اسی میں ہے کہ اس کے قول کے بموجب ہم اُسے خاندان ہلکر کا ملازم تسلیم کرلیں۔ اس وقت اُسکے پاس بارہ ہزار سوار کئی تربیت یافتہ پلٹنیں اور دو سو تین سو کے درمیان توپیں موجود ہیں۔ اس کا توپ خانہ ہر ایک ہندوستانی ریاست کے (۱۲۶)

---

[1] مراسلہ کپتان کلوز بنام لارڈ بوریا مورخہ ۳۰ اپریل سنہ ۱۸۱۶ء۔

تو بہانے سے اعلیٰ و افضل ہے اور کہا جاتا ہے کہ وہ عمدہ حالت میں ہے
لیکن اس کی فوج کی منتشر حالت کا لحاظ کر کے یہ بات قابل اعتبار نہیں
معلوم ہوتی ہے۔
امیر خاں کی حالت پنڈاری سردار کی حالت سے بالکل جداگانہ ہے
کیونکہ اس کی فضیلت نے ایک معقول صورت اختیار کر لی ہے اور اسکے
پاس آمدنی کے ایسے ذرائع موجود ہیں جو ایک حد تک اُس کے مصارف
کے لئے کافی ہوتے ہیں اس لئے وہ پنڈاریوں کی طرح اپنے مصارف
کے لئے ہم پر یا ہمارے رفیقوں پر حملے کرنے کو مجبور نہیں ہوتا ہے
اگرچہ اسے یہ امتیاز خصوصی حاصل ہے لیکن دیگر معاملات میں اس کی حالت
پنڈاریوں جیسی ہے۔ اس کی فوج کا گذارہ ڈاکہ زنی پر ہے اگرچہ وہ ایک
محدود دائرہ کے اندر ہوتی ہے لیکن جن ممالک کی آمدنی پر وہ زندگی
بسر کرتے ہیں چند روز میں دیوالیہ ہو جائیں گے اور اس کی ماتحت
جماعتیں کسی وسیع علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے زیر تربیت ہیں ہم نے
کئی بار ان کے حملہ کا خدشہ رفع کرنے کے لئے تیاریاں کی ہیں اگرچہ
بعض وجوہ سے تاخیر واقع ہو گئی ہے لیکن بالآخر اپنے مفاد کی خاطر
اس جماعت کا قلع قمع ضرور کرنا ہوگا اس بات کو تسلیم کرنے کے وجوہ
موجود ہیں کہ بتقاضائے سن[1] و مایوسی یہ سردار حکومت برطانیہ کے ساتھ
دوستی کرنے پر مائل ہو گیا ہے لہذا اُس نے اس مسئلہ کے متعلق جو تجاویز
رزیڈنٹ متعینۂ دہلی[2] کے روبرو پیش کی ہیں وہ ان تجاویز سے بالکل جداگانہ
قسم کی ہیں جو اس سے پیشتر پیش ہوئی تھیں۔ وہ ہماری پناہ میں آنے کا
خواہشمند ہے اور اس کے حصول کے بعد وہ وعدہ کرتا ہے کہ
مین خاندان ہلکر کے متعلق آپ کی تجاویز اپنی کوشش سے منظور کراؤنگا

---

[1] اس کی عمر ۶۵ سال کی ہے۔
[2] مراسلہ مسٹر شکاف بنام مسٹر ایڈم۔

(۱۶۱)

اس معاملے میں ہماری حکومت سے گفت وشنید ہو رہی ہے[1] اور اس میں شک نہیں کہ اگر امیر خاں صادق القول ہے تو بڑے کام کا آدمی ہے اور چونکہ وہ خود اور اس کے بہت سے معاونین ہمارے صوبوں کے رہنے والے ہیں اس کے باعث اس قسم کا انتظام ہو جانے کے بہت سے وسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ہندوستان کی موجودہ حالت میں اگر کوئی اسلامی قوت باقاعدہ ترقی حاصل کر لے تو مجھے اس سے کوئی اندیشہ نہیں ہوگا کیونکہ بہ نسبت مرہٹوں کے ہم اس قوم کے ساتھ باسانی دوستی پیدا کر سکتے ہیں مسلمان اگرچہ دلیر اور شریر ہیں مگر وہ مرہٹوں کی طرح عیار و غدار ہرگز نہیں ہیں۔ اپنی فضول خرچی اور عیش پسندی سے وہ کاہل بن جاتے ہیں اور اگرچہ ان کے جذبات بدستور قایم رہیں لیکن کاہلی ان کی خطرناک عادتیں رفع کر دیتی ہے برخلاف مرہٹہ سپاہی کی سادگی اسے اس قسم کی تبدیلی سے باز رکھتی ہے اپنے لباس۔ خوراک اور عادات و اطوار میں وہ اپنی قوم کے مقررہ قوانین کا پابند ہوتا ہے۔ مرہٹہ جس طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اس کے آگے بید کی طرح جھک جاتا ہے لیکن اس طوفان کے گذر جانے پر وہ اصلی حالت پر آجاتا ہے۔ اس لئے میں نے تو یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ آیندہ جب ہمارے تعلقات ان دونوں قوموں سے بیدا ہوں گے تو ہم اپنے مسلمان حلیفوں کے بہت شاکی ہوں گے اور مرہٹوں سے ہمیں سخت نقصانات پہونچیں گے۔

مضمون کے اس حصے کی بحث میں پنڈاریوں کی اصلی حالت کی بابتہ ابھی چند الفاظ اور بیان کرنے باقی ہیں۔ تین سال ہوئے کہ ایک باخبر افسر[2] نے مالوے میں پنڈاری لیٹروں کی تعداد کا تخمینہ تیس ۳۰ ہزار سوار

---

[1] ۔ مراسلہ مسٹر ایڈم بنام مسٹر مٹکاف۔
[2] ۔ کپتان سنڈھم۔

کیا تھا۔ اور ایک نہایت مستند اور پراز معلومات کتاب[1] میں ان کی تعداد اکتالیس ہزار بیان کی گئی ہے۔ دونوں بیانات صحیح ہو سکتے ہیں کیونکہ جیسا کہ میں کسی اور مقام پر عرض[2] کرچکا ہوں ایسی فوج کی تعداد کا تعین قطعی ناممکن ہے جو روزانہ تبدیل ہوتی رہتی ہے اور جب کبھی لوٹ کی توقع ہوتی تو اس کے مختلف عہدوں پر سندھیا۔ ہلکر اور امیر خاں کے آدمی مامور ہو جاتے ہیں۔ اور ان سرداروں کو شکست نصیب ہونے پر یہ لوگ فوج سے برطرف کردئے جاتے ہیں ان لٹیروں کے چند ایسے سردار بھی ہیں جن کے پاس وفادار ملازموں کی جماعت۔ علاقے۔ قلعے اور کچھ پیدل فوج اور چند توپیں بھی ہیں۔ ان میں سے قابل تذکرہ ہیرو۔ کریم خاں اور چیتو ہیں۔ ہیرو مدت دراز تک سندھیا کے یہاں قید رہا ہے کریم خاں بھی سندھیا کے یہاں مقید تھا لیکن ایک کثیر رقم بطور زندرانہ ادا کر کے اس نے رہائی حاصل کر لی اور اس کے بعد فوراً اس نے اپنے پرانے ساتھیوں کو اپنے جھنڈے کے نیچے جمع کر لیا اور جس راجہ نے روپیہ کے لالچ میں آکر اُسے آزاد کیا تھا اُس کے علاقہ کو بطور انتقام کے لوٹنا شروع کر دیا چیتو اور کریم خاں نے مل کر ہر ایک علاقے میں اپنی ہیبت طاری کر دی ان دونوں کی متحدہ فوج کی تعداد[3] پچیس ہزار ہوگئی تھی۔ انھوں نے سب سے اول بھونسلا کے علاقے پر چھاپہ مارا تھا مگر اُس نے اپنی حکمت عملی سے ان دونوں کو جدا جدا کر دیا چنانچہ چیتو نے سندھیا کے ایک فوجی جنرل کو اس کے پرانے دوست کریم پر حملہ کرنے میں امداد دی۔ کریم کو شکست فاش نصیب ہوئی اور مجبور و لاچار ہو کر اُس نے اپنے کو امیر خاں کے رحم و کرم کے سپرد کر دیا جس نے اُسے تلسی بائی کے

(۱۶۳)

ف[1]۔ سرگذشت پنڈاریاں مصنفہ کپتان ٹاڈ۔
ف[2]۔ یادداشت متعلق پنڈاریاں مورخہ ۱۸۱۸ء از مقام لندن۔
ف[3]۔ سرگذشت مصنفہ مسٹر ٹاڈ۔

حوالے کردیا چنانچہ کریم ابھی تک اُسی کے یہاں مقید ہے۔ ان واقعات کے رونما ہونے سے پنڈاریوں کی خاص کمان چیتو کے ہاتھ میں آگئی ہے اور سندھیا نے کریم کے خلاف مدد دینے کے صلے میں چیتو کو پانچ لاکھ روپیہ سالانہ کی جاگیر اور عطا کردی ہے لیکن اس سردار نے اس علاقے کی سکونت ترک کردی کیونکہ اسکی آمدنی اُس کے اخراجات کے لئے ناکافی اور یہ مقامات اس کے خیالات اور تجاویز کے واسطے موزوں نہ تھے اس لئے اب اُسے اپنے خاندان اور خزانے کے تحفظ کے لئے اور مقام تلاش کرنا پڑا اور اپنے کھیتوں کا لگان وصول کرنے کی فکر دامن گیر ہوئی جو دوسروں کی محنت کی بدولت سرسبز ہو رہے تھے۔ اور چیتو کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زبردست کام کو انجام دینے کی اس میں پوری قابلیت موجود تھی جو اس کے بعد اس نے انجام دیا ہے۔ اس کی بابتہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ بہادری دکھانے میں بھی عقل سے کام لیتا ہے وہ اولوالعزم مگر محتاط ہے اور وہ نہ صرف ہوشیار ہے بلکہ سیاسی چالوں سے بھی واقف ہے لیکن اُس کے بھی دشمن موجود ہیں اور کریم کے قریبی رشتہ دار سخت مخالفین میں ہیں اگرچہ جب کبھی مال غنیمت ہاتھ آنے کی توقع ہوتی ہے اس وقت یہ جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے دو بڑے فرقے سندھیا شاہی اور ہلکر شاہی ہیں لیکن دکن اور ہمارے علاقے پر حملہ کرنے میں یہ امتیاز بالکل دور کردیا گیا تھا اور سب جماعتیں شریک ہوگئی تھیں لیکن اُن پر حملہ ہونے کی صورت میں یہ منظر بالکل بدل جائے گا اور چونکہ آسائش حاصل ہونے کی بجائے ان پر مصیبت نازل ہوگی اس لئے پرانے جھگڑے دوبارہ شروع ہو جائیں گے اور پرانی شکایات اور نقصانات پر غم و غصہ یاد آکر ہر ایک سردار کو وہ راہ اختیار کرنے کا صلہ مل جائے گا جو اپنی عافیت اور فائدہ کے لئے اسے بہترین نظر آئے گا۔

(۱۶۳)

گذشتہ سات یا آٹھ سال کے اندر پنڈاریوں کی مقدار بہت بڑھ گئی ہے

اس مسلمہ واقعہ سے اس خیال کی پوری تردید ہو جاتی ہے کہ پنڈاریوں کی جماعت کلیتاً ان لوگوں پر مشتمل ہے جو ہماری فتوحات کے باعث مایوس اور لاچار ہو گئے ہیں اگرچہ ہندوستان کے کئی بے قاعدہ رسالے ان ریاستوں کے زوال یا استیصال سے جن میں وہ ملازم تھے بدرجۂ مجبوری پنڈاریوں کی جماعت میں شامل ہو گئے ہیں اگر انھیں یہ معلوم ہوتا کہ یہ زندگی خطرہ اور مصیبت کی ہوگی (مثلاً اگر مالوہ کے حکمران امن قایم کرنے پر آمادہ ہو جاتے تو انھوں نے بھی ایسا ہی کیا ہوتا) تو ان کی تعداد میں بہت جلد کمی واقع ہو جاتی کیونکہ پھر وہ اپنے گذارہ کی اور راہ اختیار کرتے اور ابتداءمیں جو لوگ اس جماعت میں شریک ہوئے تھے ان میں اکثر اس سے علیحدہ ہو گئے۔ کچھ مر گئے بعض کے گھوڑے ضائع ہو گئے ہیں اس لئے بہت سے عہدے خالی ہو گئے اور اس صورت میں ان کی جگہ پر کرنیکے لئے نئے سپاہی میسر نہ آئے۔ ان واقعات سے ہم اس نتیجہ پر پہونچ سکتے تھے کہ چونکہ پنڈاریوں کی جماعت ایسے تعلقات کی بنا پر نہیں قایم ہے جن سے قومیں متحد ہوا کرتی ہیں بلکہ وہ مختلف فرقوں اور جماعتوں کے ڈکیتی پیشہ سرداروں اور آوارہ گردوں سے مل کر قایم ہوئی ہیں اس لئے یقیناً ان کا خاتمہ بھی بہت جلد ہو جائے گا لیکن پنڈاریوں کے متعلق جو کچھ قیاس کر لیا گیا ہے اس سے ان کی حقیقی حالت کس قدر مختلف ہے

(۱۶۴) چونکہ مالوہ کے رؤسا نے ان کی حوصلہ افزائی کی ہے اور غیر علاقوں میں انھوں نے جو حملے کئے ان کی کچھ سزا انھیں ملی نہیں اور ادنے اسی جسارت کرنے سے انھیں بہت سا مال غنیمت مل گیا اور بہت کم خطرہ پیش آیا علاوہ بریں وہ حکومت کی سختی اور ضابطے کی پابندی سے مستثنٰی رہے اور اپنی مرضی کے مطابق انھیں ظلم و زیادتی کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لئے ان وجوہ نے ان کی زندگی کو اسقدر دلفریب بنا دیا جس کا ہم فوجی جماعت کے متعلق اندازہ کر سکتے ہیں لیکن ان کی آزادانہ عادتیں اور ان میں رشتوں کا فقدان جن سے مصیبت کے وقت

اتحاد قایم رہتا ہے اگرچہ ان کی مقدار میں بیشی کا موجب ہوئے ہیں لیکن یہی امور ان کی تباہی میں سہولتیں پیدا کرنے کا باعث ہوں گے ہمیں سب سے زیادہ اس بات کی نگرانی کی ضرورت ہے کہ وہ از سر نو زندہ نہ ہونے پائیں کیونکہ ہمیں یہ حقیقت ہرگز فراموش نہ کرنی چاہئے کہ کسی موذی کیڑے کا مارنا محض بے سود ہے تا وقتیکہ ہم اس مادہ کو ضائع نہ کر دیں جس کے نقص اور خرابی سے اور بہت سے موذی کیڑوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے ۔

پنڈاریوں کو ان قلعوں پر پورا اطمینان ہے جن میں ان کے اہل و عیال اور ان کا خزانہ ہے اور جب کبھی لوٹ مار کا موقع نہیں ہوتا یا انھیں کسی حملے کا اندیشہ ہوتا ہے تو وہ انھی قلعوں میں آکر قیام کرتے ہیں تقریباً یہ سب قلعے بندھیاچل کی پہاڑیوں پر یا اُن کے نزدیک بنے ہوئے ہیں اور ان پہاڑیوں اور دریائے نربدا کے دائیں کنارے کے درمیان ایک زرخیز علاقہ ہے جس میں کہیں دو میل اور کسی مقام پر ۲۰ میل تک چوڑے جنگل اور چھوٹے پہاڑیوں کے راستے پائے جاتے ہیں اور ان مقامات کو پنڈاری اپنے لئے نہایت کارآمد تصور کرتے ہیں چونکہ وہاں سے انھیں ہمارے علاقہ اور ہمارے رفیق بھونسلا ۔ حضور نظام اور پیشوا کی ریاستوں میں ڈاکہ زنی کرنے میں بہت سہولت ہوتی ہے ۔ اس علاقے کے قریب ہماری افواج متعینۂ ریاست ناگپور کے پہونچ جانے سے یہ پنڈاری بظاہر نہایت خوف زدہ ہو گئے ہیں اور ہمارے حملے کی مدافعت کیلئے انھوں نے آپس میں جو کچھ مشورے کئے ہیں ان سے معلوم ہوا ہے کہ اُنھیں اب اپنے اہل و عیال اور مال و اسباب کی سلامتی کی خیر نظر نہیں آتی ہے ۔ چنانچہ چیتو نے سندھیا کے ایک خاص افسر ہندو راؤ گٹکیا (Hindoo Rao) کے نام اپنے ایک خط میں افسوس کے ساتھ لکھا ہے (۱۶۵)

۱ؔ ۔ سرگزشت مصنفۂ کپتان ٹاڈ

"کہ راجہ صاحب اس وقت انگریزوں سے مقابلہ کرنے کو ہرگز مناسب تصور نہ فرمائیں میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس کام کو میں تن تنہا (بشرطیکہ مجھے خفیہ امداد مل جائے) حتی المقدور انجام دے دوں گا اور تاوقتیکہ حضور کے غلاموں کے اہل و عیال کی حفاظت کے لئے کوئی جگہ ہمارے قبضے میں نہ ہو ہم لاچار ہیں لیکن اس کا بندوبست ہو جانے پر کلکتہ کے قلعہ تک انگریزوں کو تباہ و برباد کر دینا میرا کام ہے"[1]۔ اسی سردار نے اپنے ایک اور خط میں امیر خاں کو یہ لکھا ہے کہ "مجھے اندیشہ ہے کہ حکومت برطانیہ کے خوف سے سندھیا میری درخواست نہیں منظور کرے گا دولت راؤ سندھیا کے حضور[2] میں کئی درخواستیں ارسال کی ہیں انکے جوابات کا لب لباب یہ ہے کہ انگریزوں سے میری دوستی مسلم اور مستحکم ہے اور اُسے توڑنا ہرگز مناسب نہیں ہے لیکن بوقت ضرورت میں تمہاری حمایت اور حفاظت کے لئے کوشش کرنے سے پہلو تہی نہ کرونگا لیکن تمہارے اہل و عیال کو پناہ دینے سے اس وقت انگریزوں سے فوراً بگاڑ ہو جائے گا"

جیتو لکھتا ہے کہ یہ ناگزیر ہے اب کیا کرنا چاہئے۔ ہندو راؤ اپنی بساط کے موافق ہر طرح کی کوشش کر رہا ہے اور اس کی کوششوں سے میری امید وابستہ ہے سر دست میں ایک مستحکم مقام کی فکر میں ہوں جہاں تک بمشکل کسی کی رسائی ہو سکے اور اُس معاملے کی بابتہ میں نے راجہ مان سنگھ کو بھی لکھا ہے اور مجھے یقین کامل ہے کہ آپ بھی اس کی بابتہ راجہ صاحب کو تحریر کریں گے کہ جو جگہ مہاراجہ ہلکر کے قیام کے لئے نامزد تھی[3] وہ اب نہیں

---

[1] مراسلہ کپتان کلوز بنام مسٹر ایڈمنس مورخہ ۲۳ جنوری ۱۸۰۶ء ۔

[2] خدمت - موجودگی - یہ لفظ والیان ملک سے گفتگو کرنے یا ان کے نام کی تحریر میں استعمال کیا جاتا ہے ۔

[3] لارڈ لیک نے جب ۱۸۰۵ء ہلکر کا پنجاب تک تعاقب کیا تھا اُس وقت ہلکر نے اپنے اہل و عیال کو مالوہ بھیجدیا تھا ۔

مرحمت فرمادی جائے اور آپ اس استدعا کی منظوری سے مجھے جلد اطلاع
دیں تاکہ میری دلی بےچینی رفع ہو جائے اور پھر میں اطمینان کے ساتھ
(۱۶۶) انگریزوں کا مقابلہ کروں اور پھر فضل ربی اور مقدر کی یاوری سے کلکتہ کے
مضافات تک کھلبلی ڈالدی جائے گی۔ ان کا سارا ملک تہس نہس کردیا جائیگا
اور وہ ایسی سخت مصیبت میں مبتلا ہوں گے اور غالباً آپ کے کان تک
اس کی خبریں پہونچ جائیں گی لیکن میں نے جائے پناہ کے فقدان کے
باعث ابھی اس ارادہ کو ملتوی کردیا ہے جسقدر سوار میری امداد کے لئے
دے سکتے ہیں وہ براہ نوازش جلد بھیجدیجئے کیونکہ اس وقت آپ کی یہ
امداد نہایت ضروری اور مناسب ثابت ہوگی۔

چیتو نے راجہ مان سنگھ والئی جودھپور کو اپنی ایک عرضداشت میں
تحریر کیا تھا کہ "میں نے اپنے ولی نعمت مہاراجہ دولت راؤ سندھیا کی
خدمت میں کئی عریضے ارسال کئے ہیں جن کا یہ جواب مرحمت فرمایا گیا
ہے کہ انگریزوں سے رابطۂ اتحاد و دوستی کو شکست کرنے کے لئے یہ وقت
موزوں نہیں ہے لیکن ہماری دست گیری کے لئے خفیہ طور پر ہر قسم کی امکانی
امداد دیجائے گی لیکن جب تک کہ ہمارے اہل و عیال کی حفاظت کیلئے
کوئی جگہ نہ ملے ہمارے دل کو اطمینان نہیں ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ
مہاراجہ سندھیا ہماری خواہش کے مطابق ہمیں کوئی خاص جگہ نہیں دے سکتے
ہیں کیونکہ پھر انگریزوں پر مہاراجہ اور ہمارے تعلقات ظاہر ہو جائیں گے
لیکن حضور کی نوازش سے توقع ہے کہ جو مسکن جسونت راؤ ہلکر کے اہل و عیال
کے قیام کے لئے نامزد کیا گیا تھا وہ حضور والا اپنے غلاموں کے بال بچوں کے
لئے مرحمت فرمادیں اور پھر حضور کے گوش گزار ہو جائے گا کہ میں نے
انگریزوں کو کیسی مصیبتوں اور پریشانیوں میں مبتلا کردیا ہے اور ان کا سارا
علاقہ مع کلکتہ کے لوٹ کھسوٹ کر تباہ و برباد کردیا جائے گا حضور والا ہم پر
اعتماد فرمائیں اور ہم غلامان ہمیشہ حضور کے تابع فرمان رہیں گے لیکن اگر
حضور ہماری استدعا کو قبول نہ فرمائیں گے تو پھر یہ یاد رکھئے گا کہ یہ قوم

(۱۶۷)

انگریز) نہایت دانا اور حیلہ ساز ہے اور وہ رفتہ رفتہ غیر محسوس طریقہ سے ہندوستان کے ہر ایک فرماں روا کو نکال باہر کر دے گی۔ تابعدار کے یہ الفاظ فراموش نہ فرمائے گا اور میرا وکیل جو سندھیا کی فتح مند فوج میں رہتا ہے ہرکارہ کے ذریعہ سے میرے متعلق مفصل حالات حضور کی خدمت میں ارسال کر دیگا میں جواب کا منتظر رہوں گا اور امید ہے کہ جواب باصواب مرحمت ہوگا۔"

میں نے اصل کاغذات کا اقتباس پیش کر دیا ہے اور مجھے یقین ہے کہ پنڈاریوں کے ایک خاص سردار نے جن الفاظ میں ان کی موجودہ حالت اور خیالات کا اظہار کیا ہے وہ اس سے بہتر طریقہ پر بھی ظاہر کئے جا سکتے ہیں ہندو راؤ گھاٹکیا نے اپنے ایک خط میں چیتو کو تحریر کیا ہے کہ "آپ جمع خاطر رکھئے" اس خط کے متعلق ہمارے رزیڈنٹ متعینہ دربار سندھیا کا بیان ہے کہ یہ خط راجہ صاحب کے ایماء سے لکھا گیا ہے نیز ہندو راؤ نے چیتو کو یہ اطلاع دینے کے بعد کہ انگریزی رزیڈنٹ کی فہمائشوں نے سندھیا کو تمہارے خلاف ایک فوج روانہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے یہ اطمینان دلایا ہے کہ" اس کے بعد جو کچھ فیصلہ ہوگا اس سے آپ کو مفصل اطلاع دیجائے گی۔"

اگرچہ پنڈاری ہماری زبردست افواج متعینہ سرحد کے سامنے سے گزر جانے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اس سے ہماری یہ حماقت بخوبی ظاہر ہو گئی ہے کہ مدافعانہ طور پر اس بلا کی روک تھام نہیں ہو سکتی ہے ہماری فوج نے بڑی سرگرمی سے کام لیکر اور پوری کوشش کر کے ان قزاقوں کو کئی بار شکست فاش بھی دی ہے لیکن ہماری کسی فتح مندی کا تذکرہ مالوہ کے کسی دیسی اخبار میں شائع نہیں ہوا ہے حالانکہ ہمارے ملک میں پنڈاریوں کی لوٹ مار کے کارنامے۔ ہماری فوجوں کی شکست اور یورپین افسران کے قتل کے واقعات ان اخبارات میں بڑی آب و تاب سے درج ہوتے ہیں

لے مراسلہ کپتان کلوز بنام مسٹر ایڈم مورخہ ۱۹ مارچ ۱۸۱۹ء

ان خبروں میں خواہ کیسا ہی مبالغہ اور غلط بیانی کیوں نہ ہو لیکن وہ جماعتیں ان خبروں کو بالکل سچ سمجھتی ہیں جن کے واسطے یہ درج اخبار ہوتی ہیں اور اگر کسی دور دراز مقام پر پنڈاریوں کی شکست بھی ہوتی ہے تو اس کے اثرات محو کرنے کے لئے یہ افسانے کافی ہوتے ہیں۔

(۱۶۸)

اس بیان سے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ پنڈاری اپنے کو انگریزوں سے برسر جنگ تصور کرتے ہیں اور وہ انگریزوں اور ان کے حلیفوں کے خلاف ہر ممکن کوشش کرنے پر آمادہ ہیں اور انھیں یقین ہے کہ ہمارے عادات و خصائل اور مفاد کی یکسانی کے باعث مالوے کی غارت گر ریاستوں سے ہم کو ضرور امداد ملے گی لیکن تازہ واقعات نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اگرچہ اس جماعت کی سلامتی کے لئے ان میں اتحاد ہونا لابدی امر ہے لیکن اندرونی جھگڑوں کی وجہ سے ان میں آپس میں بڑی مخالفت ہے اور انھیں اندازہ ہوگیا ہے کہ کسی خاص خطرہ کے نمودار ہونے کے بعد وہ ایک دوسرے پر کسقدر کم اعتماد کر سکتے ہیں اور ان سے کچھ خائف ہو جانے کی وجہ سے ان کی آپس کی مخالفتیں اور بھی زیادہ بڑھ گئی ہیں۔

غارت گر ریاستوں کے متعلق جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خواہ دیگر حالتوں میں کچھ امتیازی اختلافات ان میں موجود ہوں لیکن اپنی ضروریات عادات و خصائل اور حرکات و سکنات میں وہ ایک دوسرے سے اسقدر پیوستہ ہیں اور ان کی حکمت عملی اس قدر پیچیدہ ہے کہ جب تک ان کی موجودہ حالت قایم ہے انھیں ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناممکن ہے اور ہم کئی سال سے دیکھ رہے ہیں کہ مدافعانہ تدابیر کرنے اور اپنی قوت کے مظاہرے پر بھی ہمارے حلیفوں کے علاقوں میں ڈکیتیاں ہوتی ہیں۔ ہماری رعایا قتل کی جاتی ہے اور ہمارا کثیر روپیہ خرچ ہوتا ہے اور ہمارے صبر و تحمل کا صرف یہ نتیجہ برآمد ہوا ہے کہ ہمارے دوستوں کے دل سے بھی ہمارا اعتماد

اٹھایا جاتا ہے اور ہمارے دشمن ہماری تباہی کی توقع پر خوشیاں منارہے ہیں اور یہ بتا دینے سے ہماری کیا تسکین ہو سکتی ہے کہ اس طرح جو نقصانات ہمیں پہونچے ہیں ان کی ذمہ داری کس حد تک ایک دوسرے فریق پر عائد ہوتی ہے اور یہ کہ ہمارے حلیفوں ہی کے طرز عمل کے یہ نتائج ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دولت راؤ سندھیا نے ۱۰ سال سے جو رویہ اختیار کیا ہے اسی کی بدولت ہم زیادہ تر اس مصیبت میں مبتلا ہیں اور حکومت ہلکر کے رویہ کا بھی یہی نتیجہ برآمد ہوا ہے اور امیر خاں تو ایک مشہور ڈاکو ہے اور یہ سب پنڈاریوں سے اسقدر ملے ہوئے ہیں کہ ہمیں یا تو حملہ آور ہونے سے احتراز کرنا چاہئے یا ان سب کا مقابلہ کرنیکو تیار رہنا چاہئے۔ میرے نزدیک اس میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا ہے کہ (۱۶۹) اس موقع پر ہمیں وہ کارروائی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے جو اپنی عزت فوائد اور سلامتی کی خاطر ہمیں اختیار کرنی ضروری ہے اور اگر ہماری حکمت عملی اجازت دے تو ہم سندھیا اور ہلکر دونوں سے صاف طور پر کہہ دینے کا پورا حق رکھتے ہیں کہ آپ کے طرز عمل نے ۱۸۰۶ء کے معاہدے کو باطل کر دیا ہے اور موجودہ صورت میں سلطنت برطانیہ ان ذمہ داریوں سے بری ہے جن کا اس معاہدہ میں اقرار کیا گیا تھا۔ اور ہم اپنے نزدیک آپ سے جو مطالبے کرنے کے مستحق ہیں ان مطالبات کی تعمیل یا عدم تعمیل پر ہمارے اور آپ کے آیندہ تعلقات کا انحصار ہو گا۔

جہاں تک کہ استحقاق کا تعلق ہے امیر خاں سے معاملہ طے کرنے میں ہمیں کچھ دشواری پیش نہ آئے گی کیونکہ اس کے متعلق تو صرف قرین مصلحت ہی کا سوال ہے اور ہماری ناموری ہرگز پنڈاریوں سے صلح کی بات چیت کرنے کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ پنڈاریوں کے ساتھ جنگ ہونے کے دوران میں خاص خاص سرداروں کی کارروائیاں اُن پر لطف و کرم کرنے اور انھیں انعامات دینے کی سفارش کریں گی لیکن جو کچھ پیش آچکا ہے اس کے بعد تاوقتیکہ پنڈاری مغلوب نہ ہو جائیں ایسے

کسی سردار سے کسی قسم کی گفتگو یا مصالحت کرنا سخت ذلیل حرکت ہے۔ کسی ایسی جنگ کو مجبوراً چھیڑنا جس میں دشمن محسوس نہ ہو ہرگز قابل اطمینان کارروائی نہیں ہو سکتی اور ایسے جنگ کے حدود اور جنگی تدابیر کے دائرہ کا تعین کرنا ہی ناممکن ہے لیکن بدقسمتی سے بجز اس کے اور چارۂ کار ہی کیا ہے اور جنگ کی ضرورت تسلیم کرکے (خواہ اس کے لئے ہم آمادہ ہوں یا نہ ہوں) ہم اس بلا کے دفعیہ کی تدابیر کرنا چاہتے ہیں خواہ ہماری کوشش کا کچھ ہی انجام کیوں نہ ہو اس معاملے میں صرف دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔

اول یہ کہ جو واقعات رونما ہو چکے ہیں ان کے بعد کیا حکومت برطانیہ کے لئے پنڈاریوں پر سخت حملہ کرنے میں مزید تاخیر سے کام لینا ممکن ہے؟

دوسرے یہ کہ کیا مالوہ کی غارت گر ریاستوں کی پوری امداد حاصل کرنے یا انکا علانیہ مقابلہ کرنے کے بغیر ہم اپنی جنگی کارروائی کو جاری رکھ سکتے ہیں جن کے ساتھ پنڈاریوں کے اس قدر گہرے تعلقات ہیں کہ ان ریاستوں کی پوری شرکت یا علیحدگی بغیر ہمیں ان خطرات سے عارضی نجات مل جانے سے زیادہ کوئی فائدہ (باوجود اپنی اعلیٰ فوجی قوت کے) ہرگز میسر نہیں آسکتا۔ (۱۷۰)

ان سوالات کا صرف ایک جواب ہو سکتا ہے (کم از کم جہانتک اس مسئلہ کا تعلق ہے) اس خط کے شروع میں اپنے یہاں کی حکمت عملی کے دو متضاد طریقوں کا میں تذکرہ کر چکا ہوں اور فی الحقیقت اب ان کی بابت کسی مزید دلیل کے پیش کرنے کی کوئی حاجت نہیں معلوم ہوتی ہے بفرض محال اگر مارکوئس ویلزلی کی قرار دی ہوئی حکمت عملی بالکل غلط تھی اور دوسرا طریقہ پسندیدہ اور دانشمندانہ ہے لیکن اس سے واقعات کی حقیقی نوعیت نہیں تبدیل ہوتی ہے اور ہمیں اس پر صرف بحث کرنا ہے ایسے واقعات رونما ہوئے جن کے وقوع کی ہمیں ہرگز امید نہ تھی

اور سب کے ساتھ امن سے رہنے کی بابت ان واقعات کی بدولت ہمیں اپنے خیالات میں مایوسی حاصل ہوئی اور جن ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کرنے سے ہم نے قطعی اجتناب کیا تھا وہ آپس میں برسر جنگ و جدال ہوگئیں اور انھوں نے اپنی آمدنی کے جملہ وسائل کو غیر مختتم جنگ میں صرف کر دیا"۔ چنانچہ رفتہ رفتہ بدامنی کا دائرہ وسیع ہوگیا اور لٹیروں کی جماعتوں نے دور تک چھاپے مارنے شروع کر دئیے جن کی اس طرز عمل نے حمایت اور حوصلہ افزائی کی ہے اور ہمارے علاقے اور ہمارے حلیفوں کی ریاستیں انکی ظالمانہ لوٹ مار کا میدان بن گئی ہیں۔ اس زیادتی کی سزا دینے اور اس کے انسداد میں ہمیں کسی خاص نظام عمل کے قواعد کی پابندی کا لحاظ نہ رکھنا چاہیئے بلکہ اپنی حالت اور ان لوگوں کی حقیقی کیفیت مدنظر رکھنی چاہیئے جن کی حرکات نے ہمیں میدان جنگ میں آنے کے واسطے مجبور کر دیا ہے اس میں شک نہیں کہ انگلستان کے نگران افسران کے نہ صرف احکام بلکہ خواہشات کی تعمیل کرنا حکومت ہند پر فرض ہے لیکن موجودہ جیسے نازک موقع پر وہ حکومت ہند کے لئے صرف شاہراہ عمل تجویز کر سکتے ہیں (جہاں تک کہ اس مسئلہ کا تعلق ہے) ان کے خیالات کا پیشتر ہی اندازہ ہو سکتا ہے اس معاملے کی بابتہ ان کے وہی خیالات ہوں گے جو ایسے موقعوں پر پیشتر ظاہر ہوے تھے، وہ سیاسی تعلقات بڑھانے (۱۷۱) اور جنگ و جدال کرنے کے مخالف ہیں لیکن وہ اپنی رعایا کی حفاظت کرنیکے مقدس فرض سے ہرگز روگردانی نہیں کریں گے۔ اور ان تجاویز کی منظوری دینے میں انھیں ہرگز تامل نہوگا جن کا منشا ظلم و ستم پر سزا دینا اور آئندہ کے لئے اس کا تدارک کرنا ہے اگرچہ وہ حرص و ہوس کے جملہ تجاویز کے مخالف ہیں خواہ ان سے کیسے ہی فوائد حاصل ہونے کی توقع کیوں نہ ہو اور مصارف کی زیادتی سے مالی مشکلات میں مبتلا ہو جانیسے ڈرتے ہیں لیکن یہ قیاس کر لینا ان کی فہم و فراست کی سخت اہانت ہوگی کہ وہ کسی ایسی حکمت عملی کو پسند کر لیں گے جس کی بدولت انکی رعایا کی

سلامتی ان کی سلطنت کا امن و سکون ان کی حکومت کی ناموری اور اپنے حلیفوں کا اعتماد جاتا رہے مگر ناگزیر پیچیدگیوں سے برائے چندے نجات مل جائے حالانکہ ان سے مزید مشکلات پیدا ہو کر رہیں گی اور ان خرابیوں کے دفعیہ میں تاخیر کے ساتھ مصارف بھی بڑھتے جائیں گے۔

میں نے ہندوستان کی ریاستوں کی حقیقی حالت اور ان میں سے ہر ایک ریاست کے ساتھ اپنے تعلقات اور پنڈاریوں پر حملہ آور ہونے کی ضرورت اور استحقاق اور مالوہ کی ریاستوں سے مصالحت کرنے کے طریقے کی بابت اپنے خیالات مفصل طور پر بیان کر دئے ہیں جس سے کہ ہم اپنے علاقوں اور اپنے حلیفوں کی ریاستوں میں امن قایم کر سکتے ہیں اور جو تدابیر ہم کو اختیار کرنی چاہئیں ان کی نوعیت کے متعلق سرسری طور پر بیان کر دینے کے بعد میں اپنی رائے حسب ذیل امور کے متعلق پیش کرتا ہوں کہ کس حد تک ہمیں فوجی تیاریاں کرنی چاہئیں کس کس مقام پر ہمیں فوراً قبضہ کر لینا چاہئے سندھیا۔ ہلکر اور امیر خاں کے روبرو ہمیں اپنے فلاں فلاں مطالبات پیش کرنے چاہئیں اور پھر ان حکمرانوں کے اغلب طرز عمل کی بابت اپنے خیالات ظاہر کر کے نتیجہ نکالوں گا۔

اس مسئلہ کے اس جز پر بحث کرنے میں سر دست میں صرف اپنی اس رائے کو پیش کرتا ہوں جو پیشتر ظاہر کر دی گئی ہے کہ اگر ہم پنڈاریوں پر حملہ آور ہونے کیلئے مجبور ہو جائیں تو ہمیں کیا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے اور یہ رائے ظاہر کرنیکے بعد سے جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کے متعلق میں اپنے خیالات اب ظاہر کرتا ہوں۔

(۱۷۴) ان لٹیروں کے ہمارے علاقوں میں دو حملے ہوئے۔ ان کے مزید حملے ہونے کے اعلان۔ دولت راؤ سندھیا سے انھیں امداد ملنے۔ ہماری فہمائشات پر عدم توجہی اور انکی تعمیل سے پہلو تہی کرنے اور مزید براں راجہ ناگپور کے عام مدافعانہ معاہدے میں شرکت کرنے پر راضی ہو جانے سے اس مسئلے میں زبردست تبدیلیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ میرے نزدیک صرف

پنداریوں بلکہ عام غارت گر یاستوں کی سرکوبی یا سمجھوتے کے لئے ہماری دست اندازی کے پیشتر سے زیادہ معقول وجوہ اب موجود ہیں اور اس مقصد کے حصول میں کامیابی کی بہت کچھ توقع پائی جاتی ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ ہمیں اپنا مقصد حسب ذیل تین طریقوں میں سے کسی ایک کو اختیار کرکے حاصل کرنا چاہیئے اول یہ کہ ہم پنڈاریوں اور ان غارت گر یاستوں کے خلاف اعلان جنگ دیدیں جنھیں ہم پنڈاریوں کا حامی اور محافظ تصور کرتے ہیں اور تا وقتیکہ یہ ریاستیں ہماری مجوزہ شرائط کو بے چون وچرا فوراً تسلیم کرلیں ہم ان کے ملک کو فتح کرکے اپنے مقبوضات میں شامل کرلیں۔

دوسرے یہ کہ ہم اپنی ساری جد وجہد پنڈاریوں کو ان کی آمد ورفت کے مقامات سے نکال باہر کرنے تک محدود رکھیں اور انتظار کریں کہ ہماری فوجیں ان کی کسقدر روک تھام کرتی ہیں اور سندھیا۔ ہلکر اور امیر خاں سے ہمیں کس قسم کے خدشے پیش آسکتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ ہم مفتوحہ علاقے اپنے حلیفوں کو واپس دیدیں یا عطا کردیں اور ہم خود ایسے انتظامات پر قناعت کرلیں جو قیام امن کے لئے ہماری فوجوں کے مصارف کے لئے کافی وشافی ہوں۔

پہلی تجویز جہانتک کہ میں اندازہ کرسکتا ہوں نہیں منظور کی جاسکتی ہے کیونکہ وہ حکمت عملی کے ان اصولوں کے خلاف ہے جو ہماری حکومت ہند کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور جہاں تک میں اندازہ کرسکا ہوں وہ ہمارے مفاد کے بھی منافی ہے۔ اگرچہ ہم باوجود اپنی برعکس کوششوں کے دوسروں کے علاقوں پر قبضہ کرنے پر برابر مجبور ہوتے جائیں گے عام دلائل کے علاوہ جو اس حکمت عملی کی مخالفت کرتے ہیں مالوہ کی رعایا کی طبائع بھی اس بات کو گوارہ نہ کریں گی کہ وہاں کی زمام حکومت فوراً حکومت برطانیہ کے ہاتھ میں منتقل ہو جائے جس کے باعث ہمیں کئی سال تک (۱۷۳) اس صوبہ میں فوج برقرار رکھنی پڑے گی لہذا یہ کوئی معمولی اعتراض نہیں ہے کہ اس تجویز پر عمل پیرا ہونے سے ہم ان حضرات کو صلہ دینے کے

وسائل سے بڑی حد تک محروم ہو جائیں گے جو پیش آنے والی جنگ میں امداد دے سکتے ہیں حقیقت الامر یہ ہے کہ اگر سندھیا یا ہلکر ہمیں اشتعال دیکر جنگ شروع کردیں تو ان کی حکومت کا خاتمہ کرنے کے لئے ہمیں انہی کی ریاست میں کافی مسالہ مل سکتا ہے اور وہاں پر امن قایم کرنے کے لئے اور دوسرے ایسے رئیسوں کو بر سر اقتدار کر سکتے ہیں جو وہاں امن برقرار رکھنے کے اہل ہوں اس لئے اپنے واسطے مالوہ پر قبضہ کرلینا نہایت نامناسب ہے اگرچہ یہ ممکن ہے کہ ہم ان لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کرلیں جن کے حوالے اسے کیا جائے۔ کیونکہ براہ راست اپنی حکومت قایم کرنے اور اپنے اقتدار سے کام لینے میں بہت بڑا فرق ہے۔

دوسری تجویز کی بابت جس کا تعلق صرف پنڈاریوں کا اخراج اپنی فوجوں کے بعید مقامات پر بھروسہ کرنے اور اپنی آیندہ سلامتی کے متعلق سندھیا۔ ہلکر اور امیر خاں کے فیصلے سے ہے،

میں صرف اسقدر عرض کروں گا کہ (جو کچھ وقوع میں آچکا ہے اسکے بعد) یہ نہایت گراں اور غیر محفوظ تجویز جارحانہ کارروائی کی بابت ہے اور مالوہ کی چند کمزور اور منتشر ریاستوں کا حلقہ کرنے کے لئے اپنی فوج سے قواعد کرانے سے جس کا صرف اسقدر نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ چھوٹے چھوٹے قلعوں اور پہاڑی علاقوں سے چند پنڈاریوں کو ایک فصل کے لئے نکال دیا جائے یہ بھی بہتر ہوگا کہ مدافعت کے لئے اپنی فوجوں کو کمزور سرحدوں ہی پر پڑا رہنے دیں یا اپنے دیہات کو مسلح کردیں اور یہ حکم دیدیں کہ تم پنڈاریوں کے حملوں کا مقابلہ کیا کرو۔ اس تدبیر کا بھی صرف یہ نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے کہ ہماری وقعت کم ہو جائے ہمارے دشمنوں کی حوصلہ افزائی ہو اور ہر سال یا زیادہ سے زیادہ ہر دوسرے سال ہمیں تازہ حملوں کے انتقام کے لئے نئی تیاریاں کرنی پڑیں اور فضول جنگ کے اثرات زائل کرنیکی کوشش کرنی پڑے۔

میرے نزدیک آخری یعنی تیسری تجویز ہر طرح پر نہایت عمدہ ہے (۱۷

جس کی یہ غرض ہے کہ جو ملک ہم فتح کر لیں وہ اپنے حلیفوں کو یا واپس دیدیں یا بطور صلہ کے عطا کر دیں اور ہم صرف ایسے انتظامات پر قناعت کر لیں جو قیام امن کے لئے ہماری فوجوں کے مصارف ادا کرنے کے لئے ضروری ہوں۔ اس سے ہماری کارروائی ایک مستحکم بنا پر قایم ہو جائے گی اور ہمارے طرز عمل سے سارے ہندوستان پر یہ بات روشن ہو جائے گی کہ ہم طامع اور حریص نہیں ہیں۔ اور نہ توسیع عملداری کے خواہاں ہیں اور ہم نے نہ صرف ظلم و زیادتی کا مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا ہے بلکہ اُسے دوبارہ رونما بھی نہونے دیں گے اور ہم نے عزم بالجزم کر لیا ہے کہ جن لوگوں کی بدنیتی یا بری حکومت سے یہ حالت پیدا ہو گئی ہے ہم انھیں اس بات پر مجبور کریں کہ وہ اس کے انسداد کے لئے روپیہ اور آدمیوں سے امداد دیں اور اس جنگ کی مصیبتوں اور بلاؤں میں حصہ لیں جو ان کی حکمت عملی کی بدولت ہمیں پیش آئی ہیں اور میں جیسا کہ پیشتر عرض کر چکا ہوں اس تدبیر سے پنڈاریوں کے استیصال کے لئے بہت کافی مسالہ ہمارے ہاتھ آجائے گا۔ سندھیا۔ ہلکر اور امیر خاں کے ارادے معلوم ہو گئے اب تا وقتیکہ ان کا آئندہ کا رویہ نہ معلوم ہو جائے کہ کیا رہے گا اس وقت تک جنگ کی بابت کوئی تجویز پیش کرنا قطعی ناممکن ہے کیونکہ ہم نہیں جان سکتے کہ ہمارے دشمنوں کی تعداد اور حالت کیا ہے سر دست ہم اپنے کو پنڈاریوں سے برسر جنگ تصور کر سکتے ہیں اور غالبا ان کے علاوہ ہمیں کسی اور سے لڑنا مقصود بھی نہیں ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ جملہ لٹیرے سردار اپنے بھائیوں کو تباہی سے بچانے کے لئے متحد ہو جائیں اور ہمیں ان سب کے مقابلے کے لئے تیاری کرنی ہو۔ اس لئے ہم جسقدر فوج کا مظاہرہ کریں گے اور جسقدر مخالفانہ روش اختیار کریں گے ٹھیک اسی حد تک ہم ان رؤسا سے جنگ کرنے میں احتراز کر سکیں گے اور اگر جنگ وقوع میں آئی تو اس قدر جلد ہم اُسے کامیابی کے ساتھ ختم کر سکیں گے۔

ہماری جو فوج دکن میں موجود ہے اور اس میں مزید فوجیں شامل

کرو دینے سے اتنی زبردست تین فوجیں تیار ہو سکتی ہیں کہ ان میں سے ایک ایک فوج اسقدر زبردست ہوگی جو بڑی سے بڑی فوج کا مقابلہ کرنے کے لئے کافی ہوگی۔ ان میں سے ایک فوج نربدا کے کنارے بمقام ہنڈیا[1] تعینات کر دینی چاہیئے تاکہ ہماری فوج میدان کارزار کے قریب پہنچ سکے اور کرنل ایڈم کی افواج متعینۂ ریاست ناگپور سے اس کا تعلق رہے اور ایلچ پور کی فوج سے اُسے امداد مل سکے اور جب ہماری فوج نربدا کو عبور کرے گی تو ہماری ایلچ پور کی فوج جا کر اُس سے مل جائے گی اور جب تک کہ سندھیا اور ہلکر کی حکمت عملی کا فیصلہ نہ ہو جائے اسوقت تک ہماری پونا کی فوج مالوہ کی کسی جنگ میں امداد کے لئے قدم نہیں بڑھا سکتی ہے کیونکہ اگر سندھیا و ہلکر جنگ شروع کریں گے تو ان کے علاقۂ خاندیس کی تسخیر کے لئے اس کی ضرورت ہوگی اور اشد ضرورت ہے کہ نربدا کے پایاب ہونے سے چند ماہ قبل اس معاملے کا فیصلہ ہو جائے تاکہ (اگر یہ راجے ہمارے خلاف ہوں) تو آسیر گڈھ۔ چاندور اور جالنہ پر قبضہ کر لینے کے بعد یہ فوج پیش قدمی کر کے نربدا کے کنارے چھولی ماہیسر کے نزدیک جا پہونچے جو ہر طرح نہایت اہم ہے کیونکہ یہ مقام ہنڈیا کی فوج کے قریب دائیں سمت سے ملا ہوا ہے اور گجرات کے سرحدی مقبوضات سے بھی اسکا سلسلہ ملا ہوا ہے اور وہاں سے ہماری فوج مالوے کی وسط میں پہونچ سکتی ہے۔

ریاست حیدرآباد و پونا کے دارالحکومت میں بھی فوجیں درکار ہوں گی اور ہمیں اپنے حلیفوں کی ریاست کی حفاظت کے واسطے بھی کچھ رسالے چھوڑنے پڑیں گے مبادا لٹیروں کی جماعتیں اگلی صفوں سے گذر کر ان کو تاخت و تاراج کر دیں لیکن ہم جسقدر بھی جنگی تیاریاں کر سکتے ہیں ان سب سے ہر ایک خطرہ کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے اور ہیں اس رائے کا

۱۸۰۱)

[1] ہنڈیا کرنل ایڈم کی خاص قیام گاہ ہوشنگ آباد سے ۶۰ میل۔ ایلچپور سے ۹۰ میل چھولی مو ہیسر سے ۱۰۰ میل اور بھوپال سے ۶۰ میل کے فاصلہ پر ہے۔

(۱۷۶) موئید ہوں کہ ہم چند روز کے لئے اپنے علاقہ اور اپنے رفیقوں کی ریاستوں میں بدامنی ہو جانے کو گوارہ کرلیں لیکن ہم جس لڑائی میں مصروف ہوں اس کا جلد فیصلہ کرنے کی پوری کوشش کریں اور میں اپنے اس عقیدہ کی بنا پر یہ طرز عمل پسند کرتا ہوں کہ ہماری رعایا کے لئے دائمی امن صرف اسی طور پر کامیاب ہونے سے حاصل ہو سکتا ہے اس سے میری ہرگز یہ غرض نہیں ہے کہ ہم اس بلا سے محفوظ رہنے کے لئے کوئی تیاری نہ کریں جس سے ہمیں ضرور مقابلہ کرنا پڑے گا بلکہ اس سے میرا یہ منشا ہے کہ اپنے دشمن کی بیخ کنی کے لئے ہم اس تدبیر کو دوسرے درجہ کی تصور کریں۔

مجھے امید ہے کہ حکومت بمبئی پیشوا کی ریاست کی فوجوں کو ضروری امداد دینے کے بعد اپنی بائی فوج کو اسقدر آراستہ اور تیار کردے گی کہ وہ پیش قدمی کرکے گجرات کی سرحد پر جا پہونچے اور جب اس علاقے میں یہ فوج قابض ہو جائیگی تو نربدا کے کنارے چھوٹی ماہیسری توجون اور چہبل کے کنارے کی فوج سے اس کا سلسلہ مل جائیگا جو ہندوستان سے پیش قدمی کرکے وہاں پہونچ جائے گی اور اگر ہماری حکمت عملی کا اقتضا ہوگا تو یہ فوج اودے پور اور جودہ پور کے راجپوت راجاؤں کی حفاظت بھی کرسکے گی۔

ہمارے علاقہ۔ ہندوستان کی سرحد پر ضروری تیاریوں کے متعلق میں نے اپنے یہ خیالات ظاہر کئے ہیں اگرچہ مجھے اپنی اس رائے پر وثوق نہیں ہے لیکن اپنے ذاتی تجربے اور اُن خیالات کی بنا پر جو میں نے متعدد سرکاری کاغذات میں دیکھے ہیں میں نے اپنی یہ رائے قایم کی ہے کہ سیاسی اور فوجی وجوہ اس امر کی سفارش کرتے ہیں کہ ایک فوج تو ریاست جے پور کی سرحد پر تعنیات کردی جائے اور ایک فوج ساگر کے قریب متعین ہو اول فوج کا سلسلہ دہلی سے براہ ریواڑی رہے گا اور آگرہ کی محفوظ سپاہ اسکی معاون ہوگی اور دوسری فوج روہیلکھنڈ[۱] کی

[۱] کپتان کلوز نے چاندپور کے قریب دریائے سندھ پر ایک فوج تعنیات کرنے کی سفارش کی ہے کیونکہ یہ مقام ہمارے ماتحت راجہ دتیا کے علاقہ میں ہے اور گوالیار سے یہ جگہ صرف تیس[۲] میل کے فاصلے پر ہے۔

۱۷) محفوظ سپاہ کی امداد سے پورے طور پر سندھیا کی روک تھام کرتی رہے گی (اور تاوقتیکہ وہ کھلم کھلا دشمن نہ ہو جائے اوسکی روک تھام رہے گی) اگر وہ اسی مقام پر رہے جہاں پر متصل گوالیار وہ پانچ سال سے مقیم ہے مجوزہ فوجوں کی تعداد اور ترتیب کا انحصار واقعات پر ہے۔

میری تمنا تو یہ ہے کہ ہمارے پاس اسقدر فوج ہو کہ اس میں ایک رجمنٹ انگریزوں کی ۶۰ بٹالین پیدل فوج کی۔ دو رسالے سواروں کے مع مختصر توپ خانے اور ایک بیقاعدہ سواروں کا رسالہ ہو اور ہمارے دشمن سب متفق ہو کر بھی جسقدر فوج میدان جنگ میں لا سکتے ہیں اس کا مقابلہ کرنے اور شکست دینے کے لئے ہماری یہ فوج بہت کافی ہو گی لیکن اس فوج کے سواروں سے لٹیرے سواروں کے گرد ہوں کا مقابلہ کرنے میں کامیابی کی زیادہ توقع نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ فوج قلعے فتح کرے گی فوجی چوکیوں پر اپنا قبضہ کرے گی۔ اور جہاں چاہے گی غنیم کی صفوں کو چیر کر نکل جائے گی لیکن پنڈاری اور ان کے رفیق جیسے غنیم کے خلاف جدوجہد کرنے میں اُسے ہمیشہ پریشانیاں لاحق ہوں گی اور اس کے لئے رسد کی آمد و رفت ہمیشہ منقطع کر دی جائے گی۔ اس لئے اگر فی الحقیقت اس فوج سے غنیم کا مقابلہ کیا جائے تو اس کا دائرہ عمل اس کی رسد کے ذخیرہ کے حلقہ تک ہمیشہ محدود رکھنا چاہئے۔ اگر ہماری حکمت عملی اجازت دے تو ہم اپنے توپ خانے کے دو حصے کر دیں اور اس توپ خانے کو زیادہ لڑنے والی فوج کے ساتھ لگا دیں مگر اس پر بھی ہمیں اپنی فوج کے اس شعبے کے نقائص رفع کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کرنی چاہئے اگر سواروں کے مزید رسالے بھرتی نہ کئے جائیں تو رسد بہم پہونچانے والوں کی تعداد میں ضرور اضافہ کرنا چاہیے اور جنگ میں چونکہ اموات کی توقع کیجاتی ہے اس لئے مرتے والوں کی کمی کو پورا کرنے کے لئے قواعد سکھا کر مزید سپاہی بھیجدئے جائیں۔

یہ تجویز پیش کی گئی ہے (اور یہ تجویز نہایت عمدہ ہے) کہ پیدل فوج کے

ایک حصہ کو ٹٹوؤں یا چھوٹے گھوڑوں پر سوار کر دیا جائے جو کہ دکن میں باربرداری کا عام جانور ہے (ہندوستان میں اس کام کے لئے اونٹ زیادہ موزوں ہے) اور چونکہ اس تدبیر سے ہماری فوج کے ایک حصے کو جلد نقل و حرکت کرنے کی قوت مل جائے گی۔ اس لئے ایک حد تک یہ نقص جس کا کہ ذکر ہو چکا ہے رفع ہو جائے گا۔ اس خرابی کو رفع کرنے کی دوسری تدبیر یہ ہے کہ بیقاعدہ سواروں کی تعداد بڑھادی جائے میں اس سے قبل بیقاعدہ سواروں کی تعداد میں اضافہ کرنے کی خوبی کی بابت اپنے خیالات وضاحت کے ساتھ بیان کر چکا ہوں اور یہ دیکھکر مجھے بیحد مسرت ہوتی ہے کہ میری اس تجویز پر عملدرآمد ہو گیا ہے یہ سوار اگرچہ ہمارے باقاعدہ سواروں کے مقابلے میں حقیر ہوں گے لیکن وہ غنیم کے سواروں کے برابر ہوں گے اور اگر ان کو ٹھیک طور پر تربیت دی جائے تو وہ غنیم کے سواروں سے اعلےٰ اور افضل ثابت ہوں گے علاوہ بریں یہ لوگ اسی قوم کے ہوتے ہیں جن سے (۱۷۸) کہ ہمارا مقابلہ ہوگا اور میں اپنی تجویز پر زور دیکر پھر کہتا ہوں کہ جنگ سے قبل اور دوران جنگ میں بھی اس شعبہ کی تعداد میں ضرور اضافہ کرنا چاہیے اور ہماری فوج کا صرف یہی شعبہ ایسا ہے جس کے لئے ہمیں اپنے حلیفوں سے امداد ملنے کی توقع ہو سکتی ہے۔ اپنی فوج کے اسی شعبہ کی بدولت ہم کامیابی کی زیادہ تر توقع کر سکتے ہیں اور جو ذرایع ہمیں سردست حاصل ہیں اور آیندہ ہمیں حاصل ہو جائیں گے ان سے کام لیکر ہم لٹیروں کو لٹیروں ہی کے ہاتھ سے مغلوب کرائیں گے۔ جن لوگوں نے بدامنی اور کشت و خون کا بازار گرم کیا ہے ہم انھیں کو امن و ضابطہ کرنے کا آلۂ کار بنائیں گے لیکن دیگر امور سے ہماری تجویز کے اس حصے کا یند نسبت زیادہ نازک ہے۔ یہ جماعتیں جب ہماری فوج میں داخل ہوں یا ہمیں مدد دے رہی ہوں اس وقت ان کا اندازہ صرف فوجی قواعد سے نہ کرنا چاہئے ہمیں یہ امید ہرگز نہیں کہ یہ لوگ ہماری فوج کی شجاعت اور ضابطے کی پابندی دیکھکر ان سے سبقت لے جانے کی کوشش کریں گے ان کی نوعیت

اور ان کے عادات و خصائل بالکل جداگانہ ہیں اور صرف اسقدر کافی ہوگا کہ
ہم نہایت شفقت اور حوصلہ افزائی سے انھیں ان فرائض کے انجام دینے
پر بغیر مصائب طور پر آمادہ کریں جن کے لئے وہ نہایت موزوں ہیں اس جماعت
کی خدمات سیاسی معنی میں خواہ کسی شرط پر کیوں حاصل نہ ہوں ضرور مفید ثابت
ہوں گی کیونکہ اس تدبیر سے وہ ہمارے مخالف نہ بن سکیں گے اور اگر بیکار رہیں گے
تو ان کے مخالف ہو جانیکا قوی احتمال ہے اور میں نے جہاں تک ہندوستان ۱۷
کے ہر حصے میں اس قسم کے سواروں کو دیکھا ہے اس سے مجھے پورا یقین
ہے کہ یہ جماعت لڑائی میں ہمارے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگی اور اس پر
عمل پیرا ہونیکے لئے ان کے عادات و خصائل کا مطالعہ کرنا چاہئے اور ان کے
جوش کو قایم رکھنا چاہئے اور ایسی تدبیریں عمل میں لانی چاہئیں جن سے
انھیں سرگرمی کے ساتھ کام کرنے کا شوق پیدا ہو۔ وہ اپنی کوشش اور خدمات
کا صلہ مال غنیمت کو تصور کرتے ہیں لیکن ہمارے سپاہی کی خدمات کا انعام
مال غنیمت نہیں ہوتا ہے اگرچہ اکثر وہ اس کے پانے کا مستحق ہو جاتا ہے
لیکن ضابطے کی پابندی کے باعث وہ اسکی طرف توجہ نہیں کرتا ہے قبل
اس کے کہ میں اپنے خیالات اس حکمت عملی کے متعلق ظاہر کروں جو
ہمیں سندھیا، ہلکر اور امیر خاں کے متعلق اختیار کرنی چاہئے یہ عرض کر دینا ضروری
معلوم ہوتا ہے کہ جن وجوہ نے ہمیں ہتھیار اٹھانے پر مجبور کیا ہے از ان جملہ انکا
طرز عمل بھی ایک وجہ ہے اور چونکہ ہم نے ان کی متحدہ مخالفت کا اندازہ کرکے
ایک وسیع پیمانے پر جنگی تیاریاں کی ہیں اس لئے ہمیں یہ تصور کرنا چاہیے کہ
ہم اس منزل سے گذر چکے ہیں جہاں پر بھی حکمران سے صلح کے متعلق گفتگو
کرنا دانشمندی کے خلاف ہے کیونکہ تجربہ نے ثابت کر دکھایا ہے کہ اس کا
انجام بجز ٹال مٹول۔ دغا بازی اور مایوسی کے کچھ اور نہ ہوگا۔ اس لئے ہمیں
اپنی کارروائی کے طریقے کی بابت مستقل رہنا چاہئے اور اس کے تعین کے
بعد ہم اپنے ایسے مطالبات پیش کریں جن کے پیش کرنیکے از روئے دلائل
و براہین و انصاف ہم مستحق ہیں اور اگر وہ منظور نہ کئے جائیں تو انکار کرنیوالے

فریق کو آمادہ بجنگ تصور کر لینا چاہئے۔
ہمارے مطالبات اسقدر معقول اور مدلل ہونے چاہئیں جسقدر کہ ہمارے اور ہمارے حلیفوں کے تحفظ کے لئے پیش کئے جا سکتے ہیں اور ان الفاظ سے صاف طور پر اعتدال اور استقلال نمایاں ہو جائے تاکہ ہمارے منشاء اور ہمارے عملی ارادوں کے سمجھنے میں کسی قسم کی غلطی نہ ہو سکے۔
اس مسئلہ پر بہت کچھ غور و تعوض کرنے کے بعد میں نے یہ رائے قایم کی ہے کہ صرف یہی ایک تدبیر ایسی ہے جس سے دولت راؤ سندھیا سے جنگ نہ ہونیکی کچھ توقع ہو سکتی ہے کیونکہ یہ امید محض فضول ہے کہ سندھیا سے بے تعلق رہکر ہم پنڈاریوں سے جنگ کر سکتے ہیں تاوقتیکہ ہم اس سے ایسے سخت قول قرار نہ لیں کہ ہماری دوستی ترک کر دینا اس کے لئے آسان نہ رہے ایسی جنگ میں اس کے عادات و خصائل۔ اس کے تعصبات اور اس کی خواہشات ہمارے خلاف ہونگی۔ البتہ ہم سے اس کا خوف زدہ ہونا ہمارے حق میں مفید ہے اس کی نیک نیتی اور اس کے وعدوں کا ایک لمحہ کے واسطے بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا ہے اگر اس وقت وہ آزاد چھوڑ دیا جائے تو وہ ہمارا خفیہ دشمن رہیگا اور ہماری اتفاقیہ شکست پر وہ سب سے اول کھلم کھلا ہمارا دشمن ہو جائیگا اور ہمیں ہرگز کوئی ایسی جنگی کارروائی نہ کرنی چاہئے جس سے ہماری ساری جنگ معلوج ہو جائے خواہ یہ راجہ بالکل تباہ ہی کیوں نہ ہو جائے ورنہ آخر میں ہمیں بہت سی پریشانیاں مصیبتیں اور کثیر مصارف برداشت کرنے ہوں گے۔
دولت راؤ سندھیا کے متعلق کارروائی کی شاہراہ ہم نے مقرر کر دی ہے اور اس سے کہدیا گیا ہے کہ "اب پنڈاریوں کی حرکتیں ناقابل برداشت ہو گئی ہیں سارا ہندوستان ان کے استیصال کا مطالبہ کر رہا ہے اور ان کا قلع قمع کرنے کے لئے سارے ہندوستان کو حرکت دیجائیگی۔ (خدانخواستہ) اگر مہاراجہ پنڈاریوں یا ان کے اہل و عیال کو پناہ دیگا تاکہ یہ مسلح جماعت آزادی کے ساتھ آوارہ گردی کرتی رہے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مہاراجہ نے

(۱۸۰)

ہندوستان کی ہر ایک سلطنت کو اعلان جنگ دیدیا ہے جنھوں نے بلا اشتعال ان بدمعاشوں کے ہاتھ سے سخت مظالم برداشت کئے ہیں اس خط کے ایک فقرہ میں یہ درج ہے کہ "حکومت برطانیہ آئندہ کے مظالم سے اپنی اور اپنے رفیقوں کی حفاظت چاہتی ہے اس کے علاوہ اسکی کوئی اور غرض نہیں ہے پنڈاریوں نے مہاراجہ کی جو جائداد غصب کرلی ہے وہ انھیں واپس دلا دیجائیگی اسی طرح دیگر ریاستوں کے جو علاقے انھوں نے ضبط کرلئے ہیں وہ ان ریاستوں کو واپس دیدئے جائیں گے۔ حکومت برطانیہ اپنی ترقی کی خواہاں نہیں ہے وہ تو صرف اس وبا کا دفعیہ چاہتی ہے جو دولت راؤ سندھیا کے حق میں بھی بہت جلد ویسی ہی خطرناک ہوجائے گی جیسی حضرت ناک اس کے ہمسایوں کے لئے ہورہی ہے" اس مراسلہ سے دولت راؤ سندھیا کے دل پر کچھ دہشت و خوف طاری ہوگیا لیکن پنڈاریوں کے خلاف جو کارروائی کرنیکا اس نے وعدہ کیا ہے اس سے اس کی حیلہ سازی کا مزید ثبوت ہمارے ہاتھ آگیا ہے اور اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اس کے خلاف سخت سے سخت کارروائی کرنے کے ہم ہر طرح پر مستحق ہیں ایسی صورت میں سندھیا سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ پنڈاریوں کے استیصال میں نہ صرف بخوشی امداد دینے کا وعدہ کرے بلکہ حکومت برطانیہ کو وہ پورا اطمینان دلادے کہ وہ ضرور ایسا ہی کرے گا۔ یہ مطالبہ جن دلائل پر مبنی ہے وہ پوری شرح و بسط کے ساتھ بیان کردئے جائیں اور اس کے جواب کے لئے بہت کم مہلت دی جائے اور اس مطالبے کا لہجہ ایسا ہو کہ اس سے ہمارا استقلال ظاہر ہوجائے۔ اس سے جو ضمانت طلب کی جاتی ہے وہ نہایت غور طلب مسئلہ ہے اسکی نوعیت ایسی ہو کہ پھر اس رئیس کا اپنی روش سے روگردانی کرنا اگر ناممکن نہیں تو نہایت دشوار ضرور بن جائے۔ اسکی تدبیر یہ ہے کہ وہ عارضی طور پر اپنے چند قلعے اور اپنی ریاست کا کچھ علاقہ ہمارے حوالے کردے جنھیں وہ نہایت قابل قدر تصور کرتا ہے اس شکل میں تو ہم اس کے وعدوں کا اعتبار کرسکتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ تاوقتیکہ ہمیں اس کا اعتبار نہو جائے

(۱۸۱)

ہمیں پنڈاریوں سے جنگ کرنے میں سخت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا
اور اس جنگ کو کامیابی کے ساتھ ختم کرنے کی بہت کم توقع بہ نسبت
اس صورت کے ہوگی جبکہ سندھیا ہمارا اعلانیہ دشمن ہوتا۔
ان دلائل کی بنا پر اس سے ضمانت طلب کرنے کی مجھے توصریح
ضرورت محسوس ہوتی ہے لیکن ہمارا یہ مطالبہ حتی المقدور نہایت معتدل
الفاظ میں ہمارے منشاء کے مطابق ہو اور میں ایسی تجاویز کے بجائے قدرے
نقصان برداشت کرنا گوارہ کرتا ہوں جن کے پیش کرنے سے وہ مایوس
اور ناامید ہو جائے اور اسے اپنی آئندہ آزادی اور سلامتی کے لالے پڑ جائیں۔
ہمیں سندھیا سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ وہ پنڈاریوں کے مغلوب
ہونے تک یا ۴، ۵ سال کے لئے اسیر گڈھ کا قلعہ اور شہر نیز ضلع برہان پور
ہمارے حوالے کردے۔ اور یہ بھی طے ہو سکتا ہے کہ مضافات اسیر گڈھ کے
علاوہ ہر جگہ کی مالگذاری اسی کے افسران وصول کریں اور انگریزی حکومت
کو یہ مالگذاری دیدیں جو قلعہ اسیر گڈھ اور شہر برہان پور کی حفاظت کرنے والی
فوج کی تنخواہ ہوں گے۔ لئے ایک معقول رقم ادا کردینے کے بعد باقی
روپیہ سندھیا کے سواروں پر صرف کرے گی جو شہر کی حفاظت کرنے
اور پنڈاریوں سے لڑنے کے لئے یورپین افسران کی ماتحتی میں ملازم رکھے
جائیں گے۔
اس مطالبے کے وجوہ ظاہر ہیں۔ چونکہ دریائے نربدا کے کنارے
پر اپنی فوجوں کا جو خط ہم قرار دیں گے اس کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھنے
کے لئے اشد ضرورت ہے کہ سامان رسد کا گودام بنانے کے لئے اسیر گڈھ
پر ہمارا قبضہ ہو کیونکہ اگر سندھیا ہمارا مخالف ہو جائے یا مشکوک رویہ اختیار
کرے یا خفیہ طور پر قلعہ دار کو یہ ہدایت کرے کہ کچھ حیلہ نکال کر میرے احکام
کے خلاف عملدرآمد کرنا (جو مہاراجہ کی پالیسی کے عین مطابق ہوگا) اور اس وقت

(۱۸۲)

لے اسیر گڈھ کا زبردست قلعہ سامان رسد کے گودام کے لئے نہایت موزوں ہے۔

یہ قلعہ سندھیا کے قبضہ میں ہو تو یہ قلعہ ہماری جنگ میں سنگ راہ ثابت ہوگا اور کسی نامناسب موقع پر ہم اس قلعہ پر قبضہ کرنے کے لئے ایک زبردست فوج روانہ کرنے پر مجبور ہوں گے۔

ہم منصفانہ طور پر یہ دعوے پیش کر سکتے ہیں کہ آئندہ والی جنگ میں یہ مقام ہمارے لئے نہایت کارآمد ثابت ہوگا اور سندھیا کے لئے وہ چنداں ضروری نہیں ہے اور ہم اسے یہ بھی جتا دیں کہ قبل اس کے کہ آپ اسے کچھ کمک بھیج سکیں، ہمیں اس پر قبضہ کرنے کی پوری قوت حاصل ہے اور ہم اپنی موجودہ ضرورت اور تمھاری روش کے باعث اس کارروائی کے انجام دینے میں بالکل حق بجانب ہیں اور اگر آپ یہ قلعہ کچھ عرصہ کے لئے بخوشی ہمارے حوالے کردیں گے تو برطانیہ کے ساتھ آپ کی دوستی کا سکہ سب ریاستوں کے دل پر بیٹھ جائے گا جو آپ کے کسی قول و قرار سے نہیں بیٹھ سکتا ہے۔ آپ کی حیلہ سازیوں سے آپ کا اعتبار ساقط ہو گیا ہے البتہ ہماری اس فرمائش کی تعمیل سے ہم آپ پر بھروسہ کر سکتے ہیں اور اسیر گڈھ کے متعلق یہ باتیں ہم نہایت صفائی کے ساتھ کہتے ہیں کیونکہ اپنے تجربہ کی بنا پر ہمیں آپ کے مقرر کردہ افسر کا قطعی اعتبار نہیں ہے کیونکہ یہاں کے قلعہ دار نے ایک موقع پر پنڈاریوں کو علانیہ پناہ دی ہے۔

ایک یہ تجویز بھی پیش ہوئی ہے کہ سندھیا سے اس کی روش کی ضمانت کے طور پر کئی اور قلعے بھی طلب کئے جائیں چونکہ میں ان کی مقامی حالت سے بخوبی واقف نہیں ہوں اس لئے اس تجویز کی بابت میں اپنی کوئی رائے نہیں ظاہر کر سکتا ہوں اس تجویز کا اندازہ دو لحاظ سے کیا جا سکتا ہے اول یہ کہ وہ ہمارے لئے کسقدر سود مند ہیں دوسرے یہ کہ سندھیا کے واسطے وہ کسقدر فائدہ مند ہیں۔ اسیر گڈھ کے مطالبے میں ان دونوں باتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور ہمارے مطالبے کی یہی مزید

(۱۸۱)

لہ مراسلہ کپتان کلوز

دلیل ہے کہ اگر ہماری تجویز کی منظوری کے بعد اسیر گڈھ کا قلعہ دار اپنے آقا کے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کرے تو اس کے انکار کے دو سبب ہو سکتے ہیں اول یہ کہ اس میں اسکا کوئی ذاتی فائدہ ہو یا خفیہ ہدایات کی بنا پر وہ انکار کردے ایسی صورت میں اُسے فوراً مغلوب کرینکے وسائل ہمارے پاس موجود ہیں۔

اگر سندھیا اسیر گڈھ کے علاوہ ایک یا دو دیگر قلعے عارضی طور پر ہمارے حوالے کردینے پر رضامند ہو جائے تو پھر اس سے کسی مزید ضمانت طلب کرنے کی کچھ ضرورت نہ رہے گی۔ اب ان مطالبات کا تذکرہ کرنا چاہئے جو ہم اپنی حکمت عملی کے اقتضا پر سندھیا سے کریں گے۔

میرے نزدیک ہم اس سے یہ استدعا کریں کہ راجہ جے پور راجۂ بوندی اور نواب بھوپال کو ہم اپنی حفاظت میں لینا چاہتے ہیں اور سندھیا ہماری اس تجویز کو منظور کرلے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سندھیا کے طرز عمل سے جو واقعات رونما ہوئے ہیں ان کو پیش نظر رکھکر ہم آیندہ اپنی اور اپنے رفیقوں کی رعایا کے تحفظ کے خواہاں ہیں اور ان ضروریات نے ہمیں یہ تدابیر اختیار کرنے پر مجبور کیا ہے۔ سندھیا سے یہ مطالبہ بھی کرنا چاہئے کہ وہ اپنے یہاں کے نہایت فرماں بردار اور ہوشیار بیقاعدہ سوار ہمارے رسالوں کے ساتھ اشتراک عمل کرنے کے لئے روانہ کرے تاکہ دونوں مل کر پنڈاریوں کا مقابلہ اور استیصال کردیں۔ سندھیا یہ وعدہ بھی کرے کہ وہ ان لٹیروں کے کسی ممتاز سردار کو اپنے یہاں پناہ نہ دیگا اور نہ اپنی ملازمت میں لیگا اور نہ اس جماعت کے آدمی اپنی فوج میں بھرتی کرے گا یعنی مسلح آدمیوں کی ایسی جماعتیں اپنی فوج میں بھرتی نہ کرے گا جن کو کہیں تنخواہ نہیں ملتی ہے اور جن کا ذریعۂ معاش لوٹ مار ہے۔

سندھیا جو فوج اسکام پر مامور کرے اس پر ایک انگریز افسر رہیگا کہ وہ قریب کی انگریزی فوج کے کمان افسر سے مراسلت کرتا رہے تاکہ اگر سندھیا کا کوئی باجگدار رئیس یا کوئی اعلیٰ عہدیدار یا فوج کا کوئی کمان افسر یا قلعہ دار یا کسی ضلع یا قریہ کا اعلیٰ افسر پنڈاریونکو

(۱۸۴)

کسی قسم کی مدد دے یا ہماری فوج کو سامان رسد یا امداد دینے سے انکار کرے تو مہاراجہ سندھیا اور حکومت برطانیہ دونوں متفقہ طور پر اور علیحدہ علیحدہ بھی ان لوگوں کو باغی اور غنیم تصور کریں۔

ایک معاہدہ کی رو سے ۷ لاکھ ۸۵ ہزار روپیہ سالانہ انگریزی حکومت کے ذمہ سندھیا کو واجب الادا ہوتے ہیں آئندہ جنگ میں اس رقم کا وہ حصہ اتنی مدت کے لئے جو سندھیا تجویز کرے اس کی مختلف فوجوں کے کمان افسران کو دیا جائے جو انگریزی سواروں کے ساتھ مل کر جنگی خدمات انجام دے رہے ہوں بشرطیکہ ان سواروں کی خدمات انھیں اس صلے کا مستحق قرار دیں۔

چونکہ دولت راؤ سندھیا پانچ سال سے اپنے موجودہ کیمپ میں گوالیار کے قریب مقیم ہے اس لئے وہ اقرار کرے کہ بلا منظوری ورضامندی گورنر جنرل بہادر وہ اس مقام سے منتقل نہ ہوگا اور نہ اس مقام پر مزید فوج مجتمع کرے گا۔

حکومت برطانیہ اقرار کرتی ہے کہ پنڈاریوں سے واپس لینے کے بعد سندھیا کے علاقے اُسے واپس دیدئے جائیں گے علاوہ بریں اگر کسی اور ریاست سے حکومت برطانیہ کو جنگ کرنی پڑے گی، تو مکمل فتح یابی کی صورت میں حکومت برطانیہ تو صرف اپنی سلامتی سے کچھ زیادہ کی طالب نہ ہوگی اور سندھیا کی ریاست میں اضافہ کرنے کے لئے نہایت سیر چشمی سے بندوبست کرے گی۔

حکومت برطانیہ کی نیک نیتی کا ثبوت یہ ہے کہ وہ اس امر کا اقرار کرتی ہے کہ وہ دوران جنگ میں اور اس کے بعد بھی دولت راؤ سندھیا کی ذات اور اس کی ریاست کی حفاظت کے لئے اپنی ایک فوج سے اسے امداد دے گی اور اس کے متعلق ایسے ہلکے شرائط ہوں گے جن سے اُس پر اخراجات کا کچھ زیادہ بار نہ پڑے اور اگر وہ اس فوج سے کام لینا چاہے (دیگر معاونتی فوجوں کے شرائط کے بموجب) تو اس کے قیام کا زمانہ ۳ سال یا ۵ سال یا ۷ سال ہوگا۔ حکومت برطانیہ کا خاص مقصد یہ ہے کہ آپ کی حکومت کو ہر طرح پر امداد دے خواہ اسکی حکمت عملی کے عام اصولوں کے

خلاف ہی کیوں نہ ہو اور یہ مدد اس طور پر دی جائے گی کہ آپ غارت گر اور لٹیری جماعتوں سے علیحدہ ہو جائیں جن سے آپ کے تعلقات وابستہ ہیں اور جن سے آپکا ربط وضبط آپ کے خاندان اور آپ کی سلطنت کی تباہی کا موجب ہوگا۔

یہ اس معاہدہ کا خاکہ ہے اور صرف اسی کے وسیلے سے ہمیں دولت راؤ سندھیا سے امداد حاصل کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ اگر وہ اس معاہدہ کو قبول کرلے تو پھر اسکی خلاف ورزی کرنا اس کے لئے سخت دشوار ہو جائیگا۔ اسکی رضامندی کی بابتہ کوئی رائے قایم کرنا آسان نہیں ہے۔ اس معاہدہ کی بعض شرطیں ایک آزاد اور مغرور والئے ملک کے لئے یقیناً سخت اور ذلت امیز ہیں لیکن یہ شرائط اسوقت تک پیش نہ کی جائیں جب تک کہ ہم ان پر اصرار کرنے کے لئے مستقل ارادہ نہ کرلیں تو پھر اس کے لئے بجز اسکے چارۂ کار ہی کیا ہے کہ یا تو ہمارے مطالبات کو قبول کرے یا انہیں نامنظور کرکے خود تباہ وبرباد ہو جائے۔

اسکی مدافعانہ کارروائی اور دریائے نربدا کے پایاب ہونے سے پیشتر ہی اس کے قلعے، خاندیس اور گجرات کا علاقہ اور دریائے نربدا کے بائیں کنارہ کا علاقہ بآسانی فتح ہو جائے گا اور پھر موسم کی حالت درست ہو جانے پر جب ہم شمال کی طرف جنگ کریں گے تو چند ہی مہینوں میں وہ دیکھ لیگا کہ اسکی کل آمدنی اور سارے قلعے اس کے قبضہ سے نکل گئے اور سرکش باجگذار اور باغی فوج اس کے اردگرد جمع ہے۔ سندھیا کی ریاست فتح کرلینے سے (جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا ہے) اس کی تباہی کو درجہ تکمیل تک پہونچانے کے ذرایع ہمارے ہاتھ آجائیں گے اور سندھیا کی حیثیت صرف ایک ڈاکو جیسی رہ جائے گی لیکن اس وقت بھی ہمیں دق کرنے اور اس معاہدہ کو منسوخ کرنے کے وسائل اس کے پاس موجود ہوں گے جو ہم اسکے ساتھ طے کرنا چاہتے ہیں لیکن پھر وہ اس درجہ تک پہونچنے کی ہرگز امید نہ کرسکے گا جہاں سے وہ گرا ہوگا اور ہم امید کرتے ہیں کہ حتی الامکان وہ

(۱۸۶)

اپنے سر ایسی تباہی مول لینا گوارا نہ کرے گا۔ ان وجوہ کی بنا پر ہم بجا طور پر
یہ امید کر سکتے ہیں کہ جب وہ دیکھیگا کہ ہماری فوج جمع ہے اور ہر طرف سے
ہماری فوجیں اگر مجتمع ہو رہی ہیں تو ہمارا رخ پھرا ہوا دیکھ کر اسے معلوم ہو جائیگا
کہ ان کے ساتھ اب حیلہ سازی نہیں چل سکتی ہے اور جب ہماری مستقل
اور سرگرم حکمت عملی سے اس کی ساری ٹال مٹول اور روباہ بازیاں تہ ہو کر
رہ جائیں گی تو وہ ہماری مجوزہ شرائط کو قبول کرلے گا۔ مجھے پورا اطمینان
ہے کہ اس معاہدہ کو قبول کرنے پر اسے مجبور کرنا ہی صرف ایسی تدبیر ہے
جو اسے تباہی سے بچا سکتی ہے کیونکہ اس امر کا بآسانی اندازہ ہو سکتا ہے
کہ اگر وہ کوئی اور روش اختیار کرے گا تو لامحالہ ہمیں اس سے جنگ کرنی
پڑے گی جس کا انجام اس کی تباہی و بربادی ہے۔

خاندان ہلکر سے بھی یہ استدعا کرنی چاہیے کہ پنڈاریوں کا مقابلہ کرنیکے
لئے وہ ہمارے اتحاد میں شریک ہو جائے لیکن اس خاندان کی کچھ ایسی
حالت ہے کہ اس کے ساتھ اس سے متعلق مصالحت کی گفتگو کرنا نہایت
دشوار ہے۔ چونکہ اس خاندان کے ارکان خود لاچار ہیں اس لئے
وہ کبھی امیر خاں، کبھی سندھیا اور کبھی راجہ کوٹا کی طرف اس امید پر مائل
ہو جاتے ہیں کہ ان کی آپس کی رقابت کے باعث ہمارے مشوروں کو
وقعت کی نظر سے دیکھا جائے گا اور ہم نابالغ راجہ کے نام سے اپنا کام
نکال سکیں گے جس کی ریاست کے بڑے حصہ میں اس کی حکومت اب بھی
تسلیم کی جاتی ہے۔ اس وقت جبکہ حکومت برطانیہ اپنے مطالبات اس
خاندان کے روبرو پیش کرے اگر سندھیا (جو ناممکن نہیں معلوم ہوتا ہے)
تلسی بائی ولیہ پر اپنا اثر قایم کرلے یا نابالغ راجہ اس کے قبضہ میں موجود
ہو تو صلح کی گفت و شنید کا اسے وسیلہ بنانے پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا
ہے بشرطیکہ وہ ہماری شرطیں قبول کرلے اور اگر امیر خاں نے از سر نو اختیار
حاصل کرلیا ہو تو خاندان ہلکر سے صلح کی گفت و شنید کے لئے ہم اسکی موعودہ
خدمات قبول کرلیں گے اور اسکی حوصلہ افزائی اور اسکے فوجی ساتھیوں کی

مالی امداد کرکے ہم اسے اپنا فرماں بردار بنالیں گے۔ اور اگر ان میں سے کسی تجویز پر بھی عمل نہ ہو سکے تو پھر پولٹیکل ایجنٹ کی وساطت سے ہم براہ راست تلسی بائی سے مراسلت شروع کر دیں۔ ہمارا پولٹیکل ایجنٹ (۱۸۷) براہ راست کوٹا یا تلسی بائی کے دربار میں جا پہونچیگا جو غالباً اسی شہر کے متصل ہے۔

خاندان ہلکر کے ساتھ معاہدہ ہونے کے اصولاً وہی شرائط ہوں جیسے کہ معاہدہ سندھیا کے ہیں مثلاً راجۂ جے پور، راجۂ بوندی اور نواب بھوپال کے ساتھ مصالحت کرنے کو وہ بھی منظور کرلے۔ ٹونک، رام پورہ اور خاندیس کے دو ایک قلعے سامان رسد کا گودام بنانے کے واسطے عارضی طور پر ہمارے حوالے کر دئے جائیں۔ اور خاندان ہلکر کی مالگذاری علاقہ خاندیس حکومت برطانیہ کے سپرد کر دی جائے جو قیام امن اور ان رسالوں کی تنخواہوں میں صرف کرے گی جو تلسی بائی کے ارشاد کے بموجب پنڈاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہماری فوج کے ساتھ جنگی خدمات انجام دیں گے۔ اسی طرح ٹونک، رام پورہ کی مالگذاری بھی خاندان ہلکر کے رسالوں پر صرف کیجائیگی لیکن ہماری پیش قدمی کرنے والی فوجوں کے لئے ان مقامات اور ریاست جے پور کا موقع اس قسم کا ہے کہ ان مقامات کو ایک ایسی ریاست کے قبضے میں چھوڑ دینا جو ہر وقت ہماری مخالف بن سکتی ہے اور جو اس درجہ کمزور ہے کہ لڑائی کی کسی منزل پر اپنے کو لٹیروں کی دست برد سے نہیں بچا سکتی ہے نہایت خطرناک ہوگا۔ نقشہ کے معائنے سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ دلیل خاندان ہلکر کے مقبوضات خاندیس کے بڑے حصے پر منطبق ہوتی ہے کیونکہ جس زمانے میں اس ریاست کی حالت

لہ سامان رسد کے گودام کے لئے جالنہ نہایت موزوں ہے کیونکہ ۱۸۰۴ء میں وہ گودام بنایا گیا تھا اور وہ ایسے مقام پر واقع ہے کہ سورت سے دکن کو براہ سونا گڈھ و نندر بار سامان رسد بآسانی بھیجا جا سکتا ہے۔

اسقدر ابتر نہ تھی جیسی کہ اب ہے اس وقت بھی اس ریاست سے لٹیروں کو نکالنے کے واسطے حکومت برطانیہ کو اپنی فوجوں سے کام لینے کی ضرورت لاحق ہوئی تھی۔

ممکن ہے کہ ہم تلسی بائی سے استدعا کریں کہ وہ نابالغ راجہ اور اپنے کو خاندیس یا ٹونک رام پورہ آکر ہماری حفاظت میں دیدے یا جب ہماری فوجیں بڑھکر نربدا تک جا پہونچیں یا جب وہ ہمارے سپہ سالار کی ہدایات کے بموجب اس علاقہ میں خدمات انجام دیتی ہوں تو تلسی بائی اندور یا چولی ماہیر چلی جائے۔ اسکی اس کارروائی سے نہایت عمدہ صلحنامہ مرتب ہوجائے گا یہ بات صاف ظاہر ہے کہ یا تو اس خاندان کو پوری مدد دیجائے یا اوسے تباہ و برباد ہونے دیا جائے ہمیں اپنے ہمسایوں کے معاملات میں دخل نہ دینے کی کوئی خواہش حکومت ہلکر کی ابتری اور بدامنی رفع کرنے سے باز نہیں رکھ سکتی ہے کیونکہ بالفرض اگر ہم اس بات پر قناعت کرلیں کہ ہلکر کے مقبوضات واقع صوبہ مالوہ سنین ماضیہ کی طرح آیندہ بھی امیر خاں پنڈاریوں اور سندھیا کے مابین جنگ و جدال کا موجب بنے رہیں گے تو کیا ہم اس بات کے لئے تیار ہیں کہ اس خاندان کے جنوبی مقبوضات میں بھی جنگ و جدال ہونے دیں جن میں ایسے متعدد زبردست قلعے موجود ہیں جہاں سے ہمارے زرخیز ضلع آتاوری اور سورت کے مضافات میں آنے کا راستہ ہے اور کیا ہم حضور نظام اور پیشوا کے زرخیز علاقوں میں وہی حشر برپا ہونا گوارا کرسکتے ہیں۔

(۱۸۸)

ہم ایسے واقعات رونما ہونے کی ہرگز اجازت نہیں دے سکتے ہیں اور مجھے اپنے اس عقیدہ کے اظہار میں کچھ تامل نہیں ہے کہ اگر خاندان ہلکر ہماری مجوزہ شرائط کو منظور نہ کرے اور ہمارا یہ اطمینان نہ کردے کہ اس کا رویہ ہمارے خلاف صرف نہ ہوگا تو ہم اپنی سیاسی اور فوجی ضروریات کے باعث اس کے علاقہ خاندیس کے بڑے رقبہ پر اپنا قبضہ کرلیں گے یا کم از کم اپنا اقتدار قایم کردیں گے۔

اس سے قبل عرض کردیا گیا ہے کہ امیر خاں نے کئی بار حکومت برطانیہ کی

پناہ میں آجانے کی استدعا کی ہے اور کئی وجوہ سے یہ درخواست مخلصانہ ہے اسکی خاص غرض یہ ہے کہ وہ اپنی جاگیرات مارواڑ و مالوہ کی بابت حکومت برطانیہ سے ضمانت حاصل کرنا چاہتا ہے۔

اول الذکر میں کسی قسم کی دست اندازی ہو نہیں سکتی کیونکہ انگریزی حکومت کو راجہ جودھپور کے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن اگر سرونج (اس صورت میں کہ اس کے وسیلے سے ہمارے تعلقات ہلکر گورنمنٹ کے ساتھ قایم ہو جائیں) اور ان جاگیرات کی ضمانت کر لینے سے جو اسے مالوہ میں خاندان ہلکر سے ملی ہیں ہمیں اس سردار کی دوستی میسر آجائے تو اس کی بناء پر امیر خاں کے ساتھ معاملہ طے کرنے کی ضرور کوشش ہونی چاہئے۔ (۱۸۹)

امیر خاں سے اس بنا پر گفت و شنید شروع کی جائے کہ آیندہ جنگ میں وہ حکومت برطانیہ کے دوست کی حیثیت سے یا اس کے دشمن کی حیثیت سے حصہ لے اور اسے بتادیا جائے کہ اگر وہ ہمارا دوست بنکر رہیگا تو ہم سرونج اور اس کے دیگر مقبوضات کی حفاظت کریں گے جو ہماری جنگ کے دائرے کے اندر واقع ہوں گے بشرطیکہ وہاں بوقت ضرورت وہ ہماری فوج کی سامان رسد سے امداد کریں اور پنڈاریوں اور ان کے معاونین کو پناہ دینے سے انکار کردیں۔

امیر خاں سے یہ استدعا بھی کی جائے کہ وہ اپنے ایک ہزار چیدہ چیدہ سوار ہماری فوج کے ساتھ اشتراک عمل کرنے کے لئے روانہ کرے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ ان سواروں کی تنخواہیں ٹونک رام پورہ کی آمدنی سے دی جائیں گی۔ مزید ہمت افزائی کے لئے اس سردار کو اطلاع دی جائے کہ آیندہ جنگ میں آپ جیسا کام کریں گے اسی کے موافق آیندہ حکومت برطانیہ آپ کے ساتھ برتاؤ کرے گی اور آپ کی خدمات کے مطابق آپ کو مزید صلہ دیا جائے گا۔

ان جملہ معاہدوں میں امیر خاں کے صاحبزادہ کو ایک فریق بنانے کے

کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا ہے۔ فی الحقیقت اُسے اس بات کی بڑی فکر ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس معاہدہ میں ایک لیٹری فوج کے افسر کی حیثیت سے امیر خاں کی دوستی حاصل کرنی چاہیئے۔ اُس کو اسکے ساتھیوں سے علیحدہ نہ کیا جائے تاکہ یہاں سے مخلصی پاکر وہ پنڈاریوں کی تعداد میں اضافہ کردیں اور انھیں اس کی اجازت نہ دیجائے کہ وہ کسی اولوالعزم نوجوان شخص کو اپنا سردار بنالیں۔ یہ مقصد (جیساکہ بیان کردیا گیا ہے) بجز اس کے کسی اور تدبیر سے ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا ہے کہ خاندان ہلکر سے معاملت کرنے کا آلہ امیر خاں کو بنایا جائے مگر اس کا انحصار ایسے واقعات پر ہے جن کے وقوع کی بابتہ اس وقت قیاس اور بحث کرنا محض فضول ہے۔ (۱۹

امیر خاں کو اپنے میں شریک کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے اپنی حکمت عملی کے اقتضا سے ہم خواہ کوئی تجویز پیش کریں لیکن بلا تکلف اسے یہ اطلاع دیدینی چاہیئے کہ ہم کسی ایسے شخص سے کسی شرط کی پابندی نہیں کرسکتے ہیں جو بالواسطہ یا بلاواسطہ پنڈاریوں کی حمایت یا اعانت کرتا ہے اور اُس کا یا اس کی فوج کا پنڈاریوں میں شرکت کرنا یا اُن کو یا اُن کے بال بچوں کو اپنے یہاں پناہ دینا ہمارے خلاف جنگی کارروائی کرنا تصور کیا جائے گا اور ہم اس کے مقبوضات پر قبضہ کرلیں گے اور اس کے ساتھی حکومت برطانیہ کے دشمن متصور ہوں گے۔

اگر یہ کارروائی اختیار کی جائے تو امیر خاں سے التجا کی جائے کہ وہ جے پور کے اس علاقے کو خالی کردے جو اس نے ضبط کرلیا ہے اور آیندہ سے راجہ بوندی و نواب بھوپال کی ریاست میں حملہ یا دست اندازی کرنے سے احتراز کرے۔ اگر ہمیں اس سردار کے دوستانہ ارادہ کا یقین ہوجائے تو ہم راجہ جے پور سے اصرار کے ساتھ کہیں کہ امیر خاں آپ کا علاقہ چھوڑے دیتا ہے اس کے معاوضہ میں آپ اُسے زر نقد یا املاک مرحمت فرمادیں اور چونکہ اس انتظام کے ہم ضامن ہوں گے اس سے اسکی وفاداری کو مزید

تقویت حاصل ہوگی۔
اگر اپنی جنگی سپاہ رہ دائیوں کی ضرورت سے ہمیں راجۂ جے پور اور راجۂ بوندی کی ریاست میں کسی مقام پر قیام کرنے کی ضرورت درپیش ہو اور اس وجہ سے ہم سامان رسد اور دیگر امداد کے لئے ان کے دست نگر ہو جائیں تو ہم کو چاہئے کہ ان کے ساتھ ایک مستقل معاہدہ طے کرلیں۔ ہم ان ریاستوں سے دست بردار نہیں ہو سکتے ہیں اور ان کے ساتھ ہمارے جو تعلقات وابستہ ہوں گے ان کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان ریاستوں سے شرائط طے کرنے میں ہمیں کچھ دشواری پیش نہ آئے گی۔ نظرتاً وہ بھی ہماری حفاظت کے حاجت مند ہوں گے اس لئے یہ امر ان کے اختیار سے باہر ہوگا کہ وہ ایک ایسا معاہدہ قبول کرنے سے انکار کردیں جو منصفانہ اور فیاضانہ اصولوں پر مرتب کیا جائے گا۔ (۱۹۱)

ہم اپنی یہ عام رائے ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ایسی ریاستوں کو انکے اندرونی انتظام میں ضرورت سے زیادہ آزادی نہیں دے سکتے ہیں اور غیر بیرونی حکمت عملی کے جملہ مسائل میں انھیں زیادہ سختی کے ساتھ پابند کر سکتے ہیں۔ تاہم وہ ایسے مسائل ہیں جو ہمارے زیر اقتدار رہنے چاہئیں ورنہ اس تعلق سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔

وزیر محمد[۲] والئے بھوپال[۱] کی موت ہماری بدنصیبی ہے۔ اس شخص میں غیر معمولی شجاعت اور ذہانت تھی اس نے عدیم النظیر دلیری سے اپنے خاندان کو تباہ ہونے سے بچالیا جس کی حفاظت اس کے سپرد تھی۔ اسکے بیٹے نذر محمد خاں کو بھی اس کے اعلیٰ اوصاف ورثے میں ملے ہیں اور وہی اس کا جانشین قرار پایا ہے۔ اس نواب نے بھی ہم سے حفاظت کی درخواست کی ہے اور واقعات کی نوعیت کے لحاظ سے اس کی درخواست منظور کرلینگی

لہ سنہ ۱۸۱۶ء میں انتقال ہوا۔
سہ وزیر محمد اگرچہ خاندان بھوپال سے تھا لیکن اس نے کبھی نواب کا لقب اختیار نہیں کیا۔

ضرورت ہے کیونکہ اس چھوٹے سے فرماں روا سے یہ توقع نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ ہمیں کسی قسم کی امداد دے سکے گا تاوقتیکہ ان نتائج سے اس کا تحفظ نہ ہو جائے جو ہماری مدد کرنے سے اسے بھگتنے پڑیں گے اور اگر وہ ہمارا مخالف یا غیر جانب دار رہے گا تو ہمیں اپنی جنگ کے شروع میں بہت سی مشکلات درپیش ہوں گی۔

نذر محمد خاں نے اپنے ایک نمائندہ کی معرفت جو تجاویز رزیڈنٹ متعینۂ ناگپور کی خدمت میں پیش کی ہیں ان میں درج ہے کہ وہ نذر گڈھ یا گول گاؤں کا قلعہ سامان رسد کا گودام بنانے کے واسطے انگریزوں کے حوالے کر دیگا۔ انگریزی فوج کو ہر قسم کی رسد دے گا۔ پنڈاریوں اور دیگر لٹیروں سے کسی قسم کی مراسلت نہ کرے گا۔ ہندوستان کی کسی ریاست سے تعلق نہیں رکھیگا البتہ اپنی ریاست کے اندرونی معاملات کے متعلق اپنے ہمسایہ رؤسا سے اس کی خط و کتابت رہے گی۔

(192

نذر محمد خاں کا بیان ہے کہ میں اپنی انتہائی تنگ دستی کے باعث کسی قسم کی مالی اعانت کرنے سے لاچار ہوں لیکن قلعہ نذر گڈھ کے ساتھ میں چند دیہات بھی آپ کے حوالہ کر دونگا اور حکومت انگلشیہ کی امداد سے جب میری مالی حالت درست ہو جائے گی تو کچھ اور خدمت بھی کر سکوں گا۔ ان [illegible] سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرمانروائے بھوپال ہماری حفاظت حاصل کرنے کا صدق دل سے متمنی ہے۔ اگرچہ اس کی اصلی غرض اپنے خاندان کے گزشتہ مقبوضات حاصل کرنا ہے اور ہم اپنی ابتدائی مہمات ہی میں وہ اضلاع اس کے قبضے میں دیدیں گے جو اس وقت پنڈاریوں کے دست تصرف میں ہیں اور اگر سندھیا ہمارا مخالف بن جائے گا تو اس صورت میں ہم فرماں روائے بھوپال کی مزید آرزوئیں پوری کر سکیں گے۔ اگرچہ بھوپال کی فوج تعداد میں مختصر ہے لیکن وہاں کے سوار مالوہ میں نہایت بہادر مانے جاتے ہیں اور اس فرمانروا سے ہم جو معاہدہ کریں گے اس کی رو سے (جبتک کہ جنگ جاری رہے گی) یہ فرمانروا ہمیں روپیہ دینے کی بجائے عمدہ سواروں کی

ایک مختصر جماعت زیادہ آسانی کے ساتھ پیش کر سکے گا اور بہ نسبت کسی دیگر طریقہ کے اس صورت سے اس کی امداد ہمارے لئے نہایت کارآمد ہوگی۔ نذر محمد خاں سے غالباً ایک عام معاہدہ کرنا کافی ہوگا جس کی رو سے وہ اپنے جملہ وسائل ہمارے سپرد کردے اور اگر ہم خواہاں ہوں تو اپنے وعدہ کے بموجب ہمارے سامان رسد کے گودام کے لئے ایک مقام ہمیں عطا کردے اور ایک مقررہ تعداد میں اپنے یہاں کے سوار پیش کرے جن کی تعداد میں پھر اضافہ کردیا جائے اور اگر اس کے ذرایع آمدنی میں اضافہ ہو جائے تو دوران جنگ میں فوج کی بجائے ہمیں مالی امداد دے۔ اور ہم اس کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کریں اور یہ وعدہ کریں کہ آیندہ ہم اس کی خدمات کے مطابق لطف و کرم کا برتاؤ کریں گے۔

راجہ ساگر اور دیگر والیان ریاست کے ساتھ جن کی حالت اس قسم کی واقع ہو میں اسی طرح کے معاہدے کرنے کی سفارش کرتا ہوں البتہ تفصیلی معاملات قطعی فیصلہ کے لئے چھوڑ دیئے جائیں۔ اور ان سے عمیق تعلقات (۱۹۳) پیدا کرنے سے قبل اس وسیلہ سے ہم ان کی حالت کے متعلق نہایت مکمل معلومات حاصل کرلیں گے لیکن ہمیں اپنی ہر ایک تحریک تر و تازہ رکھنی چاہیئے جس سے انھیں کوشش کرنے اور ہماری حمایت کرنے کا شوق پیدا ہو۔

جب تک کہ سندھیا اور ہلکر کوئی خاص روش اختیار نہ کرلیں اس وقت تک راجہ اودے پور، جے پور اور کوٹا سے ہمیں مصالحت کی گفت و شنید نہ کرنی چاہیئے لیکن اگر سندھیا اور ہلکر ہمارے مخالف رہیں تو ان ریاستوں سے عملی امداد حاصل کرنیکی کوشش میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا چاہیئے۔

راجہ اودے پور نے ابھی حال ہی میں حفاظتی معاہدہ کی ہم سے استدعا کی ہے اور دیگر ریاستیں بھی جس ظلم و ستم میں گرفتار ہیں اس کے مقابلے میں ہمارے ساتھ اس قسم کے معاہدے کرنے کو ضرور ترجیح دیں گی۔ راجہ کوٹا کا کیرکٹر بیان ہو چکا ہے اور عمدہ حکومت قایم کرنے کے لئے غالباً وہ عدیم المثال آلہ ہے اور اگر ہمیں مرہٹہ حکمرانوں کی قوت تباہ یا محدود کرنی پڑے تو اس صورت میں

راجپوت راجاؤں اور خاص کر اس راجہ کی قوت میں اضافہ کرنا بہتر ہو گا جس کی حکومت اس کے ہر ایک علاقے میں خدا کی رحمت سمجھی جائیگی یہ بیان کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے کہ پیش آنے والی جنگ کا ایسا نتیجہ برآمد ہونے کی صورت میں ہمارا فائدہ ایسے انتظام میں ہے جس سے ہمارے صرفہ کی تلافی ہو جائے اور ہماری اس قدر قوت برقرار رہے جو ہماری آیندہ حفاظت کے واسطے ضروری ہو اور وقتی حکمت عملی کے اقتضا سے روپیہ صرف کرنے یا اپنی سلطنت کے ملحقہ مقامات پر قبضہ کر لینے ہی سے یہ کارروائی انجام پذیر ہو سکتی ہے۔

ہم پیشتر ہی بیان کر چکے ہیں کہ چیتو نے مان سنگھ راجہ جودھپور سے ایک مسکن کے لئے درخواست کی ہے جہاں پر اس کے فرقے کے بال بچے پناہ لے سکیں۔ اس راجہ اور اس جیسے دیگر والیان ریاست کو یہ اطلاع دینے کی ضرورت ہے کہ اگر ان لٹیروں کو پناہ دیجائے گی یا کسی عنوان سے بھی ان کی مدد کی جائے گی تو آپ حکومت برطانیہ کے مسلمہ دشمن متصور ہوں گے اور اس کی ساری ذمہ داری آپ ہی پر عائد ہو گی اور پھر حکومت برطانیہ بلا لحاظ اس امر کے کہ فلاں ریاست سے آپ کے کیا تعلقات ہیں آپ کی اس حرکت کی آپ کو سخت سزا دے گی۔

(۱۹۴) اگر سندھیا، ہلکر اور امیر خاں ہمیں پنڈاریوں کی جنگ میں صدق دل سے مدد دیں جس کی بہت کم توقع ہے تو یہ لڑائی بہت جلد ختم ہو سکتی ہے۔ اس لئے اب غور طلب مسئلہ ہے کہ یہ سب یا ان میں سے کوئی ایک غارت گر رئیس اگر ہم پر حملہ آور ہو تو اس کے کیا نتائج برآمد ہوں گے اگر سندھیا اپنی رفاقت میں سچا ثابت ہو تو ہم اس لڑائی کا بہت جلد خاتمہ کر دیں گے کیونکہ پھر ہم اپنی فوج سندھیا کے بیقاعدہ سواروں اور اپنے رفیقوں کی فوجوں کی امداد سے پنڈاریوں کو ان کے موجودہ مستحکم مقامات سے نکال دیں گے اور ان کے تباہ یا منتشر ہونے تک ان کا تعاقب کرتے رہیں گے اور ایسا انتظام کر دیں گے کہ وہ دوبارہ لٹیروں کا گروہ نہ بنا سکیں اور

ہمارا شروع سے یہی دلی مقصد ہے۔ ممکن ہے کہ امیر خاں ان کا ساتھ دے لیکن وہ بھی ان کے نوشتۂ تقدیر کو نہ مٹا سکے گا بلکہ اسکی بدولت وہ خود تباہ و برباد ہو جائے گا کیونکہ جب تک وہ ان مقامات سے دست بردار نہ ہو جائے جہاں سے اس کو وہ ذرائع میسر آتے ہیں جن سے اس نے اپنا گروہ بنا رکھا ہے اس وقت تک ہمارے مقابلے کے لئے وہ اپنی فوج نہیں لاسکتا ہے اور اگرچہ اس صورت میں لٹیروں کی تعداد بڑھ جائے گی لیکن بہت جلد ان کی وہ قوت اور اقتدار جاتا رہے گا جو ایک سردار کی ماتحتی میں انھیں اسوقت حاصل ہے۔

اگر سندھیا ہمارا مخالف رہے اور امیر خاں مع خاندان ہلکر کے ہمارا ساتھ دے تو سندھیا یقیناً بہت جلد تباہ ہو جائے گا اور اس راجہ کی ریاست نہایت آسانی سے فتح ہو جائے گی اور گذشتہ واقعات اور اس کی حقیقی حالت کی بنا پر ہم یہ امید کرنے کے مستحق ہیں کہ خود اسی کے عمائدین سلطنت دیگر اشخاص کی طرح مال غنیمت میں حصہ لینے کے خواستگار ہو جائیں گے۔

بفرض محال اگر مشترکہ فائدہ کے خیال سے مالوہ کی جملہ فوجی جماعتیں اس نظم کی حمایت پر کمربستہ ہو جائیں جو ان کی بسر اوقات کا وسیلہ ہے اور ہماری روز افزوں قوت سے حسد کر کے متفقہ طور پر ہمارا مقابلہ کریں تو ہمیں اس خطرہ کو دیکھنا چاہئے جو پیش آئے گا۔ (۱۹۵)

ان کی متحدہ فوج کا موٹا تخمینہ حسب ذیل ہو سکتا ہے:-

سندھیا کے پاس ۳۰ ہزار سوار اور ہر قسم کی پیدل فوج ۱۵ ہزار اور ناقابل التفات توپ خانہ ہے۔ ہلکر کے یہاں ۱۰ ہزار سوار ۴، ۵ ہزار پیدل سپاہ اور چند توپیں ہیں۔ امیر خاں کے قبضے میں ۱۰ ہزار سوار چند پلٹنیں اور متعدد توپیں ہیں اور پنڈاریوں کے پاس ۳۰ ہزار سوار ۲ یا ۳ متوسط درجے کی پلٹنیں اور چند توپیں ہیں علاوہ بریں پیدل سپاہ کی چند جماعتیں ہیں جنھیں کسی والی ملک کا بمشکل محکوم کہا جا سکتا ہے یہ لوگ حکومت کی افراتفری کے زمانے میں غیر محفوظ علاقوں سے جبریہ روپیہ وصول کر کے اپنا گزارہ کرتے ہیں۔

ان سب کی مجموعی تعداد کا تخمینہ اسّی ہزار سوار ہو سکتا ہے ان میں سے زیادہ سے زیادہ ۴۰ ہزار کو سوار کہہ سکتے ہیں باقی ماندہ تربیت یافتہ اور قابل سوار تو ہیں نہیں بلکہ وہ ٹٹوؤں پر سوار ہونے والے سعادتمند ہیں اور پیدل سپاہ کی کل تعداد غالباً پچیس[۱] ہزار ہوتی ہے۔ اور اگر ہم اس تبدیلی کو جو سنہ ۱۸۰۱ء سے اس سپاہ کی حالت میں پیدا ہو گئی ہے اور ان کے ضابطے کی پابندی اور فوجی ساز و سامان کی خرابی کو مدنظر رکھیں تو یہ ساری فوج بھی اگر کسی ایک مقام پر جمع ہو جائے تو ان سب کو میری مجوزہ ایک فوج شکست دے سکتی ہے اور ہمیں یہ جنگ لٹیروں سے کرنا ہو گی اور بالفرض اگر یہ ۸۰ ہزار کی جماعت متحد ہو کر حملہ آور ہو تو اس کا کیا انجام ہو گا؟ میں ابھی ظاہر کرونگا کہ یہ بات قطعی ناممکن ہے۔ ہمارے پاس دریائے نربدا پر، دکن میں، پیشوا کی ریاست میں اور صوبۂ مدراس کی سرحد پر ہر قسم کے فوجی ساز و سامان سے بخوبی آراستہ و پیراستہ ایک دوسرے کو مدد دینے والی فوجیں موجود ہوں گی جن کی مجموعی تعداد ۴۰ ہزار سواروں سے زیادہ ہو گی جن میں سے ۶، ۷ ہزار کے تو بیقاعدہ رسالے ہوں گے ان کے علاوہ ہمارے رفیقوں کے ۱۵، ۲۰ ہزار بیقاعدہ سوار ہماری فوج میں شریک ہوں گے۔

سرحد گجرات پر ۶، ۷ ہزار سواروں کے رسالے اور کچھ پیدل سپاہ جمع ہو جائے گی۔ اور ایسی ضرورت کے موقع پر ہم ہندوستان سے کم از کم ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج میدان جنگ میں لا سکیں گے جس میں ۶، ۷ ہزار پیدل سپاہ اور بیقاعدہ سواروں کی ایک جمعیت شامل ہو گی جس کا تخمینہ[۱]

(196

۱؎ میسور میں ۴ ہزار سوار ہیں اور حضور نظام کے یہاں یوروپین افسروں کے ماتحت ۶ ہزار سوار ہیں اور گذشتہ عہدنامہ کے بموجب حکومت پونا اس سے بھی زیادہ فوج مہیا کرے گی اس کے علاوہ ان ریاستوں کے جاگیردار بیقاعدہ فوج فراہم کر کے دینگے جسکی تعداد مذکورۂ بالا فوج سے کم از کم دوچند ہو گی۔ یہ تخمینہ اس قیاس پر لگایا گیا ہے کہ ہمارے زیر حفاظت چھوٹے چھوٹے والیان ملک اور جاگیرداروں سے انگریز افسروں کے ماتحت ۷، ۸ ہزار سواروں کے علاوہ کم از کم ۱۲ ہزار بیقاعدہ فوج کی خدمات فوراً مل سکتی ہیں۔

کم از کم ۲۰ ہزار آدمیوں کا ہو سکتا ہے۔ کیا اس میں کچھ شک و شبہ ہو سکتا ہے کہ ہماری یہ زبردست فوجیں ایسی ہر ایک فوج کو شکست دے سکتی ہیں جو اُن کے مقابلے کے لئے لائی جا سکتی ہے اگر غنیم اپنی فوج کی بڑی بڑی ٹولیاں بنا کر لڑے گا تو انھیں سامان رسد پہونچانے کے وسائل ہمیں بہت جلد ان کا مقابلہ کرنے کے لائق بنا دیں گے اور اگر وہ چھوٹی جماعتوں میں تقسیم ہو کر جنگ کرے گا تو ہم بھی اپنی فوج کی چھوٹی جماعتیں بنا دیں گے اور انھیں کامل شکست دیدیں گے لیکن اس بات کے ثابت کرنے کا بھی موقع ہے کہ دشمنوں کا ایسا اتحاد قطعی ناممکن ہے۔

یہ غارت گر فرماں روا جس ملک میں پھیلے ہوئے ہیں اس کا طول ۶۰۰ میل سے کچھ زیادہ اور اس کا عرض ۴۰۰ میل سے کم ہے اور اس ملک میں جگہ جگہ بلند پہاڑ اور عمیق دریا موجود ہیں اور یہاں کے فرماں رواؤں کے عادات و خصائل کی وجہ سے اس سرزمین پر جو مظالم ہوئے ہیں انہی وجہ سے اس میں بے شمار قلعے تعمیر ہو گئے ہیں اور ہر ایک گاؤں میں ایک زبردست قلعہ بن گیا ہے۔

(۱۹۷) اس ملک کے باشندے راجپوت راجہ (جو اپنے قلعہ بند دار الحکومت میں رہتا ہے) اور گریسیا[۱] سردار ہے (جس نے ناقابل گذر پہاڑوں میں اب تک اپنی آزادی قائم رکھی ہے) لیکر پٹیل یا گاؤں کے مکھیا تک اپنے مرہٹہ یا مسلمان فرماں روا کو کسی قسم کا خراج یا مالگذاری بجز اس صورت کے نہیں ادا کرتے ہیں

---

[۱] بھیلوں (Bheels) کی طرح گریسیا (Grasiahs) بھی اصلی باشندے ہیں جن کو مسلمان یا مرہٹہ فاتحین نے ان کے وطن سے نکال دیا ہے یہ لوگ لوٹ اور ڈکیتی پر اپنا گذارہ کرتے ہیں یا وہ ہر ایک گاؤں سے مالگذاری کا ایک حصہ یہ کہکر جبریہ وصول کر لیتے ہیں کہ اس گاؤں کو لوٹ لینے کی ان میں قوت موجود ہے ان کے حقوق اور دائرہ عمل عموماً ان علاقوں تک محدود ہوتا ہے جن پر کسی زمانہ میں وہ قابض تھے (کتاب سنٹرل انڈیا صفحہ ۵۰۸)

وہ خراج یا مالگذاری بجبر وصول کرنیکے لئے ایک زبردست فوج بھیجدیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ سندھیا۔ ہلکر۔ امیر خان یا پنڈاریوں کی فوجیں جب دور دراز کے حملوں میں مصروف نہیں ہوتی ہیں تو وہ اسی ملک میں منتشر ہو کر قیام کرتی ہیں اور وہاں سے اپنے اصلی یا فرضی حقوق کے نام سے جبریہ روپیہ وصول کرتی ہیں چنانچہ ہر ایک چھوٹے ضلع تک میں لڑائی ہوتی ہے کبھی تو فرماں روا اپنے باجگذار سے جنگ کرتا ہے اور بسا اوقات جب دو سردار کسی ایک شخص سے روپیہ طلب کرتے ہیں تو ان دونوں سرداروں کی فوجوں میں لڑائی ہو جاتی ہے اور گاہے ماہے ایک ہی حکمراں کی فوج آپس میں لڑتے مرنے لگتی ہے جس کے افسران آپس میں مخالفت رکھتے ہیں اور جن کو اپنے خاندانی تنازعات اور جھگڑوں کے باعث بڑی تقویت مل جاتی ہے۔ چونکہ وصول مالگذاری کا یہ عجیب طریقہ ہے اور ریاست کا گذارہ اسی مالگذاری کی وصولی پر ہے اور چونکہ اس کی وصولی کے لئے غدار اور سرکش فوجیں روانہ کیجاتی ہیں اس لئے کامیابی کی توقع کا انحصار بقایا کی وصول یابی پر ہوتا ہے۔ اس حالت کا یہ نتیجہ ہے کہ ان فوجوں کا ہر ایک کمان افسر ہر ایک والئے ملک یا جاگیردار سے اپنا جداگانہ معاملہ کر لیتا ہے جسے یا تو وہ امداد دیتا ہے یا اُسے مغلوب کر لیتا ہے اور اس کا سلسلہ سارے ملک میں پھیل جاتا ہے جس کی بدولت ان فوجوں کے اعلیٰ سے لیکر ادنےٰ افسران تک میں رشک و حسد اور سرکشی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے اس حالت سے جس کی صداقت میں مجھے کلام نہیں ہے ہم یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مالوہ کے لٹیرے فرماں رواؤں میں سندھیا سے لیکر پنڈاری سردار تک میں مستقل جھگڑوں کے باعث بیحد نااتفاقی موجود ہے (۱۹۸) فرضی اور قیاسی باتوں ہی میں اختلاف نہیں ہوتا بلکہ ان کی اور ان کے ساتھیوں کی روزی کے وسائل پر اسقدر جھگڑے اور تنازعات ہوتے رہتے ہیں کہ ان میں ہرگز ایسا اتحاد و اتفاق ہو ہی نہیں سکتا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ بریں بالفرض اگر ان میں ایسا اتحاد پیدا بھی ہو جائے تو پھر وہ اس پر عملدرآمد کس طرح کریں گے کیونکہ جن علاقوں پر ان کی حکومت ہے یا جہاں پر

وہ لوٹ کھسوٹ کرتے ہیں ان کی فوج کے رخصت ہوتے ہی وہ ان کی بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گے ایسی حالت میں فوج کے ہٹانے ہی ان علاقوں سے آمدنی بند ہو جائے گی مثلاً اگر سندھیا جے پور۔ کوٹہ۔ اودے پور اور جودھ پور کے اطراف سے اپنی فوجیں واپس طلب کرلے تو پھر امیر خاں خود اپنے نام سے یا ہلکر کے نام سے سارا خراج وصول کرلے گا۔ اور اگر وہ اپنے عہدہ سے دست بردار ہو جائے تو یہ راجپوت سردار پھر کسی کو خراج نہ دیں گے ہر ایک دیگر چھوٹی ریاست کیا بلکہ گاؤں کے ہر ایک مکھیا کی یہی حالت ہوگی۔ ہم نے جو خرابیاں بیان کردی ہیں ان کے متعلق کوان شخص یہ قیاس کرسکتا ہے کہ ان اجزا کو ملاکر دوستانہ اتحاد پیدا کیا جا سکتا ہے یا سندھیا ہلکر اور امیر خاں جیسے فرماں روا اور لٹیروں کی دیگر جماعتیں آپس کی عداوت کے جذبات کو یک لخت ترک کردیں گی اور اپنے ہر ایک ذاتی اغراز اور استحقاق کو قربان کرکے محض اس لئے اپنی فوری تباہی و بربادی کی ہمینت مول لے لیں گی کہ وہ ہمارا مقابلہ کرنے کے لئے متحد ہو جائیں یا بالفاظ دیگر وہ بغیر کسی کشش کے برطانیہ جیسی حکومت سے نبرد آزمائی کرکے ایک موہوم چیز کے لئے اپنی معاش حاصل کرنے کی قوت سے دست بردار ہو جائیں۔ وہ اس قسم کا اتحاد پیدا کرنے کے اس صورت میں بھی اہل نہیں ہو سکتے ہیں جبکہ ان کا سارا ملک فتح کرنے کے قصد کا اعلان کرکے ہم ان میں مایوسی پیدا کردیں اور موجودہ صورت میں جبکہ وہ خود دیکھ لیں گے کہ ان کے مسلسل مظالم سے تنگ آکر ہم نے بہ اکراہ میدان جنگ میں قدم رکھا ہے اور جبکہ ہماری نیک نیتی کے متعلق انھیں کسی قسم کی غلط فہمی نہیں ہو سکتی ہے تو پھر ان کے زبانی اتحاد کا بھی گمان نہیں ہو سکتا ہے اس لئے میری رائے میں تو فی الحقیقت ان میں اتحاد کا پیدا ہونا قطعی ناممکن ہے۔

(۱۹۹)

اگرچہ مذکورہ بالا دلائل و براہین کی بناء پر مجھے یہ امید نہیں ہے کہ ہمیں کبھی ان لیٹری ریاستوں کی متحدہ قوت کا مقابلہ کرنا پڑے گا لیکن اس

بیان سے میرا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اس جنگ کے اختتام سے قبل ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ہماری کم و بیش جھڑپ نہ ہوگی چنانچہ گذشتہ جنگ مرہٹہ میں بمقام اسائی سندھیا کی فوج کے شکست پانے سے راجہ ناگپور ناراض نہیں ہوا تھا اور جب بھونسلا کو امرگاؤں میں شکست نصیب ہوئی تو اسی خیال سے سندھیا کے وزرا بغلیں بجانے لگے۔ ہلکر نے اپنی لٹیری جماعتوں کو اس وقت تک الگ تھلگ رکھا کہ اس کے رقیبوں کی سلطنت کو زوال آگیا اور پھر اس نے لڑائی چھیڑ دی جس میں اس کا بھی یہی انجام ہوا۔ اس صورت میں اگر سندھیا ایسی کجروی اختیار کرے کہ ہمارے خلاف کارروائی کرے جس کے علاقہ میں ہم جنگ شروع کرینگے (اور اسی وجہ سے ہم بہت جلد اس کی قطعی رائے معلوم کرنا چاہتے ہیں) تو یہ امر کچھ ناممکن نہیں ہے کہ خاندان ہلکر اس جنگ میں شرکت کرنے سے گریز کرے تاکہ جنگ میں جو فریق زبردست ثابت ہو وہ اسکی ریاست پر قبضہ کرلے اور یہ بھی ممکن ہے کہ امیر خاں دونوں سے امداد اور دوستی کا وعدہ کرکے مارواڑ میں دو ربیٹھا رہے لیکن اگر اپنی غیر جانبداری کے زمانے میں وہ لٹیروں کا گروہ اپنے پاس جمع کریگا تو سندھیا کو مغلوب کرنے اور پنڈاریوں کو مالوہ سے نکال دینے کے بعد مجبوراً ہم اس پر حملہ آور ہوں گے۔ میری رائے میں واقعات رونما ہونے کی یہ بہترین صورت ہے اور ہمیں اس حالت میں بھی کسی قسم کا اندیشہ نہ ہوگا کیونکہ ہمارے قبضے میں جسقدر قوت موجود ہے اس کے زور سے ہم ایک سال یا زیادہ سے زیادہ دو سال میں فتح یاب ہوجائیں گے اگرچہ میں نے اپنا اطمینان ظاہر کردیا ہے اور مجھے فتح مندی کا پورا یقین ہے لیکن اس پر بھی میری رائے میں بغیر پوری تیاری کے اس قسم کی جنگ ہمیں ہرگز شروع نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ بہت ممکن ہے کہ خلاف توقع مشکلات پیش آئیں اور ہمارے خزانہ میں موجودہ تخمینہ سے زیادہ بار پڑ جائے لیکن یہ ایسا معاملہ ہے جس میں اسوقت تک ہاتھ نہ ڈالنا چاہئے جب تک کہ ہم مستقل طور پر یہ ارادہ نہ کرلیں کہ اسکو

قابل فخر انجام تک ضرور پہونچا دیں گے۔ اور غالباً کسی قابل تذکرہ دیسی ریاست کے ساتھ ہماری یہ آخر جنگ ہو گی جس میں کہ ہم مصروف ہونگے اور عین کامیابی کے وقت اس جنگ کو ناتمام چھوڑنے یا اپنا مقصد ادھورا حاصل ہونے سے نہایت زبردست معکوس نتیجہ مرتب ہو گا۔

گذشتہ ۴۔۵ سال کے دوران میں اس مسئلہ پر جو کچھ خامہ فرسائی ہوئی ہے اس کی ضخیم جلدوں کا مطالعہ کرنے کے بعد میں یہ بات دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں نے جو تجاویز پیش کی ہیں اور جو مشورے دئے ہیں ان میں سے شاذونادر ہی کوئی ایسا ہو گا جو اس دوران میں کسی نہ کسی شکل میں اعلیٰ حکومت کے گوش گذار نہ کیا گیا ہو گا۔

پولٹیکل رزیڈنٹ صاحبان کو اپنے عہدہ کی بدولت چونکہ دیگر حضرات سے بہت زیادہ ذرائع اس مسئلہ کا مطالعہ کرنے کے حاصل ہیں اس لئے ان کے خیالات کی یکسانیت نہایت غور اور توجہ کی مستحق ہے اور اگرچہ ان سرکاری افسران کو بخوبی معلوم تھا کہ ہماری حکومت کی دلی خواہش یہی ہے کہ مالوے کی لٹیری ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کرنے سے اجتناب کیا جائے مگر انھوں نے ہمیشہ یہی رائے ظاہر کی ہے کہ اس طرز عمل کے نتائج نہایت مذموم ہوں گے اور جس خطرہ کا ہمیشہ اندیشہ ہے اس کے رفع کرنے کے لئے اپنی تلوار اور حکمت عملی کا پورا زور صرف کر دینا چاہئے۔ مداخلت کے طریقہ کے متعلق ان کی رایوں میں کسی قدر اختلافات ہیں لیکن ان سب کی متفقہ رائے یہی ہے کہ ان واقعات کی نوعیت نے ہماری مداخلت کی اشد ضرورت پیدا کر دی ہے اور اگرچہ یہ سرکاری افسران[1] اپنی فہم و فراست اور آزاد خیالی کے لئے شہرۂ آفاق ہیں اور وہ دور دراز مقامات پر تعینات ہیں۔ انھیں مختلف مناظر دکھائی دیتے ہیں ان کے عادات و خصائل مختلف قسم کے

[1] آنریبل مسٹر الفنسٹن۔ مسٹر رسل۔ مسٹر جنکنس۔ مسٹر مٹکاف۔ مسٹر اسٹریچی اور کپتان کلوز

(۲۰۱) ہیں نیز قابل حضرات ایک ہی مسئلہ کے متعلق مختلف رائے قایم کیا کرتے ہیں اور خاص کر ان مسائل پر جن کی حکمت عملی غیر یقینی ہوتی ہے۔ جب ان سب باتوں کا لحاظ رکھا جائے تو ان کے اس غیر معمولی اتفاق رائے کے لئے کہ "اس کی صاف اور صریح ضرورت ہے" کوئی دلیل سمجھ میں نہیں آتی۔ ان قابل افسران نے اس مسئلہ کے متعلق جو مراسلے روانہ کئے ہیں۔ خواہ ہم اس معلومات پر غور کریں جو انھوں نے فراہم کی ہے یا اوس روشنی کو دیکھیں جو انھوں نے اپنے تجربہ اور فیصلے سے اس مسئلہ پر ڈالی ہے تو ہمارے ہاتھ ایسا زبردست کاغذی ثبوت آجاتا ہے جو ایک زبردست سیاسی مسئلہ کا فیصلہ کرنے کے لئے کسی حکومت کو میسر آسکتا ہے۔

اپنے متعلق تو میں صرف اسقدر عرض کر سکتا ہوں کہ میں نے نہایت بے لوثی کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کیا ہے البتہ انگلستان کے اعلیٰ افسران کی اس دلی خواہش کا میں بھی موئید ہوں کہ جنگ سے اجتناب کیا جائے اور اگر پنڈاریوں کے مظالم کے باعث جنگ ناگزیر ہو جائے تو حتی الامکان اس کا دائرہ مختصر رکھا جائے اور اپنے وقار اور سلامتی کا لحاظ رکھکر حتی الوسع اس کو جلد سے جلد ختم کر دیا جائے میں ان عام اصولوں کا ضرور حامی ہوں جو اس خواہش کے اظہار کا موجب ہوئے ہیں کیونکہ اس بدیہی خرابی کا حال مجھ سے زیادہ کون جانتا ہے جو ایسی تدابیر سے پیدا ہو جائے گی جس سے ہمارے مالیات کے نظام میں عارضی خلل واقع ہو جائے۔ ان اثرات کی بناء پر میں نے ایک سخت کارروائی اختیار کرنے کی سفارش کی ہے لیکن اس میں امید کی یہ جھلک موجود ہے کہ ہم ان ریاستوں سے جنگ کرنے سے محترز رہیں گے جو اپنی حکومت کی نوعیت کے باعث پنڈاریوں کو مدد دیتی ہیں اگر یہ ناگزیر ثابت ہو تو انشاء اللہ ہم بہت جلد اس جنگ کو قابل فخر انجام تک پہونچا دیں گے۔ بہر حال خواہ میری رائے غلط ہی کیوں نہ ہو میں صرف اس قدر عرض

(۲۰۲)

کر سکتا ہوں کہ جن واقعات اور دلائل پر میری رائے مبنی ہے وہ میں نے
تفصیل کے ساتھ بیان کر دئے ہیں اور یہ کہ میں نے حضور والا کی نوازش
اور اعتماد اور اس مسئلہ کی نوعیت اور اہمیت کو ملحوظ رکھکر اپنے خیالات
سچائی اور آزادی کے ساتھ ظاہر کر دئے ہیں

حضور کا تابعدار اور ادنٰے خادم
جے میسلکم

از مقام فورٹ سینٹ جارج مورخہ ۱۲ر جولائی ۱۸۱۷ء

(۲۰۳)

ضمیمہ (۵)

بیان کارگذاری بریگیڈیر جنرل میلکم

از ۱۶ ؍ جنوری لغایتہ ۲۰ ؍ جون ۱۸۱۸ء جس میں باجی راؤ پیشوا کے اطاعت قبول کرنے اور گدی سے دست بردار ہونے کے متعلق صاحب موصوف کی کارروائی شامل ہے

اس بیان کو واضح کرنے کے لئے اس سے قبل وسط ہند کی مختصر کیفیت عرض کر دینے کی ضرورت ہے جس کو انگریزی فوج نے فتح کر کے اپنے قبضہ میں کر لیا ہے ۶ ؍ جنوری ۱۸۱۸ء کو ملہر راؤ ہلکر سے صلح ہو گئی اس کے بعد دریائے تاپتی کے شمال میں مدراس کی کل فوج کی کمان بریگیڈیر جنرل میلکم کے سپرد کر کے سر طامس ہلپ جنوب کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس افسر نے اولاً مارواڑ کی مغربی سرحد پر امن قایم کرنیکے لئے کوشش کی جوڈ (Jowud) کے باغی سردار نے ۱۴ ؍ فروری کو اپنی اطاعت قبول کر لی جبکہ وہ نیما ہیرہ (Neemahera) میں خیمہ زن تھا اور اس کے دوسرے دن پنڈاریوں کے مشہور و معروف لیڈر کریم خاں نے آپ کے روبرو سرتسلیم خم کر دیا۔ ۲۳ ؍ فروری کو بریگیڈیر جنرل میلکم نے اپنی فوج کا خاص حصہ تو ماہد پور (Mahidpore) بھیجدیا اور خود تھوڑی سی فوج

(۲۰۴)

لیکر ملہر راؤ ہلکر کے دربار میں جا پہونچے دربار ہلکر سے اپنا مقصد حاصل کرنیکے بعد آپ ماہد پور تشریف لے گئے اور اپنی فوج میں شامل ہو گئے۔ وہاں سے آپ اجین تشریف لے گئے جہاں بریگیڈیئر جنرل سر ولیم کیر کے ماتحت بمبئی کی فوجیں خیمہ زن تھیں۔ ۱۲ مارچ کو بمبئی کی فوجیں بریگیڈیر جنرل ملکم کے پاس ایک زبردست دیسی بریگیڈ اور چند میدانی توپیں چھوڑکر گجرات کی طرف چلی گئیں۔ بریگیڈیر جنرل نے اس ملک میں امن قایم کرنے کے لئے فوراً انتظامات شروع کردئے جس میں لٹیروں کی منتشر جماعتیں اور پیشہ ور ڈاکوؤں کے گروہ ظلم و ستم ڈھاتے رہتے تھے جنھیں مرہٹوں نے نکال باہر کردیا تھا اور ان ڈاکوؤں نے جنگلوں پہاڑوں اور قلعوں میں آکر پناہ لی تھی۔ ان ڈاکوؤں نے ۵۰ سال سے اس ملک کے باشندوں کے ساتھ پریشان کرنے والی لڑائی ٹھان رکھی تھی اور اس ملک کے امن و سکون کو تہ و بالا کردیا تھا۔ مالوہ کے اس علاقہ میں سونڈی یا سونڈواڑہ کے باشندے نہایت خوفناک سمجھے جاتے تھے سونڈواڑہ اس علاقہ کا نام ہے جو مشرق مغرب میں آگرہ سے چمبل تک اور شمال جنوب میں آگرہ سے چمبل تک پھیلا ہوا ہے۔ اس علاقہ کی مقامی حالت ان قزاقوں کی تعداد اور شہرت کے اقتضا سے یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ان کو مغلوب کرنے کے لئے کوشش کرنی چاہئے۔ جس علاقہ میں یہ لوگ ڈاکہ زنی کرتے تھے وہ ہلکر۔ سندھیا۔ ظالم سنگھ۔ راجہ کوٹہ اور ٹکوجی پوار راجہ دیواس کی ملکیت سے تھا۔ ہم نے ان قزاقوں کے بعد دیگرے متفقہ حملے کرنے کا پورا بندوبست کیا۔ اس کام کے لئے ہلکر ایک مختصر فوج دے سکتا تھا اور وہ ہمیں دستیاب ہوگئی تھی۔ سندھیا سے امداد کی کچھ زیادہ توقع نہ تھی جس کا صرف ایک علاقہ (آگر) سونڈواڑہ میں واقع تھا لیکن بریگیڈیر جنرل میلکم کو ظالم سنگھ راجہ کوٹہ سے ہر قسم کی مدد ملنے کی امید تھی جس کے چند نفیس علاقوں کو

لے سونڈی ایک وقت میں ۲ ہزار سوار جمع کرسکتے ہیں جن میں سے اکثر اعلیٰ درجہ کے شہسوار تھے۔

سونڈیوں کی دست برد سے بچانے کی ضرورت تھی اور اس راجہ نے ایک نہایت بہادر افسر کی ماتحتی میں ایک اعلیٰ درجہ کی فوج ہماری رفاقت کیلئے تیار کر لی تھی۔ راجۂ دیواس اس قدر لاچار تھا کہ وہ نہ تو ہماری اعانت اور نہ مزاحمت کر سکتا تھا لیکن اس کا میلان طبع دوستانہ تھا بریگیڈیر جنرل میلکم نے سونڈ داڑہ اور اس کی نواح کے رؤسا کو مغلوب کرنا جن سے وہاں کے لٹیروں کو امداد مل سکتی تھی بمبئی کی فوج کے سپرد کر دیا جس میں ۶۰۰ بیقاعدہ سوار لفٹنٹ کرنل کو سلیئر کی ماتحتی میں تھے۔ کرنل موصوف نے اپنی فوج کو یہ حکم دیا کہ اگر دریائے جمیل کے قریب کے قلعے ہمارے حوالے نہ کئے جائیں تو نولی (Noyle) سے جمبل کی طرف بڑھے چلو اور ۱۱ اپریل کو فوج کا ایک دستہ جس میں بدراسی سپاہیوں کی ایک بٹالین میجر موڈی کی کمان میں اور چند میدانی توپیں مع محراب خاں کمان افسر افواج راجہ کوٹہ ان قلعوں پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا گیا جو اس صوبہ کے مرکز میں واقع تھے بریگیڈیر جنرل میلکم کا اول پولٹیکل اسسٹنٹ ایک رسالہ۔ ایک پیدل پلٹن اور ہلکر کے ... اسوار دیگران لڑائیوں میں امداد دینے اور ان رؤسا سے فیصلہ کرنیکے لئے بھیجا گیا جو اطاعت قبول کرنے پر آمادہ ہوں۔ بریگیڈیر جنرل میلکم کے مراسلہ بنام نواب گورنر جنرل بہادر مورخہ ۱۰ مئی میں مفصل طور پر وہ اصول درج ہیں جن پر ان رؤسا سے مصالحت کی جائے چنانچہ اوس میں یہ درج ہے کہ " ہلکر اور ظالم سنگھ نے لٹیروں کے سردار رئیس لال گڑھ سے جو معاہدہ کیا ہے اس کو میں اس وجہ سے نہایت اہم تصور کرتا ہوں کہ اس سے نہ صرف ایک زبردست سردار کی خطرناک قوت کا خاتمہ ہوگا بلکہ اس سے ظاہر ہو گیا کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہتے ہیں جن کی رائے مشکل معاملے میں اگرچہ مذبذب ہوتی ہے لیکن اس کا باعث اس غدار سوسائٹی کی عام حالت ہے جس کا وہ ایک جزو ہیں اگر کوئی حکمران اپنا حکم منوانے کا مدعی ہو لیکن لوٹ مار اس کی آمدنی کا وسیلہ ہو تو اسکی مخالفت کرنا جائز ہے اور اس سے انتقام لینا ہرگز قابل مذمت نہیں ہو سکتا ہے

(۲۰۵)

(۲۰۶)

یہ رواج تھا کہ اعلیٰ حکومت میں اگر قوت ہوتی تھی تو وہ ان لوگوں کو لوٹ کھسوٹ کر تباہ کر دیتی تھی جو اسے کمزور سمجھکر اس کے علاقے غصب کر بیٹھتے تھے اور پھر وہ لوگ انتقام لینے کے واسطے اعلیٰ حکومت میں ضعف یا اسکے مشیروں میں اختلافات پیدا ہونے کے منتظر رہتے تھے۔ میں نے جب پہلی بار سونڈواڑہ کا فیصلہ کرنے کے متعلق اپنی رائے قایم کی تو ہمارے رفیقوں کو یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ ہم ایک ایسے فرقہ کو نیست و نابود کرنے کا اکہ بن جائینگے جن کو یہ لوگ ناقابل اصلاح بتاتے ہیں (فی الحقیقت وہ اپنی حرکات کے لحاظ سے ایسے ہی تھے) اور میں نے ان کے دل میں بہتر نسم کا نظام سلطنت قایم کرنے کا بیج بونے کی کوشش کی ہے اور غالباً مجھے اپنی اس کوشش میں کامیابی حاصل ہوئی ہے اس نظام کی رو سے سنگ دل مجرموں کو سخت سزا دیجاتی ہے لیکن ایسے لوگوں کے واسطے معافی کا دروازہ کھلا رہتا ہے جو اپنے مجرمانہ خصائل تبدیل کرنے پر آمادہ ہوں اور دائمی امن و سکون کے برکات سے مستفید ہونے کو تیار ہو جائیں"

ان سونڈیوں پر متعدد حملے کئے گئے جو اطاعت قبول کرنے سے منکر ہوئے اور ان حملوں میں پوری کامیابی حاصل ہوئی۔ چھ ہفتے کے اندر ان کے ۱۳ قلعے فتح ہوئے جن میں سے ۵ قلعے بالکل مسمار کر دئے گئے لیڈروں کو کہیں پناہ نہ ملی اور وہ دور بھاگ گئے مگر وہ جس جگہ پہونچے وہیں پر انگریزی حکومت کے باغی تصور کرکے گرفتار کر لئے گئے کیونکہ ان کو پناہ دینا انتقام لئے جانے کا موجب ہوتا۔ اس انتظام نے لیڈروں پر ایسی بلا نازل کی کہ وہ یکے بعد دیگرے حاضر ہوئے اور ہماری مجوزہ شرائط کے بموجب انھوں نے اپنے گھوڑے ہماری نذر کئے اور ان کھیتوں میں کاشت کرنے کی ہم سے اجازت حاصل کی جن کو انھوں نے عرصہ دراز سے بطور بنجر کے چھوڑ رکھا تھا اور بدامنی کے زمانے میں ڈکیتی کا منفعت بخش پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ ظالم سنگھ راجہ کوٹہ کی فوج نے نہایت دلیری کے ساتھ موضع و قلعہ ڈرولہ پر حملہ کیا اور اس معرکے میں انگریزوں نے اپنی

شجاعت اور تنظیم کا اظہار کیا ظالم سنگھ کی فوج کے پاس بہت ہلکی توپیں[1] تھیں اور قلعہ کی دیوار میں بہت خفیف شگاف ہوا تھا لیکن اس فوج کے تجربہ کار اور دلاور کمان افسر محراب خاں نے یک لخت دھاوا کرنے کا حکم دیدیا کہ مبادا قلعہ کی محافظ فوج رات کو بھاگ کر نکل جائے غنیم نے نہایت سخت مقابلہ کیا۔ قلعہ کی دیوار کے شگاف سے کوئی کام نہیں لیا جا سکتا تھا۔ دو گھنٹے تک حملہ ہوتا رہا۔ حملہ آوروں نے بڑی شجاعت اور مستعدی سے کام لیا اور سارے مراحل طے کر دئے اس معرکے میں ہمارے ۲۰۰ سپاہی اور کئی افسر کام آے اور قلعہ کی ساری فوج تہ تیغ کر دی گئی

ریاست ہلکر کے پنڈاریوں کا سر گروہ قادر بخش مع چند اور سرداروں کے برگیڈیر جنرل میلکم کے حضور میں خود حاضر ہو گیا اور یہ لوگ کریم خاں کے ہمراہ گورکھپور میں آباد ہونے کے واسطے بھیجدئے گئے جو انکے ساتھیوں اور مسکنوں سے بہت دور ہے۔ یہ اطلاع موصول ہوئی کہ چیتو اور راجن باقیماندہ ۲ نامی سردار معافی طلب کرنے بھوپال گئے ہیں مگر اسکے بعد یہ خبر ملی کہ انھوں نے ہمارے شرائط پسند نہیں کئے اور وہاں سے بھاگ کر دریائے نربدا کے کنارے کے جنگلوں اور قلعوں میں پہونچ گئے ہیں برگیڈیر جنرل میلکم نے یہ خیال کر کے کہ اگر یہ لٹیرے دوبارہ جمع ہو گئے تو اس کا نتیجہ بہت خراب نکلے گا اپنے ہمراہ سپاہیوں کی تین بٹالین سواروں کی ایک رجمنٹ اور باقاعدہ سواروں کے دو رسالے لیکر میلکم اینڈل کو بجانب جنوب کوچ کر دیا۔ وہ خود تو بنگلی جا پہونچے اور کرنل ارا سکاٹ کو ایک زبردست فوجی دستہ کے ساتھ اندور بھیجدیا اور پھر بنگلی اور اندور سے فوجی دستے جنگل میں ہر طرف روانہ کر دئے گئے اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ راجن تو خود حاضر ہو گیا مگر چیتو اپنے ۱۰-۱۲ ہمراہیوں کے ساتھ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر نربدا پار بھاگ گیا۔ (۲۰۸)

[1] اسکی سب سے بڑی توپ ۴$\frac{1}{2}$ پونڈ کی تھی۔

دریائے نربدا کے کنارے رہنے والے قزاقوں یا اقوام پر جس رؤسا کی حکومت ہے وہ عرصۂ دراز سے پنڈاریوں کو مدد دیا کرتے تھے۔ اور جب سر طامس ہسلپ کی فوج ان کی پہاڑیوں سے گذری تھی تو اس پر بھی حملہ ہوا تھا۔ بریگیڈیر جنرل میلکم اور ان کے ماتحت افسران نے اپنے جنوبی کوچ کے دوران میں ان رؤسا اور ان کے ہمراہیوں سے مصالحت کرنے کی سخت کوشش کی اور انھیں نہایت سختی کے ساتھ یہ فہمائش کی کہ اگر تم پنڈاریوں کو مدد پہونچاؤگے یا ہمارے لشکر یا اس ملک کے باشندوں کے ساتھ کچھ بھی ظلم و ستم کروگے تو تمھیں عبرت ناک سزا دی جائے گی ان تدابیر میں پوری کامیابی حاصل ہوئی جن پنڈاریوں کو انھوں نے اپنے یہاں چھپا رکھا تھا ان میں سے بہت سے پنڈاریوں کو مع ان کے بال بچوں اور گھوڑوں کے ہمارے حوالے کردیا اور اگرچہ ہماری فوجوں اور مخبروں نے اس علاقے کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن ڈاکہ زنی یا حملہ آوری کی ایک واردات بھی نہیں ہوئی اور ہر ایک سردار دوستی پیدا کرنے اور حکومت برطانیہ کی اطاعت قبول کرنے میں پیش قدمی کرنے کے واسطے بریگیڈیر جنرل میلکم کے حضور میں حاضر ہوگیا۔

پنڈاریوں کے استیصال۔ ہماری زبردست فتح مندی۔ ہلکر کی لٹیری حکومت میں تبدیلی۔ ہنڈیوں کا اخراج یا امن پسند رعایا بن جانے اور دریائے نربدا کے کنارے لٹیروں کی مکمل شکست نے اس علاقے میں حکومت برطانیہ کی شہرت میں چار چاند لگادئے اور ہمارا اس درجہ اعتبار قائم ہوگیا کہ ہر مقام کے برسوں کے بھاگے ہوئے باشندے اپنے دیہات میں واپس آگئے اور انھوں نے اپنی کھیتی باڑی کا کام شروع کردیا۔

(۲۰۹) بھاگے ہوئے لٹیروں اور بددل فوج کو اس زمانہ یعنی شروع مئی میں یہ خبر سنکر پورا اطمینان ہوگیا تھا جو بظاہر نہایت معتبر تھی کہ حکومت ہلکر کے باغی رام دین اور دیگر بہت سے لوگوں کی مدد سے پیشوا مالوہ

میں داخل ہونا چاہتا ہے۔ بریگیڈیر جنرل میلکم نے فوج کے اس دستہ میں مزید اضافہ کر دیا جو ماہیپور کی گرفتار شدہ توپیں لیکر ہنڈیا سے دکن کو کوچ کر رہا تھا اور اس کے ساتھ سپہ سالار اعظم کی فوج کے باقی ماندہ مریض اور زخمی بھی بھیجدئے اور لفٹننٹ کرنل اسمتھ کے ماتحت سپاہیوں کی ایک بٹالین منڈلیسیر کو روانہ کر دی جو چولی ماہیر سے ۲ میل کے فاصلے پر دریائے نربدا کے کنارے ایک چھوٹا سا قلعہ ہے (مملکت پیشوا) اور اُسے ہدایت کر دی کہ اس قلعہ پر قبضہ کر لو اور دریا کے گھاٹوں پر اپنی فوجی چوکیاں قائم کردو۔ یہ خدمت بلا مزاحمت کے انجام دیدی گئی اور اس سے ایک نہایت اہم مقام کو تقویت پہونچ گئی۔ اگرچہ یہ خبر مل گئی تھی کہ باجی راؤ کی فوج شمال و مغرب کی جانب واپس ہو رہی ہے مگر بریگیڈیر جنرل میلکم نے اپنی فوج کے محافظ دستہ کو مع توپوں کے برہام پور سے جالنہ کو جانے کا حکم دیدیا اس دستے میں دیسی سپاہیوں کی ۱۲ کمپنیاں ۴ میدانی توپیں اور سولہ سو بے قاعدہ سوار شامل تھے کہ پیشوا کی فوج شکست کھا کر بھاگنے کے بعد وہاں پہونچ گئی ہوگی مگر ہماری اس زبردست فوج پر حملہ کرنے کی اُسے جسارت نہیں ہو سکتی ہے۔ یہ خیال بالکل سچ نکلا۔ باجی راؤ[1] ۶ مئی کو ہماری فوج سے تھوڑی دور تھا اور دوسروں کو ستانے کے بجائے اُسے اپنی ہی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے اور وہ اسقدر تیزی سے بھاگا کہ ڈوئن کی فوج سے بھی آگے نکل گیا اور اب اُسے قدرے اطمینان نصیب ہوا اور وہ دھول کوٹ[2] کے قریب خیمہ زن ہو گیا اور یہاں پر اس نے آرام لیا اور اپنی شکست خوردہ اور افسردہ دل فوج کو جمع

(۲۱۰)

---

[1] کرنل ایڈمس نے باجی راؤ کو شکست فاش دی اور وہ ریاست ناگپور سے بھاگ گیا پھر بریگیڈیر جنرل ڈوئن نے اس کا تعاقب کیا۔

[2] دھول کوٹ، اسیر گڈہ سے بجانب مغرب ۶-۷ میل اور برہام پور سے بجانب شمال ۱۲-۱۳ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔

کرنا شروع کر دیا۔
بریگیڈیر جنرل میلکم کو مئو پہنچکر اس کی خبر مل گئی جو اندور کے جنوب مغرب میں ۱۰۔ ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے اور صاحب موصوف نے گرمی کے باقی ماندہ ایام اور آیندہ برسات کے لئے اس مقام کو اپنی چھاؤنی بنالیا تھا اور فوراً ہی لفٹنٹ کرنل رسل کو حکم دیا کہ سواروں کی ایک رجمنٹ لیکر ہنڈیا کی طرف روانہ ہو جاؤ جس کے یہ معنی تھے کہ اس قلعہ کی بٹالین کی ۸ کمپنیوں اور میسور کے تین سو سواروں سے جا ملو اور اس ساری فوج کا دستہ حسب ضرورت کارروائی کرنے کے لئے تیار رہے۔ اسی وقت سپاہیوں کی ۶ کمپنیاں اونکوڈی کو روانہ ہوئیں جو گھاٹ کی چوٹی پر ایک بلند مقام ہے اور ۲ کمپنیاں ہنڈیا بھیجدی گئیں تاکہ ان میں سے ایک کمپنی تو انکوڈی سے مغرب کی جانب ۲۰ میل کے فاصلے پر پیپلدا Peepulda کی حفاظت کرے اور ۳ کمپنیوں کے ایک دستہ کو ریاست دھار میں گھاٹوں کی اور ماہیسر سے جانب مغرب ۵۵ میل پر دریائے نربدا کے کنارے چکلدا گھاٹ کی نگرانی کرنے کا حکم دیا گیا۔
ان انتظامات اور اس مستعدی کی بدولت جو بریگیڈیر جنرل میلکم کی باقی ماندہ فوج میں تھی باجی راؤ کے لئے ہمارے حملہ سے بچکر مالوہ میں اس سمت کے کسی مقام پر داخل ہونا ناممکن ہو گیا اور مشرق کی طرف وہ نربدا کو بھی عبور کرنے کا ارادہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے بعد بریگیڈیر جنرل واٹسن سے درخواست کی گئی کہ وہ حتی المقدور اپنی ہلکی فوجیں یہاں بھیجدے جنرل موصوف نے اس ارشاد کی تعمیل کی اور ایک اعلیٰ درجہ کی ہلکی فوج بماتحتی میجر کننگ کوٹرا روانہ کردی جو ہوشنگ آباد کے مغرب میں تقریباً ۵۰ میل کے فاصلہ پر ہے اور اس طرح بھوپال کے شرقی علاقہ سے لیکر ریاست دھار کے مغرب تک مالوہ کی جنوبی سرحد کی حفاظت کے انتظامات کی تکمیل ہو گئی۔
لٹیرے اگرچہ مغلوب ہو گئے تھے لیکن اب بھی وہ مالوہ میں منتشر

طور پر موجود تھے اور ان کے دل میں توقعات موجود تھیں۔ گزشتہ تبدیلیوں نے بہت سے لوگوں میں بے اطمینانی پیدا کر دی تھی۔ سندھیا کے متعلق یہ اطمینان نہیں تھا کہ وہ کیا حکمت عملی اختیار کرے گا اور ہمیں اس بات کا علم تھا کہ اس کے بہت سے صوبیدار اور اس کے اور ہلکر کی ریاست کے سب مرہٹہ افسران ہمارے مخالف تھے اس لئے اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ پیشوا کو اس ملک میں داخل ہونے سے باز رکھا جائے چونکہ اس کی موجودگی سے آتش حسد اور جنگ کا بھڑکنا یقینی امر ہے بریگیڈیر جنرل میلکم کو یہ اطلاع ملی کہ پیشوا کے وکیل یا نمایندے صلح کی درخواست لیکر ہمارے پاس آرہے ہیں اور ہمارے کیمپ سے دو منزل پر ہیں۔ اس نے ہدایت کردی کہ وکیلوں کو آنے دیا جائے چنانچہ انند راؤ جسونت مع ۲ اور وکیلوں کے باجی راؤ کا خط لیکر بریگیڈیر جنرل میلکم کے کیمپ میں ۱۶ مئی کو بوقت شب بمقام مہو پہونچ گئے پیشوا نے اس خط میں صلح کے لئے اپنی خواہش ظاہر کی تھی اور جنرل میلکم سے (جس کو اس نے اپنا نہایت قدیم اور بہترین دوست بتایا تھا) بالخصوص یہ درخواست کی تھی کہ آپ حکومت برطانیہ کے ساتھ میری از سر نو دوستی قایم کرانے کو اپنے ذمہ لے لیجئے بریگیڈیر جنرل نے ان وکلا سے دیر تک نجی ملاقات کی جس میں وکلا نے عرض کیا کہ پیشوا بذات خود لڑائی کے ہمیشہ سے مخالف ہیں اور حتی الامکان اس امر پر بہت زور دیا کہ آپ باجی راؤ کی درخواست اس کے کیمپ میں ملاقات کے لئے جاکر قبول فرمالیں۔ بریگیڈیر جنرل نے اس درخواست کے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا کیونکہ آپ کو یہ خیال ہوا کہ اول تو اس حرکت سے یہ گمان ہوگا کہ ہم صلح کے خواہاں ہیں جس کا نتیجہ خراب ہوگا اور دوسرے یہ کہ

(۲۱۲)

لہ اس بات پر وکلا نے اسقدر زور دیا کہ باجی راؤ کو بزدل بتایا اور کہا کہ انگریزوں سے جنگ کرنے کی وہ اپنی بزدلی کے باعث جرأت نہیں کر سکتا ہے۔

اگر صلح کی گفتگو بے سود ثابت ہوئی تو پھر میں اپنی فوج کو وہ احکام دے سکونگا
جو باجی راؤ کو ڈرا دھمکا کر اطاعت قبول کرنے پر آمادہ کرنے یا اسکی فوج کا تعاقب
کر کے شکست دینے کے لئے لازمی اور ضروری ہیں لیکن یہ ظاہر کرنیکے لئے
کہ ہم پیشوا کے جذبات کی قدر کرتے ہیں اور اس کی درخواست پر توجہ کرنیکے
لئے آمادہ ہیں اور اس کی فوج کی حقیقی حالت کے متعلق معلومات بہم پہنچانیکی
غرض سے اس نے اپنے اول اسسٹنٹ لفٹننٹ لو کو اور اپنے دوم پولیٹیکل
اسسٹنٹ لفٹنٹ میکڈانلڈ کو پیشوا کے کیمپ میں بھیجنے کا تہیہ کر لیا۔ اس نے
وکیلوں سے صاف صاف کہدیا کہ آپ کے آقا کو اپنی گدی سے دست بردار
ہونے اور دکن چھوڑنے کے لئے تیار ہو جانا چاہئے کیونکہ جو کچھ واقع ہو چکا
ہے اس کے اور بالخصوص اس اعلان کے بعد (جس کی رو سے ہم نے
اس کی ریاست پر قبضہ کیا ہے) اب یہ بات انگریزی حکومت کے اختیار
سے باہر ہے کہ وہ اپنی اس کارروائی کو کالعدم کر دے جو ہندوستان میں امن
قایم کرنے کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔ بریگیڈیر جنرل نے پیشوا کو تحریر
کیا کہ میں نے آپ کے وکیلوں کو مفصل اطلاع دیدی ہے اور میں آپ سے
استدعا کرتا ہوں کہ اگر فی الحقیقت آپ دل سے صلح کے متمنی ہیں تو
آپ لفٹنٹ لو کے ہمراہ اپنے چند خاص معتمد لیکر دریائے نربدا کی طرف
تشریف لائے اور آپ کی تشریف آوری پر میں تن تنہا آپ کی خدمت
میں حاضر ہوں گا اور ان شرائط کی بابت آپ سے مفصل گفتگو کرونگا جو حکومت
برطانیہ آپ کے واسطے منظور کر سکتی ہے۔

لفٹنٹ لو کے بھیجنے سے یہ غرض تھی کہ پیشوا کی اصل حالت اور
اس کے قول و قرار کی صداقت کا اندازہ کیا جائے اور پیشوا کو بریگیڈیر جنرل
میلکم سے جلد ملاقات کرنے پر آمادہ کیا جائے اور اس افسر کو یہ ہدایت
کر دی گئی تھی کہ وہ نہایت وضاحت کے ساتھ ان شرائط کو باجی راؤ کے
گوش گذار کر دے جن پر صلح کی گفتگو کرنے کے لئے بریگیڈیر جنرل آمادہ
ہو سکتے ہیں ان میں اول شرط یہ ہے کہ باجی راؤ اپنی گدی سے دست بردار

ہو جائے دوسرے یہ کہ اُسے دکن میں رہنے کی اجازت نہیں دیجائے گی اور پیشوا اسے کہدیا جائے کہ ہم امید کرتے ہیں کہ آپ اپنی صدق دلی کے ثبوت کے لئے (اگر ایسا کرنے کی آپ میں قوت ہو) ترمبک جی ڈنگلیا اور کپتان ونگھم اور ان کے بھائی کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کردیں چونکہ یہ دونوں افسران تیلی گام[1] میں نہایت سفاکی کے ساتھ قتل کردئے گئے تھے لفٹنٹ لو دکلاء کے ہمراہ ۱۸ ؍مئی کو روانہ ہو گیا وہ منڈلیر ہوکر اسلئے گیا تاکہ اُسے وہاں کی بٹالین زیر کمان لفٹنٹ کرنل اسمتھ میں سے ایک مختصر فوجی دستہ اپنے ہمراہ لیجانے کا موقع مل جائے۔

بریگیڈیر جنرل میلکم کو ۱۸ ؍تاریخ کو بوقت شب اپا صاحب (سابق راجہ ناگپور) کی قید خانہ سے فرار ہونے کی اطلاع ملی اور اس نے یہ سوچکر کہ مبادا اس واقعہ سے پیشوا کے ارادہ میں کچھ تبدیلی پیدا ہو جائے لفٹنٹ لو کو حکم دیا کہ تم پیشوا کے وکیلوں کو ایک یا ۲ مقامی ایجنٹوں کے ساتھ پیشتر روانہ کردو اور تم انکے کیمپ کو اس وقت جانا جب وکلاء فوراً واپس آکر تمہیں اپنے آقا کی طرف سے طلب کریں اور لفٹنٹ کرنل اسمتھ کو اپنی بٹالین اور چند ہندوستانی سوار لیکر دریائے نربدا عبور کرنیکا حکم دیا گیا اور لفٹنٹ لو کو یہ ہدایت کی گئی کہ معدودے چند آدمی اپنے ساتھ لیجانے کی بجائے اس فوج کو اپنے ہمراہ لیجاؤ اور چھوٹی چھوٹی منزلیں طے کرتے ہوئے کوچ کرنا۔ اس تبدیلی سے یہ غرض تھی کہ اگر باجی راؤ میدان جنگ میں اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے کا دوبارہ تہیہ کرے تو لفٹنٹ کرنل اسمتھ۔ بریگیڈیر جنرل ڈوئن اور لفٹنٹ کرنل رسل سے مل کر اس کا تعاقب اور خاتمہ کرسکیں۔ اس اثناء میں بریگیڈیر جنرل میلکم نے باجی راؤ کو مالوہ میں داخل ہونے سے باز رکھنے کے لئے چند فوجی انتظامات کی تکمیل کی اور خود مختصر سی فوج لیکر منڈلیسر کو روانہ ہو گیا جہاں پر وہ ۲۲ ؍مئی کو پہونچ گیا۔

۲۱۴

[1] تیلی گام پونا سے ۱۵ میل پر ایک گاؤں ہے۔

سرجان میلکم نے تجویز کیا کہ باجی راؤ کی پیش قدمی کرنے کی صورت میں مجھے مندلیسر کے نزدیک قیام کرنا چاہئے اور میری دیگر فوجیں (بجز کرنل اسمتھ کی افواج کے) اپنے اپنے مقام پر رہیں لیکن وکلاؤ کی آمد میں تاخیر ہونے اور پیشوا کی ٹال مٹول سے اسے یقین ہوگیا کہ یہ راہ ترک کردینی چاہئے۔ اُسے یہ اطلاع ملی کہ بریگیڈیر جنرل ڈوٹن ایک زبردست فوج لیکر برہان پور آگئے ہیں جو باجی راؤ سے ۱۲ میل کے فاصلے پر ہے اور باجی راؤ بہت خوف زدہ ہوگیا ہے اور حسب توقع تیزی کے ساتھ پیش قدمی کرنے کے بجائے وہ اس لئے صرف چند میل آگے بڑھا ہے کہ صوبیدار سید حسین[۱] (سرجان کا ہندوستانی ایڈیکانگ) کو بریگیڈیر جنرل ڈوٹن کی خدمت میں ایک عریضہ ارسال کرنے پر آمادہ کرے اور جنرل ڈوٹن سے درخواست کی جائے کہ اگر پیشوا، بریگیڈیر جنرل میلکم کی جانب پیش قدمی کرے تو آپ پیشوا پر حملہ کرنے سے اجتناب کریں۔ ان واقعات نے آخرالذکر افسر کو پیش قدمی کرنے پر آمادہ کردیا اور اس نے لفٹنٹ کرنل کو چرواہ Charwah سے (جہاں پر وہ پیشتر مقیم تھا) بورگام جانے کی ہدایت کی جس کا یہ مطلب تھا کہ اس بات کی نگرانی کی جائے کہ باجی راؤ شمال مغرب کی طرف بچکر نکل جانے کا ارادہ نکرسکے۔

سرجان میلکم تیز روی سے کوچ کرکے ۲۷ مئی کو علی الصباح بیکن گاؤں پہونچ گئے۔ باجی راؤ کے وکیل اس سے ایک روز قبل آگئے تھے جو پہلے سے بھیجدئے گئے تھے اور جو اپنے آقا کی صدق دلی کا پیام لیکر واپس آئے تھے اور کہتے تھے کہ ہمارے آقا جناب لفٹنٹ لو صاحب کی اپنے کیمپ میں آمد کے بیحد شائق ہیں۔ بریگیڈیر جنرل نے اس افسر کو ہدایت کی کہ اس کی فوراً تعمیل کی جائے اور جو کچھ پیشتر کیا گیا تھا اس کا اعادہ کرنے کے بعد وکیلوں سے فرمایا کہ آپ میری کارروائی سے اندازہ کرسکتے ہیں کہ اب تاخیر کرنے کا وقت نہیں اور ایک سچے دوست کی حیثیت سے میں باجی راؤ کو متنبہ کرتا ہوں کہ وہ اپنی ایک مستقل رائے قایم کرلیں وہ یہ ہے کہ یا تو جنگ بدستور جاری رکھی جائے یا وہ اپنے کو حکومت برطانیہ

۲۱۵

[۱] یہ بہادر اور سمجھدار ہندوستانی افسر اب مدراس کے باڈی گارڈ کا صوبہ دار میجر ہے۔

سکے رحم وانصاف پر چھوڑدیں چونکہ آپ کی حالت موجودہ یہ ہے کہ اگر آپ کوئی درمیانی راستہ اختیار کریں گے تو اس میں آپ بالکل تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

لفٹننٹ لو ۲۹ مئی کو باجی راؤ کے کیمپ میں پہونچ گیا اور اس کے ساتھ گفتگو کرنے پر اُسے معلوم ہوا کہ باجی راؤ کو اُن شرائط سے بہتر شرائط پر صلح ہو جانے کی امید ہے جو اس کے لئے منظور کی جا سکتی ہیں۔ باجی راؤ کو یقین تھا کہ میرا لقب پیشوا بدستور قائم رہے گا اور مجھے پونا میں قیام کرنیکی اجازت مل جائے گی (اگرچہ اختیارات بہت محدود کردئے جائیں گے) اُسے بریگیڈیر جنرل میلکم سے مجوزہ ملاقات کرنے میں اپنی جان کی خیر نظر نہ آتی تھی اس لئے اُس نے نہایت عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ جنرل موصوف کی فوجیں دور بھیجدی جائیں لیکن یہ معلوم کرکے کہ وہ اس درخواست کو نامنظور کردینیکا عزم بالجزم کرچکے ہیں بالآخر باجی راؤ حسب ذیل شرائط پر یکم جوؔن کو کھیری (دره کھیری سے نصف میل پر) آنے پر راضی ہو گیا۔

کہ میرے ہمراہ ۲ ہزار آدمی ہونگے۔ اور بریگیڈیر جنرل میلکم اپنے ساتھ ایک مختصر فوجی دستہ لائیں اور اپنی فوج کو ۱ میل پر بمقام میٹادل چھوڑدیں اور باجی راؤ کو اگر وہ خواہش کرے تو اس ملاقات کے بعد اس کے کیمپ میں بحفاظت واپس جانے کی اجازت دی جائے۔

یہ شرطیں قبول کرلی گئیں چنانچہ باجی راؤ مقام مقررہ پر بوقت ۵ بجے شام اپنے خیمہ میں پہونچ گیا اس کے فوری بعد بریگیڈیر جنرل میلکم اپنے ہمراہ چند افسران اور سپاہیوں کی ۲ کمپنیوں کا ایک دستہ لیکر آپہونچے۔ کھلے دربار میں اس جماعت کا خیر مقدم ہوا۔ اولاً رسمی علیک سلیک اور مزاج پرسی ہوئی اس کے چند منٹ بعد باجی راؤ نے بریگیڈیر جنرل میلکم سے درخواست کی کہ آپ میرے ساتھ دوسرے خیمے میں تشریف لے چلئے

(۲۱۶)

لہ اولاً اس ملاقات کی تاریخ ۳۱ مئی قرار پائی تھی لیکن پھر باہمی رضامندی سے ملتوی کردی گئی۔

جلسہ دو تین گھنٹے تک رہا جس میں باجی راؤ نے اپنی مصیبتوں اور حالت زار کی تفصیل بیان کی اور اپنی قدیم دوستی یاد دلا کر سر جان میلکم کو ترس دلانے کے لئے اپنی ساری فصیح البیانی صرف کر دی چنانچہ باجی راؤ نے عرض کیا کہ "میرے تین قدیم اور بہترین دوستوں میں سے اب آپ ہی باقی رہ گئے ہیں۔ کرنل کلوز کا انتقال ہو گیا اور جنرل ویلزلی غیر ملک میں دور دراز فاصلے پہ ہیں۔ میرے خوشامدی فرار ہو گئے اور پرانے خیر خواہ بھی میرا ساتھ چھوڑتے جاتے ہیں اب اس مصیبت اور پریشانی کے عالم میں مجھے اپنے ایک قدیم دوست کا سہارا باقی ہے مجھے یقین کامل ہے کہ آپ کی ذات والا صفات مخزن اوصاف ہے اور اسی لئے اپنی پریشانی کی اہمیت کا لحاظ کر کے میں نے آپ سے ملاقات کرنے کا قصد کیا ہے۔" اس کے جواب میں سر جان میلکم نے نہایت مدلل طور پر وہ شرائط خود بیان کیں (جو دوسروں کی معرفت پیش کی تھیں) اور فرمایا کہ آپ کی بہتری اور آپ کی دانشمندی اسی میں ہے کہ ان شرائط کو آپ قبول کر لیں اس کے بعد فرمایا کہ حکومت برطانیہ کی اس شرط میں کہ آپ بادشاہت کے جملہ حقوق اور دعاوی سے دست بردار ہو جائیں چون و چرا کی مطلق گنجائش نہیں ہے اور آپ کے ایک مخلص دوست سے یہ بہت بعید ہے کہ وہ آپ کو ایسی توقعات دلائے جو کبھی پوری نہیں ہو سکتی ہیں اور پھر بریگیڈیر جنرل میلکم نے ارشاد کیا کہ "باجی راؤ کی زندگی میں یہ ایسا نازک وقت ہے جبکہ وہ اس درجہ پر قناعت کر کے جہاں تک کہ وہ جا پہونچا ہے یہ ثابت کر دکھائے کہ اس میں اعلیٰ درجہ کے اوصاف اور جسارت موجود ہے" اور آخر میں اس سے صاف صاف کہدیا کہ اس میں مزید تاخیر کی گنجائش نہیں ہے اس جلسہ کی مفصل کیفیت یہاں پر نہیں بیان کی جا سکتی ہے البتہ صرف اسقدر بتا دینا کافی ہے کہ ہر ایک مسئلہ پر خوب بحث ہوئی اور باجی راؤ کی اس درخواست کے بعد جلسہ برخاست ہو گیا کہ ہم کل پھر ملاقات کریں گے۔ بریگیڈیر جنرل میلکم نے اس بات کو نامنظور کیا چونکہ آپ نے یہ سمجھا کہ پیشوا کی باتوں سے

معلوم ہوتا ہے کہ ہماری اطاعت قبول کرنے کے لئے ابھی اس نے پورا تہیہ نہیں کیا ہے اس وجہ اور اس واقعہ کے پیش آنے سے کہ اس نے ایک روز قبل اپنا سارا سامان اسیر گڈھ کو بھیجدیا تھا برگیڈیر جنرل نے یہ رائے قایم کر لی کہ اس معاملے کو ختم کرنے میں ایک منٹ بھی ضائع نہ ہونا چاہئے برگیڈیر جنرل میلکم بوقت ۱۰ بجے شب اپنے خیمہ میں واپس آگئے۔ اگرچہ پیشوا کو اطمینان دلانے کی بہت کوشش کی گئی لیکن اُسے حملہ ہونے کا اسقدر خوف لگا ہوا تھا کہ وہ فوراً گھاٹ پر چڑھ گیا جہاں پر کہ اس کی حفاظت کے لئے چند توپیں نصب تھیں۔

اس کے بعد فوراً برگیڈیر جنرل میلکم نے حسب ذیل شرائط کا مسودہ اپنے دستخط ثبت کر کے باجی راؤ کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

اول یہ کہ باجی راؤ پیشوا اپنی اور اپنے جانشینوں کی طرف سے پونا اور دیگر مقامات کی بادشاہت کے جملہ حقوق و دعاوی سے دست برداری دیدے گا۔

دوسرے یہ کہ باجی راؤ فوراً مع اپنے اہل و عیال۔ ہوا خواہوں اور ملازموں کے برگیڈیر جنرل میلکم کے خیمہ میں حاضر ہوگا جہاں پر کہ اعزاز اور احترام کے ساتھ اس کا استقبال کیا جائے گا اور پھر وہ پوری حفاظت کے ساتھ بنارس یا ہندوستان کے کسی اور مقدس مقام کو بھیجدیا جائے گا جو اس کی درخواست پر گورنر جنرل بہادر اسکی سکونت کے لئے مقرر فرمائیں گے

تیسرے یہ کہ دکن میں صلح ہو جانے اور موسم کی حالت کے باعث باجی راؤ کو ہندوستان جانے میں ایک دن کی بھی تاخیر نہ کرنی چاہئے اور جنرل میلکم اس بات کا وعدہ کرتے ہیں کہ اگر پیشوا کے خاندان کے کچھ افراد پیچھے رہ جائینگے تو وہ بہت جلد اس کے پاس بھیجدئے جائیں گے اور ان کے سفر میں تعمیل

۲۱۸

۱؎ اس دوران میں جسونت راؤ بھاؤ صوبیدار اسیر گڈھ نے پیشوا کو ہر طرح کی مدد دی اور اسکی طرفداری میں بڑی سرگرمی ظاہر کی۔

ہونے اور آسائش ملنے میں آسانیاں بہم پہونچائی جائیں گی چوتھے یہ کہ اگر پیشوا اس معاہدہ کو بخوشی منظور کرلے گا تو اس کے اور اس کے اہل عیال کے گذارہ کے واسطے کمپنی کی حکومت معقول وظیفہ مقرر کردے گی۔

پانچویں یہ کہ اگر باجی راؤ اس معاہدہ کو فوراً قبول کرلیگا تو اس کے خاص خاص جاگیرداروں اور وفاداروں کے متعلق جو اسکی فرماں برداری کے باعث تباہ ہوگئے ہیں اس کے معروضات پر خاص توجہ کی جائے گی۔ جو واجب الاحترام برہمن یا مذہبی شعبے اس کے یہاں سے امداد پاتے تھے ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا۔

چھٹے یہ کہ باجی راؤ مرقومۂ بالا شرائط کو صرف منظور ہی نہ کرے بلکہ چوبیس گھنٹے کے اندر بریگیڈیر جنرل میلکم کے خیمہ میں بہ نفس نفیس حاضر ہو ورنہ جنگ پھر شروع کردی جائے گی اور پھر اس سے مصالحت کی کوئی گفتگو نہ کیجائیگی۔

یہ شرائط یکم جون کو علی الصباح باجی راؤ کی خدمت میں اس پیام کے ساتھ بھیجدی گئیں کہ اس میں ایک لفظ بھی ترمیم نہ ہوگا اور نہ کچھ مہلت دی جائے گی۔

چونکہ قطعی فیصلہ کے لئے باجی راؤ کو صرف ۲۲ گھنٹے کی مہلت دیگئی تھی اس لئے ان شرائط کو نامنظور کرنے کی صورت میں اور اس میعاد کے ختم ہونے پر حملہ کرنے کا پورا انتظام کرلیا گیا۔

یہ دن (۲ر جون) پیشوا اور اس کے معتمد خاص کے پاس سے قاصدوں کی مسلسل آمد و شد میں گذر گیا۔ آخر الذکر کو اس نازک وقت میں اپنے حقوق کی فکر دامن گیر ہوئی اور سر جان میلکم نے ان سے ارشاد فرمایا کہ آپ ہمارے حصول مقصد یعنی پیشوا کی اطاعت قبول کرنے اور جنگ ختم کرانے کے لئے کوشش فرمائے تو ہم بھی آپ کے حقوق کی حفاظت کی طرف توجہ کریں گے۔

بریگیڈیر جنرل میلکم نے اپنے ایک مراسلے میں جو ۴ر جون کو مسٹر سکریٹری ایڈم کے نام لکھا گیا اس وقت کی حالت تحریر فرمائی ہے جس میں

باجی راؤ کی اطاعت قبول کرنے کی کیفیت بالفاظ ذیل درج ہے "جو پیچیدگیاں
واقع ہوئیں ان سب کی تفصیل بتانے کو تو ایک دفتر چاہئے مجھے اپنی ساری
عمر میں ایسا منظر نہیں دکھائی دیا ہے جس میں ہندوستانی کیرکٹر کا ہر ایک
پہلو اس سے زیادہ زبردست طریقہ پر نمایاں ہوا ہو۔ ونکور جاگیردار سردار
پورندرا اور منیجر خاندان گوکلا کا یہ خیال نہایت شریفانہ تھا کہ اگرچہ وہ مایوس
ہوگئے تھے اور میرے دلائل وبراہین سے انہیں اس کا یقین کامل ہوگیا
تھا کہ باجی راؤ کو بجز اطاعت قبول کرنے کے اور کوئی چارہ کار رہی نہیں
لیکن انہوں نے بڑی احتیاط کے ساتھ یہ امر میرے ذہن نشین کردیا۔
(جب میں نے انہیں مطلع کردیا کہ اس معاملہ کی تکمیل میں آپ اپنے اثر
سے جس قدر کام لیں گے اس کی کامیابی ہی پر آپ کے حقوق کا انحصار
ہوگا) کہ ہم انہیں سمجھانے اور راضی کرنے کی پوری کوشش کریں گے
لیکن کسی قسم کی سختی یا زیادتی ہرگز گوارا نہیں کرسکتے ہیں میں نے ان سے
کہدیا کہ ہم آپ سے اس کے خواہاں نہیں ہیں اور میں آپ کے وفادارانہ
خیال کی قدر کرتا ہوں اور اب وہ وقت آپہونچا ہے جبکہ آپ کی اور پیشوا
کی خیر اسی میں ہے کہ اس تباہ کن اور فضول جھگڑے کا خاتمہ کردیا جائے
اور اگر آپ کی متحمل مزاجی ان نالائق اور بدمعاش لوگوں کے مشوروں کو
پیشوا کی تباہی کی تکمیل کرنے دے گی جنھوں نے باجی راؤ کو اس حالت
پر پہونچا دیا ہے تو آپ کی احتیاط کے معنی آپ کی کمزوری کے ہوں گے
اور پھر آپ نہ تو پیشوا سے شکرگذار ہونے کی اور نہ ہم سے کسی صلہ پانے کی

۴۲۰

؎ سردار ونکور کے وکیل نے بیان کیا کہ میرے آقا کا خاندان ۵ پشت سے پیشوا کی
خدمت گذاری کررہا ہے اور وہ ہمیشہ پیشوا اور اسکے اجداد سے نہایت بے باکی سے
بات چیت کرتے ہیں لیکن اب چونکہ اس کا بخت الٹ گیا ہے اس لئے ہمیں سکوت
اختیار کرنا چاہئے اسکی فضول بکواس اور لعنت ملامت کا ہم نے کوئی جواب نہیں دیا
ہے اور نہ دینا چاہئے۔

امداد کر سکیں گے اور بالآخر میں نے اُن سے صاف صاف کہدیا کہ تاوقتیکہ
باجی راؤ کل میرے کیمپ میں نہ آجائیں میں آپ کی کوئی بات سننا نہیں
چاہتا ہوں ۔ معزول راجہ کے وفادار ملازم کی حیثیت سے ان کی کچھ حقیقت
نہ تھی اور وہ نہ تو اپنے کو اور نہ اپنے آقا کو مکمل تباہی سے کسی طرح بچا سکتے
تھے لیکن ایک لمحہ بھر کے لئے انھیں اہمیت حاصل تھی جو اگر ضائع ہو جاتا
تو پھر واپس نہ آسکتا تھا ۔ ۲؍ تاریخ کو بوقت ۱۱ بجے شب جبکہ سردار ونکو اور
ابا پورندرے کے وکیل مجھ سے رخصت ہو کر جانے لگے تو میں نے ان سے کہا
کہ میرے متاول پہنچنے سے ایک روز پیشتر باجی راؤ نے اپنا قیمتی
ساز و سامان اسیر گڑھ بھیجدیا تھا اور ہماری بات پر بھروسہ کرنے کا یہ ثبوت
نہیں ہے مجھے اطلاع ملی ہے کہ اس سے اس کی غرض وہاں پناہ لینے
کی ہے اگر وہ یہ حرکت کرے گا تو یہ اسکی آخری منزل ہوگی اور اگر آپ اُسے
یہ روش اختیار کرنے کی اجازت دیں گے تو آپ اس مصیبت کے ذمہ دار
ہونگے جو اس کے باعث آپ پر اور آپ کے خاندان پر نازل ہوگی جب
یہ وکیل میرے خیمے سے چلے گئے تو میں نے اپنے محرر سے کہا کہ تم اپنے
طور پر چپکے سے میرے خط کی ایک نقل ان وکیلوں کو دیدو جو میں نے کل باجی راؤ
کے نام تحریر کیا تھا اور جس میں اس کی منظوری کے لئے میری شرطیں درج
ہیں ۔ میرے محرر نے مجھے کہا کہ انھوں نے ان شرائط کو نہایت شوق سے
پڑھا اور یہ معلوم کر کے کہ اس معاملے کے طے ہو جانے پر ان کے خدمات
کا لحاظ رکھا جائے گا ان کو بیحد مسرت حاصل ہوئی ۔ ان وکیلوں کو رخصت
کر دینے کے بعد میں نے باجی راؤ کے اس وکیل کو بلوایا جس کو میں نے
متاول پہنچ کر طلب کیا تھا اور ڈاک بیٹھانے اور ہر طرف ہرکارے
روانہ کرنے کے احکام جاری کر دئے تاکہ میری نقل و حرکت اور حملہ آور ہونے
بابتہ باجی راؤ کے شکوک اور خدشے رفع ہو جائیں کیونکہ شروع ہی سے
مجھے اس کی انتہائی بزدلی کے باعث ناکامی کا کھٹکا تھا ۔ میں نے اس شخص
سے کہا کہ تم میرے کیمپ میں نہیں ٹھہر سکتے تم فوراً چلے جاؤ لیکن اپنے

(۲۱

آقا کو تحریری یا زبانی اطلاع دیدو کہ میلکم صاحب کل ۶ بجے صبح سے قبل
کوچ نہیں کریں گے۔ میں اپنی فوج کھیری[1] کے قریب بھیجدوں گا اور باجی راؤ
کو اگر میری شرطیں منظور ہوں تو وہ ۱۲ بجے تک پہاڑ سے اتر کر میری فوج کے
نزدیک خیمہ زن ہو جائیں اور میں نے اس سے کہدیا کہ تم باجی راؤ کو مطلع
کردو کہ کرنل رسل ٹرمبک جی کے آدمیوں پر حملہ کرنے کے واسطے بورگام
گئے ہیں اور میں نے کرنل موصوف پر باجی راؤ کی یہ خواہش ظاہر کردی ہے
کہ وہ ڈاکو تباہ کردیا جائے اور اس پر کل ضرور حملہ ہو جائے گا۔

میں نے نامہ و پیام میں سہولت پیدا کرنے کی غرض سے اپنے
اول نائب لفٹنٹ لو کو چند میل آگے مامور کردیا تھا اس کی زبانی ابھی
معلوم ہوا ہے کہ جو قاصد خط اور شرائط دیکر بھیجے گئے تھے وہ واپس آگئے
اور بیان کیا کہ باجی راؤ شرائط قبول کرنے پر آمادہ ہے لیکن وہ نہایت
شش و پنج میں ہے اور ایک دن کی مہلت مل جانے کا خواستگار ہے
اور کہتا ہے کہ کل کا دن یعنی ۳ جون میرے لئے بڑا منحوس دن ہوگا اور
ہمارے خیمہ میں آنے سے پیشتر اسے چند ضروری مذہبی رسوم ادا کرنی ہیں
میں اس حرکت پر بہت خفا ہوا اور لفٹنٹ لو سے کہدیا کہ اگر باجی راؤ
کے کیمپ سے کوئی شخص تمہارے پاس آئے تو اس کو نہ صرف واپس کردینا
بلکہ اس کی طرف سے اپنی پشت پھیر لینا اور میں نے اسی وقت سواروں کو
حکم دیا کہ ہمارے کیمپ میں آنے والی سڑکوں پر قبضہ کرلو تاکہ کوئی قاصد
ادھر نہ آنے پائے۔ ۲ تاریخ کو بوقت ۲ بجے دن میں نے یہ کارروائی
ایسے علانیہ طور پر کی کہ مجھے یقین ہوگیا کہ اس کی خبر باجی راؤ کو مختلف
ذرائع سے مل جائے گی۔ اس کے بعد میں ۶ بجے روانہ ہوگیا اور اس
مقام پر ۹ بجے پہنچ گیا۔

(۲۲۲) اس کے ذری دیر بعد آنند راؤ جسونت گھبرایا ہوا میرے پاس آیا

۱۔ متصل کھیری۔

اور میں نے اُن سے کہا کہ آپ کی صداقت کے وعدے کہاں گئے اور اُسے واپس جانے کا حکم دیدیا۔ اسپر اس نے کہا کہ یہ بہت منحوس دن ہے میں نے جواب دیا کہ اگر آپکا آقا نہ آئے گا تو یہ دن اُس کے حق میں نہایت منحوس ثابت ہوگا۔ میں نے کہا کہ میں تو باجی راؤ پر ہر طرح کی مہربانی کرنا چاہتا ہوں لیکن وہ مجھے اس قسم کی زیادتیاں کرنے پر مجبور کرتا ہے اور اس کے رویہ سے ہم اس تجویز پر عمل کرنے سے قاصر ہیں جس سے سراسر اس کا اور اس کے وابستگان کا فائدہ مد نظر ہے اس نے عرض کیا کہ باجی راؤ اسوقت نہایت خوفزدہ ہیں اس لیئے آپ انہیں اطمینان دلانے کے لیئے ایک آدمی بھیجدیجئے میں نے دریافت کیا کہ وہ کس بات سے خائف ہیں کیا ہماری شرائط سے ؟۔

اس نے جواب دیا کہ آپ کی شرطیں تو وہ قبول کرلیں گے۔ میں نے غصہ ہو کر دریافت کیا کہ کیا وہ مجھ پر دغابازی کا شبہ کرتے ہیں ؟ اس نے کہا ہرگز نہیں لیکن ممکن ہے کہ گورنر جنرل بہادر آپ کو مجبور کریں کہ اُن پر سنتری اور پہرہ دار لگا دیں اور اس سے اُن کی ہمیشہ کے لیئے ذلت اور رسوائی ہو جائے۔ میں نے جواب دیا کہ آپ جائیے اور باجی راؤ سے کہدیجئے کہ اس قسم کے احکام میرے پاس نہیں آئے ہیں اور میں نے بامید منظوری گورنر جنرل بہادر جو فیصلہ کرنے کا تہیہ کرلیا ہے وہ نہایت فیاضانہ ہے اور میرے خیال میں یہ ناممکن ہے کہ باجی راؤ جیسی حیثیت کا شخص اس سے گریز کرنے کا قصد کرے گا اور اگر وہ ایسی جسارت کرلیگا تو اپنے آیندہ جملہ حقوق سے ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ اور حکومت برطانیہ اسکے حقوق کے خیال سے نہیں بلکہ اپنی سیر چشمی سے معقول وظیفہ دینا اور اس میں پھر اضافہ کرنا چاہتی تھی اب طرح وہ اس صرفۂ کثیر سے بچ جائے گی۔ آنند راؤ اس جواب سے بہت خوش ہوا اور فوراً روانہ ہوگیا تاکہ اس سے یہ بھی کہدے کہ میرے کیمپ کے قریبی مقام پر اس کے ہمراہ صرف مرہٹہ سرداروں کو آنا چاہیئے چنانچہ اس کی تعمیل ہوگئی اور پھر رام دین گوسائیں ایک

(۲۲۳) پلٹن گئے، اگلی صف میں خیمہ زن ہونیکا حکم دیدیا گیا اسیر میں چند توپوں کے چلنے سے (غالباً بریگیڈیر جنرل ڈوئن نے ٹرمبکؔ جی پر حملہ کیا تھا) کوچ میں کچھ عجلت نہ ہوئی اور باجی راؤ بوقت ۱۱ بجے میرے خیمے کے نزدیک آگیا لفٹننٹ لو اس سے ملاقات کرنے گیا اور اس نے باجی راؤ کو ہشاش بشاش پایا۔ شام کے وقت میں بھی اُس سے ملنے کو جانے والا تھا مگر نہایت سخت آندھی کے باعث نہ جا سکا۔

باجی راؤ کے ہمراہ جو فوج بریگیڈیر جنرل میلکم کے کیمپ تک آئی تھی اس میں ۴-۵ ہزار سوار اور ۳ ہزار پیدل سپاہی تھے جن میں ۱۲۰۰ عرب تھے اور پہاڑی راستوں کی نگرانی کے لئے جو فوج پیچھے چھوڑ دی گئی تھی اس کے آجانے سے دو روز بعد عربوں کی تعداد ۲ ہزار ہو گئی۔ سرجان میلکم نے گورنر جنرل بہادر کو تحریر کیا کہ "معزول راجہ اور اس کے ہمراہیوں سے اگر سخت کلامی کی بھی نوبت آجائے گی تب بھی میرے استقلال میں کچھ فرق نہ آئے گا"

چونکہ مجھے اپنے تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ فوج کم ہوجا ئیگی اور مجھے اس بات کا بھی علم ہے کہ اس فوج کو متحدہ کارروائی کرنے کے ذرائع میسر نہیں ہیں باجی راؤ سرجان میلکم کی فوج کے ہمراہ نربدا کی جانب کئی منزل تک گیا اور اس دوران میں اس کے سوائے کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا کہ اسکے کچھ ہمراہی یہ کہکر اُسکا ساتھ چھوڑ گئے کہ اب ہم دکن میں اپنے وطن کو جاتے ہیں سرجان میلکم کے دوستانہ مشورہ کے بعد بھی بہت سے ہمراہی باجی راؤ کے ساتھ رہے سرجان میلکم نے فرمایا کہ اسقدر مسلح آدمی رکھنا محض فضول ہے جن میں سے اکثر اپنی موجودہ حالت سے ضرور پریشان

لہ قلعہ سے اس فوج پر فیر ہوا تھا جو اسیر اور باجی راؤ کے درمیان حائل ہونے کے لئے بھیجدی گئی تھی مگر اس فیر سے کسی کے چوٹ نہیں لگی۔

ٹہ مراسلہ بنام نواب گورنر جنرل بہادر مورخہ ۱۹ ا رجون ۱۸۱۸ء

اور غیر مطمئن ہوں گے اور عربوں کے متعلق خصوصیت کے ساتھ بتادیا کہ انکی
درشت مزاجی اور تندخوئی سے خراب نتائج پیدا ہونے کا احتمال ہے یہ نصیحت
مختلف اوقات میں پیشوا اور اس کے ساتھیوں کو کی گئی اور انھوں نے اسکی
صداقت کا اقبال توکیا لیکن اس نصیحت پر بہت کم توجہ کی گئی۔ پیشوا اب بھی
اپنی سابق ظاہری شان و شوکت برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی اصلی حالت کا (۱۸۲۲
اقبال کرنے یا اُسے دوسروں پر ظاہر کرنے سے ڈرتا تھا اور اس کی یہ روش
اُس شبہ اور بزدلی سے اور بھی متاثر ہوگئی تھی جو اسکی خصلت میں داخل تھی اور
سرجان میلکم اس بات سے بخوبی آگاہ تھا کہ وہ صرف اسی طرح مغلوب کیا
جاسکتا ہے کہ ہم اس پر واضح کردیں کہ اگر آپ معاہدہ کی خلاف ورزی کریں گے
تو ہمیں کسی قسم کا خدشہ پیش نہ آئے گا اور اگر فی الحقیقت ہم سے دغابازی کا
اندیشہ تھا تو اس کے رفع کرنے کا صرف یہی ایک طریقہ تھا۔ اور اگر وہ مکروفریب
سے اپنا کام نکالنا چاہتا تھا تو بے اتفاقی سے اسکی حوصلہ افزائی کرنی نہیں مناسب
تھی کیونکہ پھر اُسے اپنی قوت کا زعم ہوجاتا۔ سرجان میلکم نے یہ خیالات پیش نظر
رکھکر باجی راؤ کو اپنی چکنی چپڑی باتوں میں مصروف رکھا اور فرمایا کہ انگریزی فوج
سے کچھ فاصلہ پر آپ کو خیمہ زن ہونا چاہیئے اور بحیثیت ایک مخلص دوست
کے اس کو سمجھایا کہ اگر آپ اسقدر فوج اپنے ساتھ رکھیں گے تو یہ
فوج ہمیشہ آپ کے لیئے خطرہ کا موجب رہیگی۔ ایک ایسا واقعہ پیش آگیا کہ
پیشوا کو ان مشوروں کی قدر محسوس ہوئی اور اس نے اپنے کو بریگیڈیر جنرل
کے سپرد کردیا اور واقعہ یہ تھا کہ باجی راؤ نے ٹرمبک جی ولنگلیا سے ۲ ہزار عرب
مستعار کے لیئے تھے ان عربوں نے اپنی بقایا تنخواہ باجی راؤ سے طلب کی۔
باجی راؤ عربوں کی تنخواہ اس مدت کی ادا کرنے پر تیار تھا جس مدت تک وہ
اس کے کیمپ میں رہے تھے لیکن عربوں نے کہا کہ جس روز سے ٹرمبک جی
نے ہمیں نوکر رکھا ہے اس دن سے اس وقت تک کی تنخواہ ہمیں ملنی چاہیئے
باجی راؤ نے اس کو منظور نہیں کیا اور پھر عربوں نے اس کا خیمہ گھیر لیا اور اسے
باہر نکلنے کی اجازت نہ دیتے تھے۔ یہ واقعہ ۹ رجون کا ہے جس روز کہ کوچ کا

حکم ہوا تھا اور اس وقت سر جان میلکم کی بہت سی فوج مع کل ساز و سامان کے اگلی منزل کو جا چکی تھی۔ بریگیڈیر جنرل حسب معمول یہ دیکھنے کے لئے پیچھے رہ گیا تھا کہ باجی راؤ روانہ ہو گیا یا نہیں اور اس نے اس روز سے اس خیال سے کہ شاید کوئی حادثہ پیش آجائے اپنے پاس ایک پلٹن، ۲ سو شہسوار تا صد اور کپتان پیدل سپاہیوں کی رہنے دی تھیں۔ اس بغاوت کی اطلاع ملنے پر اسے اولاً تو یہ خیال پیدا ہوا کہ باجی راؤ اس معاملے کو خود طے کر دیگا لیکن اس کے یکسو ہونے کے انتظار میں سارا دن گذر گیا۔ عرب اپنے مطالبے پر اڑے ہوئے تھے جو ہرگز پورا نہیں کیا جا سکتا تھا اور صورت معاملہ بگڑتی جاتی تھی کیونکہ ان کی مثال نے چند روہیلوں اور اس کے لشکر کے سب سواروں کو بغاوت پر آمادہ کر دیا تھا۔ باجی راؤ کو اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ اس نے سر جان میلکم سے امداد طلب کی لیکن مسلسل پیامات بھیجکر یہ استدعا کی کہ آپ اپنا ایک آدمی بھی یہاں نہ بھیجئے گا کیونکہ انگریزی کیمپ میں خفیف سی حرکت ہونے سے یہ لوگ مجھے فوراً مار ڈالیں گے اس حالت میں سر جان میلکم نے اپنی فوج کے اس حصہ کو جو روانہ ہو چکا تھا اسکونی (Sconee) واپس آنے کا حکم دیا اور پھر شام کے وقت باغیوں کے چند سرداروں سے کچھ بات چیت کی یہ لوگ معقول معلوم ہوتے تھے لیکن انھوں نے یہ جواب دیا کہ ہم اپنے آدمیوں کو اپنے قابو میں نہیں رکھ سکتے ہیں اور باجی راؤ سے کہلا بھیجا کہ آپ رات بھر آرام فرمائیے اور میں آپ کو اطمینان دلاتا ہوں کہ کل صبح آپ کو اس نرغے سے بچا لوں گا۔ بریگیڈیر جنرل نے عربوں اور روہیلوں کے پاس پیامات بھیجے اور انھیں تسلی و تشفی دی کیونکہ انھیں اپنے استیصال کا ڈر لگا ہوا تھا اور کہا کہ میں اس بات کی ضمانت کرتا ہوں کہ پیشوا نے تم لوگوں سے جو وعدہ کئے ہیں وہ ضرور پورے کئے جائیں گے ان تدابیر سے رات بھر سب لوگ خوش رہے

(۲۲۵)

بریگیڈیر جنرل کو علی الصباح یہ خبر ملی کہ جو سوار آگے چلدئے تھے وہ واپس آرہے ہیں اور تھوڑی دور ہیں۔ اس نے باجی راؤ کے کیمپ کا خود معائنہ کیا جو ایک نالے پر نصب کیا گیا تھا جس کے کنارے نہایت ناہموار تھے اور

(۲۲۶)

اِس کے گرد وپیش درخت اور جھاڑیاں تھیں جو بے قاعدہ فوج کے لیئے نہایت
موزوں تھیں جسے وہ مغلوب کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کے مغرب میں ایک
مقام تھا جو نالہ پر سے کسی قدر بلند ہوتا گیا تھا یہاں پر وسیع اراضی کا ایک قطعہ
مل گیا جس پر سر جان میلکم نے اپنی فوج مامور کردی یہ مقام باجی راؤ کے
کیمپ سے ۳۰۰ گز کے فاصلہ پر تھا۔ اُس کے پاس کل ۱۴۰۰ سوار ۷۰۰
سپاہی ۶ پونڈ والی توپوں کے ۲ بریگیڈ اور ۷۰۰ بے قاعدہ سوار تھے لیکن
اُسے اپنی اس مختصر فوج کی شجاعت اور قابلیت پر اسقدر بھروسہ تھا
کہ صورت معاملہ دگرگوں ہو جائے تو بھی فتح مندی ضرور حاصل ہو جائے گی
لیکن وہ حتی الوسع اس سے اجتناب کرنا چاہتا تھا۔ اس نے سواروں کو
دور دور تعینات کیا اور سپاہیوں کی ایک صف بنادی تاکہ وہ لوگ
خوف زدہ ہو کر اطاعت قبول کرلیں جو ان کے مدمقابل تھے یہ وقت نہایت
پریشانی کا تھا کیونکہ باغیوں کو بغیر جنگی کارروائی کے رام کرنا مقصود تھا اور
اگر کوئی جنگی کارروائی کی جاتی تو باجی راؤ کی جان کسی حادثہ یا باغیوں کی زیادتی
سے جاتی رہتی جس کے خیمہ کو وہ گھیرے ہوئے تھے اور عربوں سے اسکا
بہت قوی اندیشہ تھا اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ اس کے اہل و عیال اور
بہت سے دیگر بے پناہ لوگ (جن میں عورتیں اور بچے شامل تھے) مارڈالے جاتے
باغیوں کو اپنی اس قوت کا بھروسہ تھا جو اس واقعہ سے انھیں حاصل ہو گئی
تھی اور اس وجہ سے وہ کسی ایک متنفس کو بھی کیمپ سے باہر جانے کی
اجازت نہ دیتے بندوقیں بھری گئیں اور دیاسلائیاں روشن کرلی گئیں لیکن
نہایت سخت ہدایت کردی گئی کہ حکم ملنے تک ہر گز بندوق نہ چلائی جائے
عرب صف کی دائیں طرف بڑھے اور انھوں نے ایک باڑھ ماری جس سے
چند سپاہی زخمی ہو گئے۔ سوار حملہ کرنے کے لیئے بیتاب تھے لیکن وہ

(۲۲۷)

ل دیسی رسالہ ۱۳۱ کے ۱ یا ۲ محافظ سوار زخمی ہو گئے۔ اس رسالہ کا ایک سوار جب
جنرل میلکم کے پاس سے گذرا تو اس نے عرض کیا کہ کیا ہم اپنے سب سپاہیوں کو مروا ڈالیں

حکم کے پابند رہے اور اموات کی اطلاع ملنے پر بریگیڈیر جنرل نے بذات خود احکام نافذ کئے۔ اس وقت سید زین عرب سردار ہماری فوجی قطار سے خائف ہو کر بات چیت کرنے کو آگے بڑھا۔ سرجان میلکم نے اُسے حکم دیا کہ فوراً آتش باری بند کردو ورنہ حملہ کردیا جائے گا اور اسکے بعد ہم تمہاری بات نہیں سنیں گے۔ عرب سردار نے اپنا ایک ملازم اس کے بند کرنے کو روانہ کردیا اور نہایت عاجزی کے ساتھ اس نے سرجان میلکم سے عرض کیا کہ معاملہ طے ہو جانا چاہیئے۔ باجی راؤ نے ہمارے مطالبے کا بڑا جزو ادا کردیا ہے اب صرف چند خفیف مسائل تصفیہ طلب باقی رہ گئے ہیں اور اگر آپ تحقیقات فرمائیں تو فریقین آپ کے منصفانہ فیصلہ کی پابندی کریں گے سرجان میلکم نے اس کا وعدہ کرلیا اور سید زین فوراً ہی واپس روانہ ہو گیا تاکہ اپنے آدمیوں کو باجی راؤ کے خیمے سے علیحدہ کردے۔ وہ ناکام واپس آیا مگر اپنے ہمراہ جملہ عرب سرداروں کو لے آیا اور سرجان میلکم سے عرض کیا کہ ان کی یہ خواہش ہے کہ آپ ان میں سے ہر ایک سے یہ وعدہ فرمائیں کہ پیشوا کی مخلصی کے بعد ان پر حملہ نہیں کیا جائے گا۔ سرجان میلکم نے ہر ایک عرب جمعدار کو اطمینان دلایا اور وعدہ کرلیا کہ حملہ نہیں کیا جائے گا اس کے بعد وہ واپس گئے اور فوراً ہی عرب جھنڈے ان کے خیموں کی طرف لہراتے ہوئے نظر آئے۔ تھوڑی دیر بعد باجی راؤ چند سوار اپنے ہمراہ لیکر انگریزی صف کے سامنے آپہنچا۔ بریگیڈیر جنرل میلکم نے اس کی آمد کی خوشی میں سلامی سر کی تاکہ جو واقعہ پیش آیا ہے اس کا اثر باجی راؤ کے دل پر ضرور موجود ہوگا اور اب اُسے معلوم ہو جائے کہ جس ذلت اور خطرہ سے اُسے نجات مل گئی ہے اس میں اور اس

(۴۲۸)

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔ اور ایک گولی بھی نہ چلائیں۔ جنرل نے جواب دیا کہ "تم اس وقت بندوق چھوڑنا جب میں اجازت دوں ورنہ کمپنی کی شہرت میں بٹہ لگ جائے گا ۲۰ محافظ سواروں کو مرجانے دو" سوار نے نہایت جوشیلے لہجہ میں عرض کیا کہ "جنرل صاحب کمپنی کی ناموری قائم رکھنا آپ ہی کا کام ہے"

حفاظت اور شریفانہ سلوک میں کیا فرق ہے جو حکومت برطانیہ پر بھروسہ کرنے سے
اُسے میسر ہوا ہے اس روز کے واقعات کا نہایت خوش گوار نتیجہ برآمد ہوا۔
باجی راؤ بریگیڈیر جنرل کا بیحد مرہون منت تھا اور کہتا تھا کہ میری آبرو اور
جان کی سلامتی اسی دوست کے ہاتھ میں ودیعت کی گئی تھی۔ میں نے
آخر وقت میں سخت حماقت اور غلطی کی اور اب میں وہی کروں گا جو جنرل میلکم
فرمائیں گے اس سے کہدیا گیا کہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نربدا کو جانے والی
سڑک پر ۱۰ میل چلے جائے اور بریگیڈیر جنرل میلکم باقی ماندہ لوگوں پر پروانہ راہداری
دینے اور یہ دیکھنے کے واسطے پیچھے رہ گئے کہ عرب اور روہیلے وغیرہ حسب
وعدہ اپنے اپنے گھروں کو واپس جاتے ہیں یا نہیں۔ یہ کارروائی چند ہی
گھنٹوں میں بخیر وخوبی انجام کو پہنچ گئی اور باغیوں کے سردار بھی باجی راؤ
سے کچھ کم شکر گذار نہ تھے کہ ان کے ساتھ بھی بہت اچھا برتاؤ کیا گیا ہے۔
انگریزی فوج کے تحمل اور بربادی کو دیکھکر وہ متحیر ہو گئے تھے اور فی الحقیقت
ان کی کارروائی قابل ستائش تھی۔

اس کے بعد سر جان میلکم نے ایک فوجی اعلان نافذ کیا اور اسمیں
ایسے نازک موقع پر اپنی ماتحت فوج کے رویہ کی بالفاظ ذیل تعریف کی کہ
"بریگیڈیر جنرل میلکم اپنی ماتحت فوج کو دریائے نربدا کو دوبارہ عبور
کرنے پر مبارکباد دیتے ہیں اور عظیم الشان سیاسی واقعات اور شاندار
فوجی خدمات کی بدولت یہ مرحلہ بخیر وخوبی انجام کو پہنچ گیا۔ ہماری اس
فوج نے جنگ کے شروع ہی میں اپنی نمایاں شجاعت کا خراج تحسین
وصول کیا ہے۔ ہماری فوج والے ایسے علاقوں میں امن وسکون قائم (۲۲۹)
کرنے میں فوراً مصروف ہو گئے جہاں پر بدامنی اور ظلم وستم کا دور دورہ
تھا اور انھوں نے اس کام میں اعلیٰ درجہ کے اپنے جلیل سپاہیانہ اوصاف
ظاہر کئے ہیں اور انھیں اپنی خوبی قسمت سے گذشتہ جنگ میں خدمات
انجام دینے کا موقع مل گیا اور حکومت برطانیہ کے واجب باقی ماندہ دشمن
باجی راؤ کے مطیع ہو جانے سے وہ ضرور مطمئن ہو گئے ہوں گے۔ یہ خدمت

اس طور پر انجام دی گئی ہے کہ ہم کو اُن کی انفرادی شجاعت معلوم کرنے کا موقع نہیں ملا ہے۔ ہم نے اپنے فرض منصبی کے متعلق جس قدر کارروائیاں اور تدابیر سوچی تھیں اور بالخصوص ۱۰ تاریخ کی کارروائی جس میں باجی راؤ کے سپاہیوں نے بغاوت دفع کرنا منظور تھا ہم نے ہر ایک تدبیر پر اس خیال سے عمل کیا کہ ہمیں اپنی فوج پر کامل اعتماد اور بھروسہ ہو گیا تھا۔ ضابطے کی پابندی اور ظاہری صورت سے غدار فوج پر ان کی جو ہیبت طاری ہو گئی تھی اس میں ان کی مستقل مزاجی سے مزید اضافہ ہو گیا جو بے خوف شجاعت کا ایک جزو ہے۔ وہ وقت نہایت نازک تھا جب نمک حرام لوگوں کی ایک جماعت نے ہماری فوج پر بندوق چلائی جسے وہ نہایت آسانی کے ساتھ تباہ کر سکتے تھے لیکن اگر اس کے جواب میں ہماری طرف سے بھی آتش باری کی جاتی تو اس کا نتیجہ برطانیہ کی ناموری کو داغ لگانے والا اور انسانیت کے حق میں تکلیف دہ برآمد ہوتا۔ ہمارے سپاہیوں نے اپنے ساتھیوں کو زخمی ہوتے ہوئے دیکھا مگر وہ خموش رہے۔ انھوں نے صرف احکام کی پابندی کی چنانچہ اس کا نتیجہ حسب مراد حاصل ہو گیا اور اس موقع پر ضابطے کی پابندی کو اس قدر فتح مندی حاصل ہوئی جو شجاعت کی دسترس سے باہر تھی"

اس واقعہ کے بعد باجی راؤ نے اپنی روانگی، اپنے قیام اور فی الحقیقت دیگر ہر ایک معاملے کے متعلق بریگیڈیر جنرل میلکم کے ارشاد کی لفظ بلفظ تعمیل کی اس کے ملازمان کی تعداد گھٹ کر صرف ۶۰۰ سو سوار اور ۲۰۰ سپاہی اسکے پاس رہ گئے اور رفتہ رفتہ وہ اپنی موجودہ حالت پر قانع ہو گیا اور فی التحقیقت اس کے قانع ہونے کے معقول وجوہ تھے۔ مثلاً اس کے لئے گرانقدر گذارہ مقرر کیا گیا جس کی کوئی توقع اُسے اپنے عیارانہ طرز عمل سے نہ ہو سکتی تھی لیکن جس خیال سے یہ انتظام کیا گیا تھا اس کا کوئی تعلق باجی راؤ کے ذاتی کیرکٹر یا قابلیت سے نہ تھا بلکہ یہ انتظام اول تو جنگ ختم کرنے کی حکمت عملی پر مبنی تھا جس کی رو سے ایک واسطے ملک کی اطاعت قبول

(۲)

کر لینے کی قیمت شامل تھی کیونکہ اگر وہ بدستور ہمارا مخالف رہتا تو اس سے سارے ہندوستان میں شورش اور بے اطمینانی موجود رہتی دوسرے اس انتظام کا علاقہ حکومت برطانیہ کے وقار سے تھا جس نے ہمیشہ ایسے موقعوں پر اپنی اعلیٰ درجہ کی فیاضی اور دریا دلی ظاہر کی ہے علاوہ بریں پیش نظر تھا کہ اس انتظام کی بدولت حکومت کی تبدیلی پر سب لوگ راضی ہو جائیں گے اور پیشوا کے قدیم ہوا خواہ ہماری حکومت کے بے حد شکرگذار ہوں گے کہ اس نے فتح مندی کے بعد اپنے دل سے ساری برائیاں محو کر دیں اور معزول راجہ کے ساتھ سلوک کرنے میں ہمارے جذبات کا احترام کیا۔

اس فیاضانہ سلوک کا جو اثر باجی راؤ پر پڑے گا اس کا اندازہ اسطرح نہیں ہو سکتا ہے کہ ایک والیٔ ملک اُس حکومت کا کہاں تک شکر گزار ہو سکتا ہے جس نے اُسے معزول کر دیا ہے لیکن یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی اس سقیم حالت میں بھی ویسی ہی حرکتیں کرنے کا ارادہ کریگا جیسا کہ اس کے ساتھ برتاؤ کیا جائے گا اگر اس کی حالت بہتر ہو گی تو اُسے اس تبدیلی کا کچھ زیادہ افسوس نہ ہوگا باجی راؤ کے لیئے جو گذارہ مقرر کیا گیا ہے وہ ایک شخص کے واسطے تو ضرور شاہانہ ہے مگر حریصانہ اغراض کے لیئے وہ بے حقیقت ہے لیکن بالفرض اگر اس میں سازش کرنے کی دیرینہ عادت موجود ہے اور اس کی حرص و ہوس لاعلاج ہے تو کیا وہ بادشاہت حاصل کرنے کا تہیہ کر سکتا ہے اور اپنے اس ارادہ میں اُسے کامیابی کی کیا توقعات ہو سکتی ہیں۔ اس نے اپنی مرضی سے خود جلاوطنی اختیار کر کے اپنی رعایا کو اطاعت سے سبکدوش کر دیا ہے۔ اس کے قدیم نمکخوار اپنے فرائض سے آزاد ہو گئے ہیں اور وہ اپنے نئے تعلقات پیدا کرنے اور اپنے ذاتی مفاد کے لیئے اپنی راہ اختیار کرنے کے واسطے آزاد چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ ایسی صورت میں کامیابی حاصل ہونا قطعاً ناممکن ہے (۲۳۱) اور بریگیڈیر جنرل کی یہ رائے بلا پس و پیش تسلیم کر لینی چاہیئے کہ

"باجی راؤ نے کمان کی تانت اُتار ڈالی اس لیئے اُس کمان کو وہ دوبارہ خم نہیں کر سکتا ہے"

(ختم)

(۲۳۲)

ضمیمہ (۶)

سر جان میلکم جی سی بی کی تقریر

جو

ایسٹ انڈیا اسٹاک کے مالکان کے جلسہ عام میں بروز جمعہ

۹ جولائی ۱۸۲۴ء کو ہوئی تھی

آج میرا ارادہ اس وقت تک تقریر کرنے کا نہ تھا جب تک کہ دوران بحث میں اشارتاً میرا تذکرہ نہ ہو۔ مطبوعات انگلستان کے متعلق میرے جو خیالات ہیں ان کے متعلق آنریبل مسٹر کنارڈ نے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس سے بھی میرے ارادے میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا لیکن میں ان گالیوں کے (میں ایسے گالیاں ہی کہوں گا) سننے کی تاب نہیں لا سکتا ہوں جن کی بوچھار مسٹر ایڈم پر کی گئی ہے۔ آنریبل مسٹر کنارڈ نے مسٹر میلکم کی بہت کچھ تعریف کی ہے آپ کا مقولہ ہے کہ اس شخص کی تحریروں اور کارناموں کو دیکھکر میں نے اس کی نسبت جو رائے قائم کی تھی اس کی تصدیق ان سے ملاقات ہونے پر ہو گئی جبکہ وہ انگلستان واپس آ گئے تھے۔

اسی طرح میں مسٹر ایڈم کے متعلق اپنے ذاتی ۴۰ سال کے تجربے کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ نہایت کریم النفس۔ فیاض طبع مستقل مزاج اور صائب الرائے شخص ہیں وہ اپنی شرافت نسبی اور اعلیٰ تعلیم کے باعث اپنے ملک کے آزادانہ نظام سلطنت کے والہ و شیدا ہیں۔ معاملہ زیر بحث میں انھوں نے جو کچھ بھی کیا اس کے متعلق مجھے یقین کامل ہے کہ اس کا محرک سرکاری فرض منصبی کے ادا کرنے کا اعلیٰ خیال تھا جو عظیم الشان مسئلہ اس وقت زیر بحث ہے اس کے مقابلہ میں یہ ایک نہایت حقیر معاملہ ہے کہ ہم مسٹر میلکم اور مسٹر ایڈم کی قابلیت پر بحث کرنے میں اپنا وقت ضائع کر دیں لیکن اس حقیر معاملے کو سمجھنے کے واسطے ہمیں اولاً یہ دیکھنا چاہیے کہ انھوں نے کیسی حالت میں کام کیا ہے۔ سب سے اول ہمیں حکومت ہند کی نوعیت کو دیکھنا چاہیے اور اس بات کا اندازہ کرنا چاہیئے کہ کیا اخبارات کو اس ملک میں وہ آزادی دے دینی چاہیئے جو انگلستان کے لیئے مایۂ ناز ہے (۲۳۲) اس لئے اس مسئلہ پر مفصل اور فیصلہ کن بحث ہونی چاہیئے۔ واقعات کو نہایت دلیری اور ایمانداری کے ساتھ بیان کرنا چاہیئے تاکہ ہر ایک معقول شخص کی سمجھ میں مجوزہ تحریک کی نوعیت آجائے۔ اس تجویز کے اغلب نتیجہ کا اندازہ کرنے کے واسطے اولاً ہمیں اس جماعت کے اجزاء ترکیبی کا بغور معائنہ کرنا چاہیئے جس کو انگلستان میں پبلک کہتے ہیں جس کی نوعیت اخبارات کی آزادی کی خرابیوں سے اسکی خوبیوں کا پلہ جھکا دیتی ہے کیا اس تجویز کے محرک آنریبل مسٹر کنارڈ یا اس کے مؤید مسٹر ہیوم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ شہنشاہ معظم کی بحری اور بری فوج کے افسران۔ معتمد صاحبان۔ نائب معتمد صاحبان۔ سرکاری دفاتر کے کلرک۔ حکومت یا سرکاری ملازمان کی عنایتوں سے مستفید ہونے والے اس جماعت کے ضروری اجزا ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ میں اس سے اور آگے بڑھتا ہوں۔ میں اس بات کو مانے لیتا ہوں کہ وہ عالی مرتبت شرفاء جن کے مجموعے کا نام دار الامراء ہے یا انگلستان کے وہ شریف

حضرات جو دارالعوام کے ارکان ہیں یہ اصحاب اگرچہ اس پبلک کے ایک جزو ہیں جس کا کہ میں تذکرہ کر رہا ہوں مگر وہ اسکا نہایت ضروری جزو ہرگز نہیں ہیں۔ وہ اپنے تعلقات مفاد اور اپنی سیاسی فرقہ بندیوں سے ایک حد تک ضرور متاثر ہوتے ہیں ان لوگوں کا تو اور بھی کم شمار کیا جا سکتا ہے جو اس جماعت میں با اثر ہوتے ہیں اس جماعت پر کافی اثر ہے یا وہ ادنے افراد جو اسقدر کم تعلیم یافتہ ہیں کہ وہ سیاسی مسائل کو سمجھ نہیں سکتے ہیں۔ یا وہ لیڈران جو ان کی رہبری کرتے ہیں۔ یا روزانہ اخبارات کے وہ نامہ نگار جو ادنے لوگوں کے جذبات کو مشتعل کر کے یا اپنے منہ میاں مٹھو بن کر یا امراء کے غرور اور نخوت کی مدح سرائی کر کے یا جماعتی جذبات کو ابھار کر دولت اور شہرت حاصل کرتے ہیں برطانی پبلک سے میرا جو مفہوم ہے وہ ان سب کے ملنے سے بنتی ہے اور یہ سب اس کے اجزاء ہیں۔ لیکن اس جماعت کا لازمی جزو وہ ہے جو جہاز کے لنگر کی طرح سارے جسم کو حرکت دیتا اور استحکام پہنچاتا ہے اور اسلئے اس کو مرکز میں ہونا چاہیئے۔

(۲۳۴) یہ وہی بے شمار لوگ ہیں جو اوسط درجہ میں شمار ہوتے ہیں اور جو اپنی تعلیم اور معلومات کی بدولت ادنے طبقہ کی طرح دوسروں کے جال میں گرفتار نہیں ہو سکتے ہیں اپنے پیشہ کی وجہ سے یہ جماعت ان ترغیبات سے مبرا ہوتی ہے جن کا اثر سرکاری ملازمان پر ضرور پڑتا ہے اور یہ جماعت نہ تو سرکاری حکام کی نوازشوں سے متمتع ہونا چاہتی ہے اور نہ اُسے اُن کی ناراضی سے کچھ نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے اور یہ جماعت اُن جذبات اور خیالات سے بھی مستغنی ہوتی ہے جن کے باعث ادنے اور اعلیٰ طبقہ سے بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ اس جماعت کے عادات و خصائل اور ان کے خیالات اس قسم کے ہیں کہ ان کی بدولت اسے برطانوی پبلک میں خاص وقعت حاصل ہے۔ اگرچہ دیگر جماعتوں سے یہ جماعت اپنے کو بہت کم نمایاں کرتی ہے اور

ان کے مقابلے میں اسکی شنوائی بھی کم ہوتی ہے لیکن یہ جماعت ان
سب پر حکومت کرتی ہے۔ اپنی اعتدال پسندی خوش ہمی اور اپنے ملک
کی مرفہ الحالی اور نظام عمل کے متعلق جملہ معاملات پر غور و خوض کرکے
مستقل رائے قائم کرنے کی عادت کی بدولت اِن کے قبضے میں نہایت
آزاد اخبار ہیں جن سے دیگر اقوام بالکل ناآشنا ہیں۔ اس جماعت کے
بغیر اخبارات کی آزادی بجائے رحمت کے سخت زحمت ثابت ہوگی
اب میں حاضرین سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا ہندوستان میں ایسی کوئی
جماعت موجود ہے (یعنے یہ سوال وہاں کے انگریزوں کی بابتہ کیا ہے)
وہاں پر ایسا ایک متنفس بھی نہیں ہے۔ انھیں میں پبلک نہیں کہونگا۔
(اس معنی میں جو اس اصطلاح کے ہیں) کیونکہ وہاں پر تقریباً سب انگریز
سرکاری ملازم ہیں البتہ معدودے چند انگریز ایسے بھی ہیں جو خاص خاص
قواعد اور شرائط کے ساتھ جن کے متعلق ہم سن اور پڑھ چکے ہیں اجازت نامہ
لیکر ایک میعاد معینہ تک وہاں پر قیام کرتے ہیں اور ان قواعد اور شرائط
کی خوبیوں کو ہمارے قابل پروپرائٹر مسٹر اسپی بوضاحت بیان کر چکے ہیں
اگر سلطنت کی حکمت عملی کی رو سے ان انگریزوں کو ایسے حقوق سے
محروم کرنا غلطی میں داخل ہے جن سے وہ متمتع ہو سکتے تھے اگر وہ اپنے
وطن مالوف میں ہوتے تو یقیناً وہ قانون ہی غلط ہے اس میں ان حکام
کی کوئی خطا نہیں ہے جو اس قانون پر عملدرآمد کرتے ہیں اس لئے اس
مسئلہ پر معقول دلائل کے ساتھ بحث ہونی چاہیئے اور اس قانون کے
تبدیل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے لیکن اس کا یہ موقع نہیں ہے۔
(۳۴۷) اس جلسے میں وہ حضرات تشریف فرما ہیں جو اس معاملے کو ہمارے ملک
کی پارلیمنٹ کے روبرو پیش کر سکتے ہیں جہاں پر مفصل بحث ہوگی اور
میرے نزدیک جس قدر زیادہ بحث ہو اسی قدر بہتر ہوگا۔
اہل انگلستان کی فرزانگی اس مسئلہ کو فیصل کرنے میں ہرگز تساہل
نہ کرے گی کہ وہ اپنے اختیار سے برطانوی ہندیا جیسے ماتحت ملک میں

اخباروں کو ایسی آزادی دے سکتے جیسی آزادی اُن کے اخبارات کو حاصل ہے۔ اس مسئلہ کے مختلف پہلو ہیں جن کے متعلق میرے خیالات کے غلط معنی نہ لینے چاہئیں۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ ہندوستان کی انگریزی جماعت انگلستان کی پبلک کے متشابہ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے لیکن ہماری سلطنت کے نظام عمل کا یہ خوش گوار اثر ہے کہ آزادی اور حریت کی اسپرٹ کا ایک حصہ جو کہ مادر گیتی کو تقویت اور زندگی بخشتی ہے دور دراز کی نوآبادیات تک میں جا پہنچا ہے اور جن سے سب لوگ حتیٰ کہ اس کی فوجیں سلطنت کی سلامتی اور اپنی حالت کے مطابق اس برکت سے پورے طور پر بہرہ مند ہوتی ہیں۔ ایسی جماعتوں کی حالت اس قسم کی واقع ہوئی ہے کہ اخبارات کی آزادی خود انکے اور سلطنت کے الغرض دونوں کے حق میں مضرت رساں ثابت ہوگی وہ اپنی سلطنت سے یہ توقع کرنے کا ضرور حق رکھتے ہیں کہ امن عامہ کے مناسب حال انھیں کافی معلومات بہم پہنچائی جائے اور مراسلت میں انھیں آزادی حاصل ہو۔ اور انگریزی سوسائٹی کے مزاج اور لہجہ کو کسی اور صورت سے برقرار نہیں رکھا جا سکتا ہے میں ہمیشہ سے حکومت کی کل کارروائی کی اشاعت کا زبردست حامی ہوں اور راز داری اور پوشیدگی سے سخت نفرت کرتا ہوں اور اگرچہ میں اخبارات کی آزادی کا مسلمہ دشمن ہوں جس سے میرا یہ مطلب ہے کہ ان پر صرف اُن قوانین کی پابندیاں عائد کی جائیں جو انگلستان کے اخبارات کے واسطے مدون ہوئے ہیں تو پھر یہاں کے اخبارات ایسے مضامین کا سلسلہ شائع کر سکیں گے جیسے کہ کلکتہ جرنل میں ہم نے مطالعہ کئے ہیں جو اگرچہ قانونی گرفت میں تو نہ آسکیں گے لیکن اگر ان کی اشاعت کی اجازت دیجائے گی تو وہ مقامی حکومت کی شہرت اور قوت کے حق میں سخت مضرت ناک ثابت ہوں گے اور اگرچہ میں ایسے اخبارات کا دشمن ہوں لیکن میں ایسی ہر ایک تصنیف کی اشاعت کا

(۲۳۶)

سوئید ہوں جو ممنوعہ مضامین کی اشاعت سے اجتناب کرے ہم نے ممنوعہ مضامین بتا دئے ہیں اور محترم محرک نے اس کے یہ معنی لیے ہیں کہ اس ممانعت سے ان سب لوگوں کی ذلت ہو جائے گی جن پر اس کا اعلان ہوگا لیکن اس ممانعت کا یہ کام نہیں ہے۔ اس ممانعت کے متعلق کوئی شکایت بجز ان شکایتوں کے نہیں پیدا ہوئی جو مسٹر بکنگھم کے اخبار میں پائی جاتی ہیں جس کو ہمارے فاضل مالک اخبار نے پبلک کا خاص ترجمان بتایا ہے۔ یہ حضرات ہندوستان میں قدم رنجہ ہونے کے روز سے اس غلام ملک میں انگریزی حریت کے زبردست وکیل ہیں اور بیان کیا جاتا ہے کہ ان حضرات نے اس مشکل کام کو نہایت مخلصانہ طور پر بے لوثی کی نیت سے انجام دیا ہے آپ نے دیکھا کہ دفتر احتساب اب رہا نہیں اور جو قیود عائد کی گئی تھیں وہ منسوخ ہو گئی ہیں جن کو وہ ردی کاغذ تصور کرتے تھے۔ میرے نزدیک یہ قیود جو سرکاری احکام تھے احتساب سے زیادہ سخت تھے میں دفتر احتساب کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ جس مقام پر یہ قائم ہوتا ہے وہاں ساری ذمہ داری ان لوگوں کے سر ہوتی ہے جنہیں روک تھام اور سزا دینے کا اختیار حاصل ہوتا ہے اور دوسری صورت یعنی قیود عائد کرنے کی حالت میں وہ حضرات ذمہ دار قرار پاتے ہیں جو اپنے معلومات کی قلت یا سمجھ کی کمی اور اپنی بے پروائی یا غفلت یا اپنی بدنیتی یا ذاتی فائدے کے خیال سے حکومت کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ بیشک لفظ احتساب کسی قدر مذموم ہے لیکن بوقت ضرورت یہ کوئی برے معنی نہیں رکھتا ہے۔ اگرچہ قانون نے اس دفتر کو مطبوعات کی نگرانی کا اختیار عطا کیا ہے لیکن سب جماعتوں کی بھلائی کی خاطر اس کا علانیہ اور پورا استعمال نہیں کیا جاتا ہے۔ اس مقام اور وہاں کی سوسائٹی کے متعلق کافی معلومات حاصل ہونے کی باعث مجھے تو اس اختیار کے سخت اور ناروا استعمال کا کچھ خوف نہیں ہے بلکہ اس کی بدولت ہم اس معاملے

اوران جملہ دیگر معاملات میں جنکا تعلق غیر ملک میں ہمارے ابنائے وطن
کے حقوق اور مراعات سے ہے بالکل مطمئن رہتے ہیں اب ہمیں ان
ظالموں اور خود مختار (حکام ہندوستان کو ان ہی الفاظ سے یاد کیا گیا
ہے) فرماں رواؤں کی حقیقی حالت کا ٹھنڈے دل سے معائنہ کرنا چاہئے
جن کے زیر حکومت ہمارے اہل وطن رہتے ہیں۔ ہندوستان کے
گورنر جنرل اور مختلف صوبوں کے گورنر وہ امرا اور شرفا ہیں جو انگلستان
سے بھیجے گئے ہیں یا وہ لوگ ہیں جو ہندوستان میں اپنی ملازمتوں سے
ترقی کرکے ان اعلیٰ عہدوں پر پہونچ گئے ہیں اور یہ حضرات ہی کل سرکاری
اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں نوابوں کی نسل تو معدوم ہو چکی جو کسی زمانے
میں تھی (میں نے تو کبھی کوئی نواب دیکھا نہیں) جو حضرات کہ ہندوستان
میں اعلیٰ عہدوں پر مامور ہیں ان میں شاذ و نادر ہی کوئی شخص ایسا ہوگا
جو جس کے کیرکٹر میں انگریزی شرافت موجود نہ ہو جس طرح ہمارے
یہاں لوگ دفتر میں جاکر کام کرتے ہیں اسی طرح یہ حضرات اپنے اہم
فرائض منصبی کو ادا کرتے ہیں ان کے دل نہ تو سازشوں سے غلیظ ہوتے
ہیں اور نہ بیہودہ تمناؤں کی خوابوں سے پریشان ہوتے ہیں اور میں
بیان کرچکا ہوں کہ انھیں بعض معاملات میں نہایت زبردست اور
خود مختارانہ اختیارات حاصل ہیں مگر اس ملک کی حالت جس پر کہ وہ
حکومت کرتے ہیں اسی کی مقتضی ہے لیکن ہندوستان میں کبھی بھی
ایسے حکام نہیں ہوے جن کی اسقدر نگرانی ہوتی ہو جسقدر کہ ہمارے
حکام کی ہوتی ہے قطع نظر اس کے کہ اپنی قوم کے افراد سے نیک سلوک
کرنے کی انھیں فطرتاً خواہش ہوتی ہے جن کے کہ برائے چندے وہ
حاکم بن گئے ہیں اور انھیں یہ فکر بھی دامن گیر رہتی ہے کہ اگر ہم اپنے
عدالتی اختیارات کو غیر ضروری یا بیرحمانہ طور پر استعمال کریں گے
تو انگلستان میں ہماری عزت اور شہرت کو بٹہ لگے گا۔ اگر ان خیالات
سے قطع نظر بھی کرلی جائے (جو ہر ایک انگریز کے دل میں نہایت

زبردست ہوتے ہیں) ہمیں ان قیود کو دیکھنا چاہئے جن کی ماتحتی میں وہ اپنے اختیارات سے کام لیتے ہیں۔ پہلی پابندی یہ ہے کہ ان کی مفصل کارروائی مجلس نظما کی خدمت میں ارسال کی جاتی ہے اور ہم سب کو اس مجلس کی ساخت معلوم ہے۔ یقیناً یہ مجلس ان کے خود مختارانہ افعال کی حمایت نہیں کرے گی لیکن بفرض محال اگر یہ مجلس ان کی مؤید بھی ہو تو جب کبھی طلب کیا جائے تو اس مجلس کی ساری کارروائی مجلس مالکان میں ضرور پیش کی جاتی ہے اور مجلس مالکان کے گذشتہ جلسوں کی کارروائی سے اندازہ کر کے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستان کے حکام مجلس مالکان سے سخت نگرانی ہی کی توقع کر سکتے ہیں علاوہ بریں مجلس نگرانکاران کی سخت جانچ پڑتال کرتی ہے جس کا ہماری مشرقی سلطنت کے نظم و نسق میں اگرچہ مجلس نظما سے تعلق ہے مگر یہ مجلس ایک خوش گوار بے ضابطگی کے باعث جو ہمارے نظام حکومت کا طغرائے امتیاز ہے ایسے اصحاب سے مل کر بنی ہے جو اپنے رتبہ اور خیالات کی بنا پر مسائل ہند کا ان دلائل و براہین سے اندازہ کرتے ہیں جو نظما کے دلائل سے بالکل مختلف ہوتی ہیں اور حکومت ہند کی کارروائی کی یہ مجلس اگر تائید بھی کر دے جب بھی اس کی رائے حکم قطعی نہیں متصور ہوتی ہے اور پارلیمنٹ کی نگرانی اور قانون کی مستقل سختی (اگر انھوں نے اس کے الفاظ کی خلاف ورزی کی ہو) اور انگریزی اخبارات کی آزادی یہ سب حکام ہند کے سر پر مسلط رہتے ہیں اور یہ مجموعہ ایسے قیود کا ہے جس کی نظیر کسی دوسرے ملک میں نہیں مل سکتی ہے۔ میں کسی شکایت کی غرض سے ان قیود کو نہیں بیان کرتا ہوں کیونکہ میں ان کے فائدہ کو تسلیم کرتا ہوں۔ ممکن ہے کہ اس سختی کے ساتھ استعمال کرنے پر کسی فرد کو تکلیف یا نقصان پہونچ جائے لیکن ان کی غرض و غایت پبلک کی نفع رسانی ہے اور اگرچہ حکومت نشہ آور ہوتی ہے لیکن میں اس بات کو ہرگز تسلیم نہ کرونگا کہ ہندوستان میں جو انگریز برسر اقتدار ہیں وہ مشرقی

(۴۳۸)

سلطانوں کی مانند خود سر ہیں جنھیں یہ یاد دلانے کے لئے وہ انسان ہیں
گوش مالی کرنے والوں کی ضرورت ہے (جیسا کہ ایک مالک کمپنی نے
ارشاد کیا ہے) البتہ میں اس بات کو فوراً مان لوں گا کہ انھیں جتنی بار بھی
یہ یاد دلایا جائے کہ تم انگریز ہو اُس قدر بہتر ہوگا۔ لیکن یہ بات تسلیم کرلینے پر
بھی مجھے اس امر کا کامل یقین ہے کہ جو حضرات ہندوستان میں نظم و نسق
کرنے پر مامور ہیں اگر ان کے فرائض کی نگرانی میں ان قیود کا بیجا استعمال
ہوگا یا اگر وہ جواب دہی کے خوف سے کام کریں گے یا شہرت کے طالب
ہوں گے تو ان حرکتوں سے آپ کے لئے ایسا زبردست خطرہ رونما
ہوگا جو ان کے ظلم سے بہت زیادہ مخدوش ثابت ہوگا ظلم کا تدارک
ہو سکتا ہے لیکن اپنی سلامتی اور ترقی کے خیال سے یہ کمزوری سلطنت
کے حقوق بھلا دیتی ہے اور اس کے دفعیہ کی تدابیر کو زائل کر دیتی ہے
اور اصل کو دور کرنے سے پیشتر نہایت زبردست اثر پیدا کر دیتی ہے۔
اس لئے یہ بات صرف سود مند ہی نہیں بلکہ اشد ضروری ہے کہ جن
قیود کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ پورے طور پر قائم رہیں لیکن ان قیود
سے انگلستان میں کام لینا چاہئے کیونکہ ہندوستان میں یہ قیود خود مختارانہ
اختیارات کے مساوی موجود نہیں ہیں۔ ہم نے اس کے متعلق بہت
کچھ سنا ہے کہ لارڈ ویلزلی نے دفتر احتساب قائم کرکے ہندوستان کے
پریس پر چند قیود عائد کر دیئے ہیں۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آیا نفس الامر (۲۳۹)
بھی ہے یا نہیں ضرورت ہے کہ ہندوستان کے اخبارات کی گذشتہ
تاریخ اختصار کے ساتھ بیان کر دی جائے زائد از نصف صدی سے
اخبارات کو ہندوستان والے جانتے ہیں تقریباً ۴۵ سال ہوئے
جب قانونی عدالتوں کا حلقہ بنگال میں وسیع کیا گیا تھا (جس کا محدود کر دینا
بہت جلد ناگزیر معلوم ہوا) اُس وقت چند جج صاحبان کا مقامی حکومت
سے سخت تصادم ہو گیا اور آزاد اخبار نہایت ہی بد لگام ہو گئے جو وہاں کی
سوسائٹی کے لحاظ سے کام میں اس قسم کے اختلافات پیدا کرنے اور

ان کی حمایت کرنے کے لیے نہایت موزون تھے۔ اخبار زیر ادارت مسٹر ہکے (Mr. Hickey) بند کر دیا گیا جس طرح اب مسٹر بکنگھم کا اخبار بند کیا گیا ہے اور مسٹر ہکے Mr. Hickey نے مسٹر بکنگھم کی طرح عدالت سے چارہ جوئی کرنے سے انکار کر دیا۔ کئی سال بعد جب میں مسٹر مارکوئس ویلزلی کا سکریٹری تھا اس شخص نے ایک درخواست پیش کی جس میں مسٹر بکنگھم کی طرح اس نے بھی یہ شکایت کی کہ حکام کے جور و ظلم سے انگریز تباہ ہو رہے ہیں اور میں حریت پر قربان ہو گیا ہوں چنانچہ میں نے اس درخواست کو پڑھا اور اس کا خلاصہ تیار کیا اس نے اکثر حکام پر انصاف نہ کرنے کا الزام لگایا تھا ازاں جملہ لارڈ کارنوالس کا بھی نام تھا جو نہایت دانشمند۔ انصاف پسند اور بڑے آدمی تھے۔ چنانچہ مسٹر ہکے نے اپنی درخواست میں تحریر کیا تھا کہ "میں نے عالیجناب مارکوئس سے دادرسی کے لئے فریاد کی مگر انھوں نے صرف یہ خشک جواب دیکر ٹال دیا کہ اگر تم کو کچھ تکلیف پہونچی ہے تو عدالت سے چارہ جوئی کرو" پھر اس نے یہ بیان کیا کہ عالیجناب مارکوئس نے مجھے قانونی عدالت سے چارہ جوئی کرنے کی نصیحت کی اب وہ بے تکلفانہ یہ بھی ہدایت فرما دیں کہ میں کمپنی کے ہاتھی سے کشتی لڑوں" غالباً واقعہ یہ تھا کہ مسٹر ہکے نے اپنے اخبار میں ایسے مضامین شایع کیے جس نے مقامی حکومت کو اس کا اخبار بند کرنے پر مجبور کر دیا اور چونکہ وہ حکام کی بدنیتی یا قانون کے غلط استعمال کو ثابت نہ کر سکا اس لئے قانونی عدالت سے بھی اس کی کچھ تلافی نہ ہوئی اس کے بعد سے میں نے اخبارات کی آزادی کے متعلق کچھ بھی نہیں سنا ہے گا ہے ما ہے عمداً نہیں بلکہ صرف لاپروائی کے باعث ایسے مضامین اخباروں میں شائع ہو گئے جن کی اشاعت پر ناشروں کو تنبیہ کیگئی اور اس قسم کی حماقت یا غفلت کو ملاحظہ کر کے لارڈ ویلزلی نے یہ احکام نافذ کر دئے کہ اخبارات کے پروف گورنمنٹ کے سکریٹری کی خدمت میں ارسال کئے جائیں۔ اس کے متعلق اختلاف رائے ہو سکتا ہے کہ حصول مقصد کا یہ بہترین طریقہ تھا یا نہیں لیکن اب گذشتہ چند سال ہی سے یہ فرض

(۲)

کرلیا گیا ہے کہ اخبارات کی آزادی ہندوستان کی انگریزی جماعت کے
حق میں سودمند ہو سکتی ہے میں ہرگز یہ نہیں کہتا ہوں کہ انگریزوں کے
اخبارات کی آزادی فوراً ہماری سلطنت کی سلامتی کے لیے خطرہ کا موجب
ہوگی۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس کی بدولت اختلافات پیدا ہوں گے
نافرمانی رونما ہوگی اور حکومت کو ضعف پہنچے گا اور کسی قسم کی فلاح حاصل
ہونے کی بجائے سیکڑوں خرابیاں پیدا ہو جائیں گی اور اس مسئلہ کا
نہایت خفیف جزیہ سوال ہو سکتا ہے کہ اس سے یوریین جماعت پر
کیا اثرات پڑیں گے البتہ اس روز افزوں مخلوط النسل قوم کو اس سے سخت
نقصان پہنچے گا جو یوریین باپ اور ہندوستانی ماں سے پیدا ہوئی
ہے۔ اس فرقہ کو جدید سوسائٹی تصور کرنا چاہیے اور اس کے ساتھ مستقل
جیسا سلوک کرنا چاہیے اور ان کو بتدریج تعلیم دیکر ان کی ترقیات کی ساری
امیدوں پر پانی پڑ جائے گا اگر اس مقصود کو آزاد اخباروں کے ذریعہ سے
حاصل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ میں نے اس فرقے کی نامسعود اور متبدل
حالت کی طرف بہت کچھ توجہ کی ہے ان کو ملازمت کے خاص خاص شعبوں
میں داخل کرنے کی بابتہ میں نے چند تجاویز تیار کرلی ہیں (جن کو بیان کرنیکا
یہ موقع نہیں ہے) بیشک میری یہ رائے ہے کہ ان کی ترقی کے لیے ہر طرح
کی کوشش کیجائے اور چونکہ ان میں اکثر نہایت ذکی اور جفاکش ہیں اسلیے
اُن کی حوصلہ افزائی کے لیے ہر ایک راہ کھول دینی چاہیے جو کھولی جا سکتی
ہے۔ اس فرقے میں ایسے لوگ موجود ہیں جنھیں اپنے خاص دوست کی طرح
میں عزیز سمجھتا ہوں اور اس جلسہ میں بھی میری طرح بہت سے حضرات
کرنل اسکنر کے مداح اور ثناخواں ہیں - جن کے ہاتھ میں ایک ہندوستانی
رسالہ کی کمان عرصۂ دراز تک رہی ہے اور انھوں نے اپنی خدمات سے
خود عزت حاصل کی اور حکومت کو بے حد فائدہ پہنچایا۔ لیکن اس فرقے کی
حوصلہ افزائی اور ترقی کے لیے میری رائے میں ان کی بہتری اس میں ہے
کہ ترقی بتدریج ہو تاکہ وہ ان عہدوں پر مامور ہونے کے لائق ہو جائیں جن پر کہ

(۲۴۱)

ہم اپنی مشرقی سلطنت میں انھیں مقرر کرنا چاہتے ہیں سنین ماضیہ میں بالخصوص
ان قوانین کی بدولت اُن کے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا گیا ہے جن کی رو سے
وہ ہماری مملکت کے ہر ایک حصے میں اراضیات خرید سکتے ہیں۔ اس فرقے
میں بہت سے حضرات اپنی موجودہ حالت سے بیزار اور نالاں ہیں اور یہ
لوگ دیگر اشخاص کو بھی اپنا ہم خیال بنانا چاہتے ہیں اور یہی لوگ اخبارات
کی آزادی کے لیے بہت کچھ ہائے واویلا مچاتے ہیں لیکن یورپین صاحبان
کی یہ دونوں جماعتیں محض بے حقیقت ہیں جب ہم مقابلہ کر کے دیکھیں
کہ ۸ کروڑ ہندوستانیوں پر آزاد اخبارات کی برکات اور خرابیوں کے
کیا اثرات پڑیں گے۔ جس سلطنت میں غیر ملکیوں کی حکومت ہو وہاں پر
حقیقی معنی میں آزاد اخبارات جاری کرنا اور تھوڑے عرصہ تک بھی ان کو
برقرار رکھنا ناممکن ہے جو زبان۔ عادات وخصائل اور مذہب کے اختلافات
کی باعث اہل ہند میں مخلوط نہیں ہو سکتے ہیں اس سے قطع نظر کر کے
ہمیں اہل ہند کے کیرکٹر اور ان کی حالت کو دیکھنا چاہیے کہ اگر ان کو یہ
حق عطا کر دیا جائے تو اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اہل ہند کے دو بڑے
طبقے ہندو اور مسلمان ہیں ہماری حکومت سے پیشتر اعلیٰ طبقہ کے مسلمانوں کی
تقریباً سارے ہندوستان میں عملداری تھی اور اس لیئے فطرتاً وہ ہماری
حکومت سے بیزار ہیں اور ان کی تعداد ہندوؤں کے مقابلے میں بہت کم
ہے اس لیئے ہندوؤں کے کیرکٹر اور ان کی حالت کی جانچ کرنا زیادہ نتیجہ خیز
ہوگا۔ اس غیر مبدل قوم کی حالت نہایت قدیم زمانے سے لیکر اس وقت تک
یکساں ہے اور ہندوؤں میں یہ نہایت حیرت انگیز وصف ہے کہ انکی
مذہبی اور شریف جماعتیں تعلیم یافتہ ہیں اور وہ تجارت کی طرح سازش
کرنے میں بھی نہایت مستعد اور ہوشیار ہیں اپنی دماغی فوقیت کے باعث
اپنے اہل وطن کے بے شمار جاہل اور اوہام پرست لوگوں پر ان کا ہمیشہ سے
نہایت زبردست اثر اور اقتدار رہا ہے۔ اور ان تعلیم یافتہ جماعتوں بالخصوص
(۲۴) برہمنوں کو جن کی دفعت۔ دولت اور حکومت ہماری عملداری قائم ہونے سے

جاتی رہی ہے اس بات کا بجا اندیشہ ہے کہ ہمارے عروج سے انھیں
مزید زوال نصیب ہوگا۔ ان وجوہ سے وہ ہمارے دشمن ہیں اور اُن کی
یہ عداوت صرف اس ضرورت سے کم نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ اُسے پوشیدہ
کرنے پر مجبور ہیں۔ وہ ہماری قوت کو نقصان پہنچانے کے ہر ایک موقع
کی تاک میں رہیں گے اور انھیں ایسے بہت سے موقع مل ہی جائینگے
اور میرے نزدیک وہ سب سے بدامنی اور غدر پھیلانے کے فن میں
خوب ماہر ہیں۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جن لوگوں کو وہ اپنا مخاطب کرتے
ہیں اُن کے دل میں وہ کس طرح خوف و دہشت پیدا کر سکتے ہیں اور
ان کے مغرورانہ جذبات کو وہ کس طرح برانگیختہ کر سکتے ہیں۔ میں نے
گذشتہ ۲۵ سال میں اس خطرناک قوم کے حالات پر خاص طور پر غور کیا
ہے جو ہماری حکومت کے خلاف سیکڑوں نامعلوم ہاتھوں سے ہمیشہ
جنگ کرتی رہی ہے اور اپنے خطوط مبالغہ آمیز خبروں اور فرضی
پیشین گوئیوں سے اس اسپرٹ کو قائم رکھتی ہے۔ ہماری فوج کو
شکست نصیب ہونے یا ہمارے صوبوں یا فوج میں غدر یا بغاوت
نمودار ہونے پر اس قوم کو موزوں موقع مل جاتا ہے اور وہ ناقابل
بیان تیزی سے سارے ملک میں گشتی چٹھیاں اور اشتہارات شائع
کردیتی ہے اور ایسی تحریریں نہایت شوق سے پڑھی جاتی ہیں اور تقریبا
اُن سب کا ایک ہی مضمون ہوتا ہے اور انگریزوں کے متعلق یہ بیان
ہوتا ہے کہ وہ ادنیٰ اقوام کے حقوق کے غاصب ہیں وہ ظالم ہیں اور
انھوں نے اہل ہند کو ذلیل کرنے اور اُن سے اُن کی دولت لوٹ لینے
کے لیے ہندوستان کو تلاش کیا ہے اور انگریز ہمارے رسم و رواج اور
مذہب کی بیخ کنی کرنا چاہتے ہیں اور ہندوستانی فوج کو ہمیشہ یہ نصیحت
کیجاتی ہے کہ "تمھارے یورپین ظالم تعداد میں چند نفوس ہیں انھیں قتل
کرڈالو"

جو کوئی اس مسئلے سے واقف ہے وہ ان واقعات سے ہرگز

(۲۴۳) انکار نہیں کر سکتا ہے کہ ہندوستان کے اس فرقے کی مذکرۂ بالا کوششیں اور اس اسپرٹ کا برقرار رکھنا ہمارے حق میں ہمیشہ خطرے کا موجب رہیگا۔ اب میں دریافت کرتا ہوں کہ کیا یہ امید کرنا عقلمندی میں داخل ہے کہ ہماری کامیابی سے جن لوگوں کی وقعت دولت و ثروت اور حکومت تباہ و برباد ہوگئی ہے وہ ہماری حکومت سے نفرت اور عداوت نہ خود کریں گے اور نہ دوسروں میں پیدا کرنے کی کوشش کرینگے کیا اس کے خود بخود زائل ہونے کا امکان ہے اگر نہیں تو پھر ان کے ہاتھ میں اخبارات کی آزادی دیدینا کیا قرین مصلحت اور داخل دانشمندی ہے۔ اس سے صرف ایک کام ہماری تباہی کا لیا جا سکتا ہے لیکن ہماری تباہی اس سے بھی بڑھکر خود ان کی تباہی کا پیش خیمہ ہوگی۔ ہندوستان کی عظیم الشان آبادی کو جو برکات رفتہ رفتہ حاصل ہونے کی امید ہوسکتی ہے وہ منقطع ہو جائے گی اور وہ خانہ جنگی کے عمیق غار میں دوبارہ گر جائے گی جس سے کہ ہم نے اُسے نکالا ہے اگر ہم اس تجویز کے مطابق بحالت موجودہ انھیں یہ مضرت رساں تمغہ مرحمت کریں گے تو اس کا یہی انجام ہوگا لیکن اس موقع پر یہ دریافت کر لینا ضروری ہے کہ ہندوستان کے انگریزوں اور وہاں کے باشندوں کی پریشانیوں میں اضافہ کرنے سے ہمارا کیا مطلب نکلے گا۔ ہم سے کہا جاتا ہے کہ اس سے علمی ترقی مقصود ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا ہمیں اپنی مقامی حکومتوں کا اعتبار نہیں ہے اور کیا ہمارے نزدیک وہ حضرات بھی ساقط الاعتبار ہیں جن کی زیر ہدایت یہ حکام ہیں جو ان کے نگراں ہیں اور کیا ہم اپنے عظیم الشان مقصد کی تکمیل کا کام ان کے ہاتھوں سے نکال کر اخباروں اور رسالوں کے اڈیٹروں کے سپرد کر سکتے ہیں اور کیا جملہ خرابیوں کی اصلاح اور اپنی مشرقی سلطنت کی رعایا کی ترقیوں کیلئے ہم ان اڈیٹروں اور ان کے گمنام نامہ نگاروں پر کلیتاً بھروسہ کر سکتے ہیں؟ ہمارے معزز محرک کی فصیح البیانی نے نہایت زور شور کے ساتھ

ہم سے اسی کا مشورہ دیا ہے۔ اُن کے دلائل کا عام طور پر یہی مطلب ہو سکتا ہے کہ جو لوگ ہندوستان میں سرکاری ملازمت پر مامور ہونے کی تعلیم و تربیت پاتے ہیں اور اس تعلیم کے علاوہ انھیں اپنی طویل ملازمت میں بھی بہت کچھ تجربہ حاصل ہو گیا ہے مگر یہ لوگ اس نیک اور عظیم الشان مقصد کی تکمیل کا موزوں آلہ نہیں ہو سکتے ہیں۔ ان حضرات کے وسیع معلومات اور مقامی تجربے کو دوسروں کی جہالت کے ہم پلہ بیان کرنے میں سخت تعصب اور تنگ دلی سے کام لیا گیا ہے اور سرکاری حکام کی بابتہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ نوجوانی کا سارا سبق بھول گئے ہیں اور انگریزی حریت کے جذبات ان کے دل میں مردہ ہو گئے ہیں اور اس سے صرف یہ ثابت کرنا مقصود ہو کہ یہ لوگ حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر مامور ہونے کے لائق نہیں ہیں۔ واقعی یہ اصول نہایت عمدہ ہے کہ اپنے پاس سختی کے لئے علم کو جہالت کے ہم پلہ بنایا جائے۔ زیر بحث مسئلہ میں اپنے مقصد کی تائید کے لیے یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔ ہندوستان کے سویلین صاحبان کی اس مقتدر اور اعلیٰ جماعت کی (جس کے ساتھ مجھے اپنے فرائض منصبی کے سلسلے میں کام کرنے کا فخر رہا ہے) نہایت سخت ذلت اور توہین کی جاتی ہے اور اس کی اعلیٰ جماعت کے ایک نہایت ممتاز رکن کی بابتہ کہا گیا ہے کہ وہ گورنر جنرل کے عہدہ پر فائز المرام ہونے کے لائق نہیں ہیں کہا جاتا ہے کہ مسٹر ایڈم ہندوستان میں مدت دراز تک ملازم رہنے کی وجہ سے متعصب ہو گئے اور اسی وجہ سے انھوں نے مسٹر بکنگھم کے ساتھ بدسلوکی کی ہے۔ لیکن اس کے بعد کیا واقعہ پیش آیا ہے کہ لارڈ امہرسٹ یہاں کے عمائد سے ہیں اور وہ نہایت دانشمند اور منصف مزاج تسلیم کئے جاتے ہیں اور ان میں انگریزوں کے جذبات اور خیالات پورے طور پر موجود ہیں لیکن ہندوستان پہنچتے ہی وہ اس اصول پر کار بند ہونے کے لئے مجبور ہو گئے جس پر کہ ان کے پیشرو کا عمل تھا اور انھوں نے مسٹر آرناٹ کو انگلستان واپس بھیج دیا جو مسٹر بکنگھم کے بعد

(۲۴۴)

کلکتہ جنرل کے اڈیٹر مقرر ہوئے تھے اپنے اس فعل کے لیے وہ ظالم سے بھی بدتر بتائے جاتے ہیں چونکہ وہ ظالموں کا آلۂ کار بن گئے ہیں جنھوں نے ان کی ناتجربہ کاری سے فائدہ اٹھایا ہے۔ اس ساری خرافات کے کیا معنی ہوئے۔ یہی کہ ایک گورنر جنرل اپنی مقامی معلومات کے باعث اور دوسرا مقامی معلومات کے فقدان کی وجہ سے اس عہدہ کے لیے ناموزوں ہے

میرے نزدیک گورنر جنرل سے مراد اس شخص سے ہے جو اس عہدے پر مامور ہے اور جو اختیار کہ قانون نے اُسے دیا ہے اس اختیار سے وہ نہایت دیانت داری اور فہم و فراست سے کام لیتا ہے اور آج مخالفت میں ہم نے جو کچھ سنا ہے اُس کا یہی مطلب ہے۔ اگر حقیقت الامر یہی ہے تو اس نظام پر نہ کہ افراد پر اعتراض کرنا چاہیے۔ جن قیود میں کہ وہ اپنے فرائض انجام دیتے ہیں جو ان کی محرک قوتیں ہوتی ہیں اور جو ان کے ذرائع معلومات ہوتے ہیں وہ سب میں نے بیان کر دیے ہیں لیکن ہم سے کہا جاتا ہے کہ خرابی دور کرنے اور بھلائی کو ترقی دینے کے لئے ان امور پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ نہیں اس کام کے لئے ہمیں مسٹر بکنگھم جیسے حضرات کو تلاش کرنا چاہیے کیونکہ یہ اصحاب سرزمین ہند پر قدم رکھتے ہی گویا الہام ربانی کے ذریعہ سے اسقدر معلومات اور نیک دلی حاصل کر لیتے ہیں کہ اس کی بدولت ہندوستانی اور یورپین دونوں طبقوں کی اصلاح کر سکتے ہیں۔ (۲۴۵)

اب ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ جو حضرات بطور مثال کے پیش کیے گئے ہیں ان کے ذرائع معلومات کیا ہیں اور ان حضرات نے کیا خدمات انجام دی ہیں۔ جب مسٹر بکنگھم اولی مرتبہ ہندستان میں تشریف لائے اور انھوں نے اپنے سفرنامہ فلسطین کا خاکہ شائع کیا اور اعلی پیمانے پر ایک اخبار نکالا تو دیگر حضرات کی طرح میں نے بھی انھیں ایک کاروباری اور سمجھدار شخص تصور کیا لیکن تھوڑے ہی عرصہ بعد اُن کے اخبار میں چند ایسے فقرے شائع ہوئے جن سے مجھے بخوبی معلوم ہو گیا کہ وہ کون سی روش اختیار کرنا چاہتے ہیں اور میں نے اپنی یہ رائے ظاہر کر دی کہ اس شخص کو اڈیٹر

نہ رہنے دیا جائے جس کی تصدیق نتیجہ سے ہوگئی۔ میں ان کے جرائم۔ معافیاں مانگنے اور اصلاح کے وعدوں کی تفاصیل نہیں بیان کرونگا اور نہ میں اس جرم کی صحیح نوعیت بتاؤں گا جس نے مسٹر ایڈم کو ان کا اجازت نامہ ضبط کر لینے پر مجبور کر دیا۔ ان کے جرائم کے مجموعے اور اپنے اصول ہی کے باعث جن پر کہ وہ کاربند رہے وہ سخت مگر ضروری کارروائی کی گئی جس کے وہ شاکی ہیں۔ انھیں مسٹر ایڈم کے خیالات اور تجویز معلوم تھی لیکن اس معلومات سے فائدہ اٹھانے اور اس تباہی سے اپنے کو بچانے کے بجائے جس میں کہ بالآخر وہ مبتلا ہو گئے وہ نہایت دیدہ دلیری اور سرکشی کے ساتھ اپنی اسی روش پر قائم رہے جو انھوں نے عرصۂ دراز سے اختیار کر رکھی تھی۔ بیشک انھوں نے نواب گورنر جنرل بہادر سے قوت آزمائی کرنا پسند کیا چونکہ یہ ایک ہر دلعزیز مسئلہ تھا۔ انھیں معلوم تھا کہ اگر میں قوانین کی ذرا بھی روگردانی کروں گا تو مسٹر ایڈم مجھے اڈیٹر نہ رہنے دے گا لیکن انھوں نے خیال کیا کہ مسٹر ایڈم ایسے معاملے میں جس سے اس کا ذات تعلق بتایا سمجھا جاتا تھا اس قسم کی کارروائی کرنے میں ضرور تامل کرے گا لیکن وہ مسٹر ایڈم کے کیرکٹر کو مطلق نہ سمجھ سکے جس سے ان کا سابقہ پڑا تھا ورنہ انھیں اچھی طرح معلوم ہو جاتا کہ مسٹر ایڈم کو کسی کی شخصیت کا لحاظ اپنے فرض منصبی کے ادا کرنے سے باز نہیں رکھ سکتا ہے۔

مسٹر ایڈم کو ہندوستان میں پورے اختیارات دے گئے تھے اور وہ یہ روش دیکھکر مسٹر بکنگھم کا مقابلہ کرنے پر مجبور ہو گیا جو انگریزی حریت کا خود ساختہ علم بردار تھا۔ اور اب نہ صرف انگریز بلکہ ہندوستانی بھی اس زور آزمائی کے تماشہ بین ہو گئے تھے۔ کیا اس زور آزمائی کے انجام میں کچھ شک و شبہ ہو سکتا تھا؟

یہ بات اکثر بیان کی گئی ہے اور آج بھی وہی کہا گیا ہے کہ ہندوستان میں آپ کی عملداری شخصی رائے پر منحصر ہے۔ بیشک بات تو یہی ہے لیکن یہ سوال آپ کے حق کا نہیں ہے بلکہ آپ کی سلطنت کا ہے۔ اہل ہند

(۲۴۶)

دیکھتے ہیں کہ اُن کے حکام قواعد اور قوانین کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اس منظر سے اُن کی عقیدت مندی میں اور اضافہ ہوتا ہے لیکن آج آپ اس اعلیٰ حاکم کو جسے وہ مختار کل سمجھتے ہیں اپنے ماتحتوں کے ہاتھ سے ذلیل ہونے اور شکست کھانے دیجئے تو دوسرے ہی دن اسکے اثر سے سارا جادو ٹوٹ جائیگا - اس مسئلہ کے متعلق میری تو یہی رائے ہے - میں اقرار کرتا ہوں کہ تجربہ نے مجھے بزدل بنا دیا ہے - اس نے مجھے پست ہمت کر دیا ہے اور اُن مسائل سے میرا دل لرز جاتا ہے جن کو آزاد اخباروں کے حامی پیشوا سمجھتے ہیں جس سے صرف کمزور اور باطل پرست خوف زدہ ہو جاتے ہیں - جو تجویز کہ اس وقت اجلاس میں پیش ہوئی ہے اس کے معزز محرک نے یہ سوال کیا ہے کہ اگر اخباروں پر ایسی ہی قیود عائد کی جائیں گی جیسی کہ اس وقت ہیں تو پھر سرکاری ملازمان کے کیرکٹر اور ان کے اوصاف کے متعلق ہمارا ذریعۂ معلومات کیا ہوگا اولاً مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ اس قسم کی معلومات سرکاری کاغذات اور ان افسرانکی رائے ملاحظہ کرنے سے دستیاب ہو سکتی ہے جن کی ماتحتی میں وہ لوگ کام کرتے ہیں لیکن یہ ذرائع نامکمل مانے جائیں گے کیونکہ جملہ سرکاری کاغذات اُن قیود کے ماتحت شائع ہوتے ہیں جو ہندوستانی پریس پر لگائی گئی ہیں - ہاں یہ معلومات کلکتہ جنرل کے اوراق اور اس کے اڈیٹر کی تنقید اور تبصرے سے حاصل کی جا سکتی ہیں جو ہندوستان میں ۳ - ۴ سال تک مقیم رہا اور (۲۴۷) ایک صوبہ کے باہر اُس نے کبھی قدم نہیں رکھا اس شخص نے ہندوستانیکے حکام اور ان کی عملی کارروائیوں کے متعلق بڑی قابلیت اور مخلصانہ طور پر جو رائے زنی کی ہے اور اس کے گمنام نامہ نگاروں نے جو کچھ تحریر کیا ہے اسی سے ہم اس اہم مسئلہ کے متعلق مکمل اور غیر جانبدارانہ معلومات فراہم کر سکتے ہیں - اس مسئلہ کے اس جزو کے متعلق اسقدر بیان کر دینا کافی وافی ہے -

میں نے سنا ہے کہ ایک معزز ہندوستانی رام موہن رائے نے

ایک درخواست پیش کی ہے میں اس شخص سے واقف ہوں اور اسکی بڑی عزت کرتا ہوں۔ میری دلی تمنا تھی کہ کاش یہ شخص محض خیالی حکمت عملی کے متعلق بے سود دستاویز تیار کرنے سے اجتناب کرکے اپنے اہل وطن کی گذشتہ اور موجودہ تاریخ مرتب کرنے میں اپنی قابلیت صرف کرتا جس سے ہمیں بہت امداد ملتی۔ کیونکہ یہ معلومات (جس سے ہم اس وقت تک بہت کم واقف ہیں) ترقی کی ہے ایک دانشمندانہ تجویز کی بنیاد ہے فاضل محرک نے مسٹر ایڈم کے قوانین کے ان حصوں پر رائے زنی کی ہے جن کا تعلق دیسی اخبارات سے ہے اور اس تنقید سے یہ گمان ہوسکتا ہے کہ مسٹر ایڈم نے ہندوستانیوں کو اس آزادی سے محروم کردیا جو آزادی اخبارات کی بابتہ انھیں عرصۂ دراز سے حاصل تھی۔ لیکن چند سال پیشتر ہندوستان میں کوئی دیسی اخبار شائع نہ ہوتا تھا اور اب ہندوستانی اخبارات بھی ان ہی قواعد و قوانین کے پابند ہیں جو انگریزی اخبارات کے لیے نافذ کیے گئے ہیں۔

میں ابھی اس مسئلہ پر اور بہت کچھ بیان کرسکتا ہوں لیکن میں آپکا بہت سا وقت لے چکا ہوں اس لیے اب مجھے مسٹر ایڈم کے متعلق اپنے خیالات ظاہر کرنے کی اجازت دیجیئے جو اپنی پرائیویٹ زندگی میں جسقدر کریم النفس اور نیک مزاج ہیں اس سے بہت زیادہ وہ سرکاری ملازمت میں اپنی سرگرمی دیانت داری اور فہم و فراست کے لیے مشہور ہیں وہ کسی انسان کے دشمن ہو ہی نہیں سکتے۔ اس موقع پر وہ پبلک کی حفاظت کی خاطر اپنے کو مورد طعن و تشنیع بنانے کے واسطے پیش ہوئے ہیں۔ موصوف کے اس طرز عمل کی ضرورت اور فرزانگی کی شہادت ان حضرات کے خیالات میں مل سکتی ہے جن سے انکا قریبی تعلق ہے اور آپ ملاحظہ کریں گے کہ لارڈ ایمہرسٹ نے اس موقع پر یہی کارروائی اختیار کی تھی اور مجلس نظماء اور مجلس نگران کار نے مسٹر ایڈم کی اس کارروائی کو پسند اور منظور کیا ہے اب ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ اجلاس بھی انکی حمایت کرے اور

اور مجھے یقین ہے کہ یہ جلسہ ان کی ضرور تائید کرے گا۔ اور مجھے امید ہے کہ حاضرین جلسہ اپنی تائیدی رائے پیش کر کے یہ ثابت کر دکھائیں گے کہ وہ محض شور و غوغا کے باعث کسی ایسے سرکاری افسر کی حمایت کو نہیں ترک کر سکتے ہیں جس نے اپنے فرض منصبی کو قابلانہ۔ وفادارانہ اور عاقلانہ طریقہ پر ادا کیا ہے۔
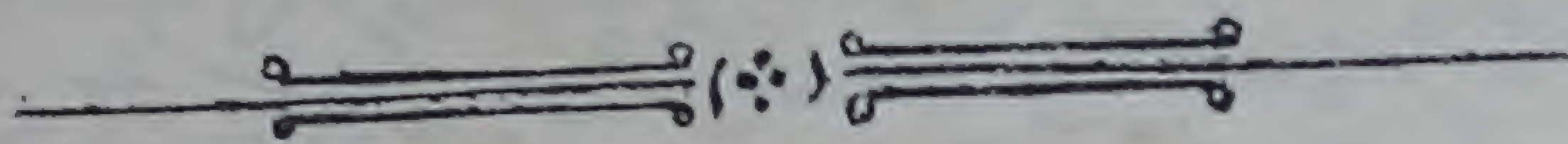
ضمیمہ (۷)

جنگ نیپال شروع ہونے سے پیشتر کا اعلان

چونکہ حکومت برطانیہ نیپالیوں کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہوگئی تھی اس لیے گورنر جنرل بہادر نے یہ مناسب سمجھا کہ اس کام کی ابتدا۔ ترقی اور موجودہ انجام سے اُن سلطنتوں کو جن کے ساتھ کمپنی کی دوستی اور معاہدے ہیں بایں امید مطلع کردیں کہ اس کے ظاہر کر دینے سے ان پر برطانیہ کا حلم اور تحمل اور ریاست نیپال کی ناانصافی اور جور و ظلم پورے طور پر روشن ہوجائے گورکھوں کی فتوحات کے سلسلے سے اُن کی سرحد کمپنی کے حلیف نواب وزیر اودھ اور اس کے ماتحت سکھ سرداروں کی سرحدوں تک آپہونچی تھی اور یہ علاقہ مورنگ کی غربی سرحد سے دریائے ستلج کے کناروں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے ہرگز یہ توقع نہیں ہوسکتی تھی کہ دو سلطنتوں کے ملحقہ اضلاع کے باشندوں اور وہاں کے سرکاری حکام میں اختلافات پیدا نہ ہوں گے لیکن اگر دونوں سلطنتیں دوستانہ تعلقات کو بے خلل و غش برقرار رکھنے کے واسطے منصفانہ اور مستقل روش پر قائم رہتیں تو وہ نامسعود جھگڑے ختم ہوجاتے جن کا انجام جنگ ہوا۔

اور اگرچہ حکومت برطانیہ نے نیپالیوں کے ساتھ اپنے تعلقات میں ہمیشہ نہایت سختی کے ساتھ انصاف اور تحمل کے اصولوں پر عمل کیا لیکن مرقومہ بالا علاقے میں انگریزی سرحد کا کوئی ایسا ضلع نہیں ہے جس کی کچھ اراضی پر گورکھوں نے اپنا قبضہ اور تصرف نہ کیا ہو حالانکہ وہ اراضیات کمپنی کی عملداری میں تھیں۔

نیپالیوں نے پورنیا۔ ترہٹ۔ سارن۔ گورکھپور۔ بریلی اور ستلج و جمنا کے مابین محفوظ علاقے کی اراضیات غصب کرلی ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے معاملے میں برطانیہ نے اپنے حلم اور تحمل کا اور نیپالیوں نے اپنے جور و ستم اور گستاخانہ روش کا ثبوت دیا ہے۔

صرف دو واقعات کا بطور مثال کے بیان کردینا کافی ہوگا جو سارن اور گورکھپور میں پیش آئے۔ جن سے کمپنی کے مسلمہ مقبوضات میں نیپالیوں کی باضابطہ مداخلت ظاہر ہوتی ہے اور فی الحقیقت جنگ کا باعث یہی مداخلت ہے۔ نیپالیوں نے مختلف اوقات میں ضلع سارن کے علاقہ بٹیا (Beeteah) میں خواہ مخواہ اپنی حکومت قائم کرلی لیکن حکومت برطانیہ نے حلم اور تحمل کے اصولوں پر کاربند ہونے کے باعث صرف فہمایش اور عرض معروض کرنے پر قناعت کی کیونکہ یہ امید تھی کہ سلطنت نیپال پر ہمارا منصفانہ مطالبہ واضح ہوجائیگا اور نیپال کے راجہ اور اس کے وزرا کے دل پر اس کا خاص اثر پڑے گا۔ رعایا کی مسلسل شکایتوں اور ٹپہ تنور (Tuppah V Nanoar) واقعہ علاقہ بٹیا (Beeteah) میں ایک واقعہ پیش آنے سے ایک ہنگامہ برپا ہوا جس میں ایک نیپالی افسر صوبہ کو جن گیر مارا گیا اس کے بعد حکومت برطانیہ نے اس مقام پر ایک سول افسر مامور کردیا اور پھر اس جگہ پر ریاست نیپال کے نمایندے اُس سے آکر ملے اور دونوں نے مل کر شہادتیں قلمبند کیں تاکہ فریقین کے دعاوی معلوم کرلیے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ معلوم ہوا کہ بیشک انگریزوں کا دعوٰے صحیح ہے اور یہ کہ نیپالیوں نے نہایت نامنصفانہ اور ظالمانہ کارروائی کی ہے۔

نیپالیوں کی غارت گری اور ناروا جور و ظلم کا ایک بیّن ثبوت اس واقعہ سے مل سکتا ہے کہ مرقومۂ بالا تحقیقات پر راضی ہو جانے اور دونو سلطنتوں کی جانب سے افسروں کے مامور کیے جانے کے بعد بھی زیر تحقیقات علاقے سے تھوڑے سے فاصلہ پر کمپنی کے ایک مزید علاقے پر یکایک جبریہ قبضہ کر لیا گیا۔ اس ظالمانہ اور غیر منصفانہ کارروائی کا اقتضا تو یہ تھا کہ اسکی فوری واپسی کا مطالبہ کیا جاتا اور تلوار کے زور سے اس علاقے پر اپنا پھر قبضہ کر لیا جاتا لیکن اب حکومت برطانیہ کو افسوس کرنا چاہیئے کہ اس نے یہ طرز عمل اختیار نہیں کیا تھا۔ لیکن اس دلیرانہ زیادتی پر ناراض ہونے اور گوشمالی کرنے کے بجائے جس کی ضرورت تھی حکومت برطانیہ نے دوستانہ روش اختیار کی جیسی کہ اس قسم کے دیگر معاملات میں کی گئی تھی اور اپنے نمایندے مسٹر ینگ کو ہدایت کی جو نیپالیوں کے نمائندوں سے مل کر تحقیقات پر مامور کیا گیا تھا کہ وہ اپنی تحقیقات کے دائرہ میں اس جدید مغصوبہ علاقے کو بھی شامل کر لے۔

نیپالیوں نے ننور کے علاقے پر جس میں ۲۲ دیہات داخل تھے قبضہ کرنے کی بابتہ یہ عذر پیش کیا کہ یہ دیہات ٹپہ روٹ ہٹ میں شامل ہیں اور ان ہی سے پرگنہ سنون بنایا گیا ہے اور ۱۷۸۳ء میں یہ ٹپہ مع ترائی کلورن پور نیپالیوں کو واپس دیدیا گیا تھا جس کو انگریزی فوج نے لبسر کردگی میجر کنلاک فتح کیا تھا۔ مسٹر ینگ نے جو شہادت قلم بند کی اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ عذر بالکل بے بنیاد ہے اور اس شہادت سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ اراضیات متنازعہ ٹپہ ننور میں واقع ہیں جو پرگنہ سمرودن کا ایک حصہ ہے اور یہ کہ کمپنی نے روٹ ہٹ اور کلورن پور کا باقی ماندہ حصہ نیپالیوں کو واپس کرنے کے وقت پرگنہ سمرودن اپنے پاس رکھ لیا تھا لیکن اگر صورت معاملہ اس کے برعکس بھی ہو تب بھی چونکہ وہ دیہات ۳۰ سال تک ہمارے قبضے میں رہے ہیں نیپالیوں کی خموش رضامندی بمنزلہ دست برداری کے ہے خواہ ان کا اصلی استحقاق کیسا ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ کمپنی کے

اس علاقے پر جس کی بابتہ نیپالیوں کا دعوے ہے کہ کسی زمانے میں وہ علاقہ ہمارا تھا نیپالیوں کے یکایک جبریہ قبضہ کر لینے سے ہرگز یہ گمان نہیں ہوسکتا ہے کہ اگر انہیں اپنے موجودہ دعوے کی کچھ بھی اصلیت محسوس ہوتی تو وہ اسقدر طویل زمانے تک خموش بیٹھے رہتے۔ نیپالیوں کی کارروائی کی نوعیت صاف ظاہر ہے کہ انھوں نے پیشتر سے سوچ سمجھکر آہستہ آہستہ دست بردگی کارروائی پر عمل کیا ہے جس میں وہ حکومت برطانیہ کے عدیم المثال صبر اور تحمل سے کامیاب ہوگئے اور بیٹا روٹ ہٹ میں ۲۲ دیہات کے داخل ہونے کا دعوے اس ناجائز حرکت کی رنگ آمیزی کے لئے پیش کیا گیا ہے جو ان سے سرزد ہوئی ہے جبکہ انہیں اپنے اس فعل کی وجہ بتانے کی ضرورت لاحق ہوئی نیپالی اپنے یہاں کے افسر صوبہ لوچن گیر کے قتل کا الزام ہماری رعایا کے ذمہ لگاتے ہیں اور انکا بیان ہے کہ حکومت برطانیہ سے ہمیں ایسی کی شکایت ہے کہ صوبہ لوچن گیر کے قتل کی پاداش میں راجہ بٹیا اور اسکے ساتھیوں کو حکومت برطانیہ نے کوئی سزا نہیں دی اور اس الزام پر وہ اپنی مابعد حرکات کے جواز کو مبنی کرتے ہیں لیکن ناقابل تردید شہادت سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ جس ہنگامے میں لوچن گیر مارا گیا اُس کے برپا ہونے سے پیشتر لوچن گیر کے قبضہ میں بٹیا کے چند مواضعات تھے اور وہ اپنی دست درازیوں کو وسعت دینے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ اس کی کارروائی کی زبردست مخالفت کرنے میں ہمارے رعایا خواہ کیسی ہی قابل سرزنش نہ قرار دیجائے لیکن انھوں نے صرف اپنی ہی حکومت کا جرم کیا اور نیپالی ان اشخاص کو ایک ایسے فعل کی سزا دینے کا ہرگز مطالبہ نہیں کر سکتے ہیں جو محض اُن ہی کے افسروں کی نالایقی سے وقوع میں آیا تھا اور نہ وہ ہماری حکومت پر مجرمانہ فروگذاشت کا الزام لگا سکتے ہیں جو اس سے مختلف صورتوں میں ایک رفیق سلطنت لگا سکتی ہے علاوہ بریں دیگر معاملات میں انھوں نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے اسکو جائز ثابت کرنے کے لیے وہ کوئی معقول دلیل نہیں پیش کر سکتے ہیں
چونکہ بٹیا کے مقبوضہ دیہات کی بابتہ ہماری گورنمنٹ نے جو قطعی

تجویز قرار دی تھی اس کے ایک حصے پر نیپالیوں کی اس کارروائی کا اثر پڑ گیا تھا جو انھوں نے ضلع گورکھپور کے متنازعہ فیہ علاقے بٹول اور شیوراج میں اختیار کی تھی۔ اس لیے اس معاملے کی بابتہ اس موقع پہ مفصل واقعات بیان کر دینا مناسب ہوگا یہ بات عام طور پر مشہور ہے اور زندہ گواہوں کی ناقابل اعتراض شہادت اور مستند کاغذات سے ثابت ہو چکی ہے کہ دامن کوہ تک بٹول کا سارا علاقہ بجز شہر بٹول کے نواب وزیر اودھ نے راجہ پلپا (Palpah) کو عطا کیا تھا جو راجہ موصوف کے قبضہ میں سنہ ۱۸۰۱ء معاہدۂ دست برداری سے بہت پیشتر تک رہا۔ اور پھر اسی معاہدہ کی رو سے یہ علاقہ کمپنی کو منتقل کر دیا گیا کیونکہ یہ علاقہ اُس فہرست میں درج تھا جو معاہدہ میں منسلک تھی اور یہ بھی مشہور بات ہے ضلع بٹول فی الحقیقت حکومت برطانیہ کے پاس معاہدۂ دست برداری کی رو سے آیا تھا اور پھر کلکٹر گورکھپور نے راجہ پلپا کے ایک کارندے سے جو اُس وقت کاٹمنڈو میں مقید تھا اس علاقہ کو ۲۳ ہزار سالانہ کے پٹہ پر لے لیا اور راجہ نیپال کو اس پر کوئی اعتراض نہ پیدا ہوا۔

چنانچہ سنہ ۱۸۰۴ء تک یہ علاقہ پٹہ پر رہا جبکہ نیپالیوں نے دامن کوہ میں دست درازیاں شروع کر دیں اور بالآخر انھوں نے بٹول کے پورے ضلع پر اپنا قبضہ کر لیا۔ نیپالی پٹہ شیوراج (Tuppah of Sheoraj) پر معاہدۂ دست برداری سے پیشتر ہی قبضہ کر چکے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ یہ علاقہ نواب وزیر اودھ کی ریاست کا تھا اور معاہدۂ دست برداری میں یہ علاقہ مع ان نشیبی علاقوں کے جو ضلع گورکھپور میں دامن کوہ کے کنارے پر واقع ہیں درج تھا۔

نیپالی خواہ مخواہ بٹول اور شیوراج اور پہاڑی کے زیریں علاقوں کے دعویدار بن گئے وجہ صرف اسقدر تھی کہ انھوں نے پلپا Palpah گولمی (Goolmee) پنتانی (Pentaneh) اور کالا بچی وغیرہ کے پہاڑی علاقے فتح کیے تھے اور اول الذکر مقامات ان پہاڑی ملکوں کے دامن

یاترائی میں واقع تھے اگر اس بات کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ان کے مالک قریبی پہاڑیوں کے سردار تھے تو اس کے اقرار سے اس مسئلہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ بات پورے طور پر معلوم کر لی گئی ہے کہ گورکھوں کی فتوحات سے بہت پیشتر یہ علاقے اودھ کی عملداری میں عرصۂ دراز تک داخل رہے ہیں اور اس لیے خود مختار پہاڑی شہروں کو فتح کر لینے سے ان کے فاتح دوسرے علاقوں کے دعویدار نہیں ہو سکتے ہیں کیونکہ ان پر بھی اگرچہ پہاڑی سرداروں کا قبضہ تھا لیکن یہ علاقے انھوں نے ایک دوسری سلطنت سے پٹہ پر لیے تھے۔

اس بات کو ثابت کرنے کے لیے کہ نیپالیوں کو ان دیہات پر کوئی شاہی استحقاق حاصل نہ تھا صرف اسقدر بیان کر دینا کافی ہوگا کہ ان علاقوں کو غصب کرنے کے بعد فوراً ہی نیپالیوں نے یہ درخواست پیش کی کہ راجہ پلپا کی شرائط پر ہم آپ سے بٹول کو پٹہ پر لینا چاہتے ہیں لیکن ہماری حکومت نے اس درخواست کو منظور کرنا مناسب نہیں تصور کیا۔

نیپالیوں نے وقتاً فوقتاً نامعلوم دست درازیاں کیں تاکہ حکومت برطانیہ اُن کے اصل اغراض کی بابتہ مغالطے میں رہے اور چونکہ حکومت برطانیہ نے نیپالیوں کے ساتھ ہر ایک کارروائی میں صبر اور تحمل سے کام لیا اس لیے حکومت برطانیہ نے وہ تدابیر اختیار نہیں کیں جن سے فوراً ہی نیپالیوں کی زیادتیوں کا تدارک ہو کر مغصوبہ علاقوں پر برطانیہ کی از سر نو حکومت قائم ہو جاتی۔ اُس علاقہ میں نیپالیوں کی پہلی غاصبانہ کارروائی ہی پر جو فہمائش اور بحث شروع ہوئی تھی اس میں اگرچہ کئی بار خلل واقع ہوا مگر وہ نو سال تک جاری رہی لیکن اس دوران میں نیپالی مناسب موقع پانے پر برابر دست درازیاں کرتے رہے۔ آخر کار راجہ نیپال نے یہ تجویز پیش کی کہ دونوں سلطنتوں کی جانب سے نمائندے مقرر ہو کر موقع پر تشریف لے جائیں اور وہ تحقیقات کر کے فریقین کے دعاوی کا تصفیہ کریں اور ان کی تحقیقات سے جو نتیجہ برآمد ہو اس کی دونوں سلطنتیں پابندی

کریں اگرچہ حکومت برطانیہ کو اپنے دعاوی کی صحت کا پورا یقین تھا لیکن اس نے اس تاخیر اور مصارف کو گوارہ کرنے میں کچھ تامل نہیں کیا جو اس تحقیقات کا لازمی نتیجہ تھے تاکہ آہستہ آہستہ بالآخر نیپالی اس کے دعاوی کو تسلیم کرلیں علاوہ ازیں ہمیں اپنے دعاوی کی صحت اور اپنے طرز عمل کے تحمل کا غیر مشتبہ ثبوت پیش کرنے کا بیحد اشتیاق تھا۔ چنانچہ راجہ نیپال کی تجویز قبول کرلی گئی اور میجر براڈشا کو حکم دیا گیا کہ وہ بٹول کو روانہ ہو اور ریاست نیپال کے مقرر کردہ نمایندوں سے مل کر تحقیقات میں مصروف ہو جائے۔ چنانچہ دونوں سلطنتوں کے نمایندے موقع پر جا کر مل گئے اور نیپالی نمایندوں کی بہت کچھ ٹال مٹول اور رد و قدح کے بعد تحقیقات ختم ہوگئی اور زبانی و تحریری ناقابل تردید ثبوت سے کل نشیبی علاقے میں برطانیہ کے استحقاق کی تصدیق ہوگئی۔

نیپالی نمایندے اس شہادت کی قوت کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے مگر وہ اپنی ریاست کے احکام کی پابندی کرکے حکومت برطانیہ کے دعوے کو تسلیم کرنے سے باز رہے اور انھوں نے یہ بہانہ پیش کیا کہ ہمیں فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں دیا گیا ہے۔ اس لیے ہم اس معاملہ کو راجہ صاحب کی خدمت میں برائے صدور احکام ارسال کرتے ہیں جس وقت کہ نمایندوں نے تحقیقات ختم کی اس وقت چونکہ موسم اس قدر خراب تھا کہ آیندہ سال شروع ہونے سے قبل کوئی کارروائی اس کے متعلق نہیں کی جاسکتی تھی۔ حکومت برطانیہ نے فوراً یہ کارروائی کی کہ راجہ صاحب کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں کہ بوضاحت نمایندوں کی تحقیقات کا نتیجہ درج تھا اور راجہ صاحب سے یہ مطالبہ کیا گیا کہ آپ متنازعہ فیہ علاقوں سے دست بردار ہو جائیے چونکہ تحقیقات اس شرط پر کی گئی تھی اور اس تحقیقات سے ہمارے دعاوی پورے طور پر صحیح ثابت ہوگئے ہیں۔ راجہ نیپال نے اس منصفانہ اور معقول مطالبہ کے جواب میں وہی فرسودہ دلائل اپنی تائید میں پیش کیے جن کی مکمل تردید نمایندوں کی فراہم کی ہوئی شہادت سے ہوچکی تھی اور علاقہ جات متنازعہ کو واپس دینے سے انکار کردیا اس لیے (۲۵۶)

یہ معاملہ سال آیندہ یعنی ۱۴-۱۸۱۳ء شروع ہونے تک اسی حالت میں رہا۔
اسی اثنا میں جب موسمی حالت سفر کے لائق ہوگئی تو مسٹر براڈشا بٹیا کی سرحد پر جا پہنچے اور انہیں یہ اختیار دیدیا گیا کہ نیپالی نمایندوں سے مل کر وہاں کے متعلق فریقین کے حقوق کا تصفیہ کردیں اور مسٹر ینگ نے جو تحقیقات کی تھی اس کا کوئی عملی نتیجہ نہیں برآمد ہوا ہے۔
مسٹر براڈشا نے موقع پر پہنچ کر حکومت برطانیہ کے ہر ایک مطالبے کو از سر نو پیش کیا لیکن اس کے استحقاق کی تحقیقات سے پیشتر مسٹر موصوف نے نور کے ۲۲ دیہات کی واپسی کا مطالبہ کیا جس پر کہ پہلے زور نہیں دیا گیا تھا نیپالیوں نے اس مطالبے کو تسلیم کرلیا اور ان دیہات پر کمپنی کے افسروں نے از سر نو اپنا قبضہ کرلیا مگر اس میں صرف اسقدر شرط تھی کہ مجوزہ تحقیقات کے نتیجہ کے بموجب ان دیہات کا تصفیہ ہوگا نیپالی حکومت نے اس تحقیقات کے نتیجے کی پابندی کرنے سے انکار کردیا جو ضلع گورکھپور میں غاصبانہ کارروائیوں کی بابتہ خود انہی کی تجویز کے مطابق عمل میں لائی گئی تھی باوجودیکہ اس علاقے کی اراضی متنازعہ پر حکومت برطانیہ کے حقوق پورے طور پر ثابت ہوگئے تھے اس لیئے اب گورنر جنرل نے ضلع سارن کی غاصبانہ اراضیات کی بابتہ دونوں سلطنتوں کے حقوق کے متعلق جدید تحقیقات کی اجازت دینے میں تامل کیا جس سے مالی نقصان۔ مشکلات اور پریشانیاں لاحق ہوتیں گورنر جنرل بہادر نے جملہ واقعات پر غور فرمایا اور اس بات کو بھی مد نظر رکھا کہ مسٹر ینگ کی تحقیقات سے حکومت برطانیہ کا دعوی پورے طور پر صحیح ثابت ہوچکا ہے اور یہ تحقیقات نیپالی نمایندوں کے ہمراہ کی گئی تھی اور جن حضرات کو بہترین مقامی معلومات حاصل تھی ان کے حلفیہ بیانات قلم بند کئے گئے تھے علاوہ بریں اس تحقیقات کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ یہ وقوعہ کے زمانے کے قریب ہی عمل میں لائی گئی تھی اور خود نیپالیوں نے تسلیم کرلیا تھا کہ تمہارا تیس سال سے مسلسل قبضہ ہے اور ہمارے دعوے کی جائز ہونے کی یہ بھی ایک زبردست دلیل ہے اس لیے اب گورنر جنرل بہادر کی یہ رائے ہوئی کہ مزید تحقیقات

(۲۵۷)

فضول اور تضیع اوقات میں داخل ہے اور حکومت نیپال زیادہ سے زیادہ یہ توقع کر سکتی ہے کہ دونوں سلطنتوں کے نمایندے پھر موقع پر تشریف لے جائیں اور مزید تحقیقات کر کے ان خامیوں کو دور کر دیں جو گذشتہ تحقیقات میں رہ گئی ہیں۔ اور جو تحقیقات ختم ہو گئی ہے اس پر اصولی بحث کر کے نتیجہ اخذ کریں۔

جب مسٹر براڈشا نے گورنر جنرل با جلاس کونسل کے فیصلہ سے نیپالی نمایندوں کو مطلع کیا اور ان سے اس کام کے لیے ملاقات کرنے اور ان کاغذات کو پیش کرنے کا وعدہ کیا جو اس نے فراہم کیے تھے اور جن سے ان نتائج کی صداقت کی تصدیق ہوتی ہے جو گذشتہ شہادت سے اخذ کیے گئے ہیں۔ اس کا نیپالی نمایندوں نے یہ جواب دیا کہ "ہم نہ تو آپ سے ملنا چاہتے ہیں اور نہ کسی قسم کی مراسلت ہی پسند کرتے ہیں ہم مغصوبہ علاقوں کی مشروط واپسی کو منسوخ کرتے ہیں اور ہم آپ سے کہتے ہیں کہ فوراً سرحد سے واپس چلے جائیے۔" اس کے بعد نیپالی نمایندے فوراً نیپال کو واپس چلے گئے اس نامعقول اور اہانت آمیز جواب کے بعد بجز اس کے کچھ اور معنی نہیں ہو سکتے تھے کہ حکومت برطانیہ کے سچے دعاوی کو تسلیم نہ کیا جائے اور اس سے اب حکومت برطانیہ کے لیے بجز اس کے اور کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ نیپالیوں نے جو حقوق دینے سے انکار کیا ہے وہ حکومت برطانیہ خود حاصل کر لے۔ اس اصول پر عمل پیرا ہو کر نواب گورنر جنرل بہادر نے راجہ نیپال کے نام ایک مراسلہ روانہ کیا جس میں اس کے نمایندوں کے طرز عمل پر تبصرہ کرنے کے بعد متنازعہ علاقوں کے مکمل تخلیہ کا مطالبہ کیا اور یہ بھی تحریر فرمایا کہ اگر میعاد معینہ کے اندر اس کی تعمیل نہ کی جائے گی تو ان علاقوں میں جو دیہات ابھی تک نیپالیوں کے قبضہ میں ہیں اُن پر بھی ہم اپنا قبضہ کر لیں گے اور جو ۲۲ مواضعات مشروط طور پر برطانی حکومت کو منتقل کر دئیے گئے ہیں وہ بافضلہٖ کمپنی نے اپنی عملداری میں از سر نو شامل کر لئے ہیں اس مطالبے کی

(۲۸۸)

نیپالیوں نے تعمیل نہیں کی اس لیے ان علاقوں پر از سر نو قبضہ کر لیا گیا اور کل متنازعہ علاقہ پر برطانی حکومت کی عملداری دوبارہ قائم ہو گئی۔

جس وقت کہ یہ واقعات سارن میں پیش آرہے تھے۔ حکومت برطانیہ نے ریاست نیپال کے طرز عمل کے اور بٹول و شیوراج کی واپسی کے مطالبہ کے جواب سے سمجھ لیا کہ راجہ نیپال ہرگز ان علاقوں کو واپس دینا نہیں چاہتا ہے اس لیے حکومت برطانیہ نے مجبوراً ان علاقوں پر اپنی قوت کے زور سے قبضہ کرنے کے لیے تیاریاں شروع کر دیں شاید اسکی ضرورت لاحق ہو۔ گورنر جنرل با جلاس کونسل نے متنازعہ علاقہ میں اپنی فوجیں روانہ کرنے سے قبل ایک بار پھر کوشش کی کہ راجہ نیپال یہ علاقے واپس کردے اور اپنا مطالبہ تحقیقات کے نتیجہ پر مبنی کر کے پھر پیش کیا اور اسی کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا کہ اگر میعاد معینہ کے اندر (جو بتادی گئی تھی) واپسی کے احکام موصول نہ ہوں گے تو انگریزی فوجیں ان علاقوں پر قبضہ کرنے کے واسطے روانہ ہو جائیں گی۔ میعاد معینہ ختم ہو گئی اور حکومت نیپال نے برطانیہ کے جائز مطالبہ کی تعمیل کرنے کے متعلق کوئی کارروائی نہیں کی اس لیے فوجوں کو روانگی کا حکم دیدیا گیا اور انگریزی فوجوں کے آگے بڑھنے پر نیپالی فوجیں اور وہاں کے نیپالی افسران واپس چلے گئے اور پھر کمپنی کے سول افسران نے متنازعہ علاقوں پر اپنا تسلط قایم کر لیا۔ (۲۵۹)

اس کے چند روز بعد موسم برسات شروع ہو جانے سے وہاں سے باقاعدہ فوجوں کو واپس بلانے کی ضرورت لاحق ہو گئی تاکہ وہ بخار کے مرض میں مبتلا نہ ہو جائیں کیونکہ اس سارے علاقہ میں برسات بھر بخار کا دور دورہ رہتا تھا۔ اس لئے حاصل کردہ علاقہ کی نگرانی اور حفاظت مجبوراً محکمہ پولس کے سپرد کر دی گئی۔

نیپالیوں کی بین شکست سے کسی قسم کا اندیشہ پیدا نہیں ہوا کیونکہ اس ضلع سے نیپالیوں کے نکالنے میں کچھ قوت صرف نہ ہوئی تھی۔ ۲۹ ہر مئی کو بوقت صبح نیپالی فوج کی ایک زبردست جماعت نے ریاست نیپال کے

ایک افسر من راج کی سرکردگی میں بٹول کے صدر تھانہ پر حملہ کردیا مگر وہ نکال باہر کئے گئے اس لڑائی میں ہمارے ۱۸ آدمی قتل اور ۶ زخمی ہوئے از انجملہ ایک داروغہ یا پولیس افسر ہتھیار رکھدینے اور قید ہوجانے کے بعد نہایت بے دردی کے ساتھ من راج کے سامنے قتل کردیا گیا اس کے بعد نیپالی فوجوں نے ایک اور تھانہ پر حملہ کیا مگر وہاں سے بھی (۲۶۰) وہ پسپا کردی گئیں اور ہمارے کئی آدمی قتل اور زخمی ہوئے چونکہ اس بیماری کی فصل میں پولس تھانوں کی امداد کے لئے فوجیں نہیں بھیجی جاسکتی تھیں اس لئے وہاں سے پولس کو واپس طلب کرنے کی ضرورت لاحق ہوئی اور اس طرح نیپالیوں کو علاقہ متنازعہ پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا جو اس وقت تک اُن ہی کے پاس ہے حکومت برطانیہ کی یہ توقع ابھی منقطع نہیں ہوئی تھی کہ ریاست نیپال سے دوستانہ مصالحت ہوجائیگی لیکن ریاست نیپال نے خونریزی اور غارتگری کی وارداتیں کرکے اپنے کو حکومت برطانیہ کا صریح دشمن بنالیا اور بجز اطاعت اور عاجزی کے کوئی اور امکان مصالحت کا باقی نہیں رہنے دیا۔

مگر اب بھی گورنر جنرل جنگ شروع کرنا پسند نہ کرتے تھے اور انھوں نے راجہ نیپال کو جنگ سے بچنے کا ایک اور موقع دیدیا اس لئے ہزاکسلنسی نے راجہ نیپال کو تحریر فرمایا کہ آپ کو آگاہ ہونا چاہیے کہ جو گستاخانہ حرکت کی گئی ہے اسکا کیا انجام ہوگا آپ اس صورت سے بری الذمہ ہوسکتے ہیں کہ آپ اس حرکت پر نفرین کریں اور مجرموں کو سزادیں۔ اس خط کا جواب صاف انکاریہ اور دھمکی آمیز موصول ہوا۔

چونکہ نیپالیوں نے اطاعت اور عاجزی کرنے سے انکار کیا اسلیئے حکومت برطانیہ کے پاس بجز اسکے کوئی اور چارۂ کار باقی نہیں رہا کہ اپنی بے قصور رعایا اور اپنے وقار اور عزت کی اہانت کا انتقام لینے کے لئے تلوار ہاتھ میں لے۔ چونکہ موسم کی حالت خراب تھی اس لیے وہ تدابیر عمل میں نہ لائی جاسکیں جن کی ضرورت نیپالیوں کی گستاخی جور و ظلم اور بربریت کی

سزا دینے کے واسطے تھی۔ جن کے سارے طرز عمل میں یعنی نہ صرف متذکرۂ بالا خاص خاص معاملات میں بلکہ برطانیہ کے متعلق ہر ایک کارروائی میں سالہا سال سے یہ خصوصیت نظر آتی ہے کہ وہ اعزاز انصاف اور نیک نیتی کے اصولوں کی کچھ پروا نہیں کرتے ہیں بلکہ نہایت گستاخی۔ شوخی۔ اور دلیری سے پیش آتے ہیں اور بہت عرصہ سے یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ دربار کاٹمنڈو نے حکومت برطانیہ کے جملہ جائز مطالبات کو مسترد کرنے کی ٹھان لی ہے اور وہ دونوں سلطنتوں کے تصفیہ طلب معاملات کو بذریعہ جنگ فیصل کرنا چاہتا ہے۔ (۲۶۱)

بٹول میں پولس افسروں کے قتل کے بعد اور پھر سستی کی باعث تاگزیر تاخیر کے اثناء میں یہ کمینہ اور ظالمانہ حرکت کی کوشش کی ہے کہ سارن کی سرحد پر کمپنی کی رعایا اور فوج کو مار ڈالنے کے لیے انھوں نے وہاں کے ایک وسیع علاقہ کے تالابوں اور کنوؤں کے پانی میں زہر ملا دیا۔ مگر خوش نصیبی سے ان کی اس حرکت کا پتہ لگ گیا اور انھیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور حکومت برطانیہ کے ہاتھ اس کا ناقابل تردید ثبوت آگیا ہے۔

موسمی خرابی سے فوجی کارروائی میں جو خلل پڑ گیا تھا وہ اب رفع ہو گیا ہے اور حکومت برطانیہ اپنے وسائل کو نہایت مستعدی اور سرگرمی سے کام میں لاکر ریاست نیپال کو اس تاوان کے ادا کرنے پر مجبور کرنے کے لئے تیار ہے جس کے مطالبہ کی وہ انصافاً مستحق ہے۔ حکومت برطانیہ عرصۂ دراز سے نیپالیوں کی حرکتوں کو عدیم النظیر صبر و تحمل سے برداشت کر رہی ہے اور نیپالیوں کی گستاخی۔ جور و ظلم اور غارت گری کے جواب میں نہایت معقول اور منصفانہ کارروائی اختیار کی ہے لیکن آخر صبر و تحمل کی بھی کوئی حد ہے اور حکومت برطانیہ اپنے حقوق۔ مفاد اور وقار کے تحفظ کے لئے تلوار ہاتھ میں لینے پر مجبور ہوئی اور تلوار اس وقت تک ہاتھ سے نہ چھوڑی جائے گی جبتک کہ دشمن اپنی وحشیانہ حرکات کی پاداش میں اطاعت قبول کرنے اور تاوان

دینے پر مجبور نہ ہو جائے گا کل صرفہ جنگ دشمن کو ادا کرنا پڑے گا اور ان تعلقات کو آئندہ قایم رکھنے کی اسے ضمانت دینی ہوگی جو اس نے نہایت شرمناک طور پر منقطع کردئے ہیں اگر ریاست نیپال کے گمراہ مشیران معقول مطالبات کو مسترد کرنے کا اسے مشورہ دیں گے تو اس کے نتائج کی وہ ریاست خود ذمہ دار ہوگی۔ حکومت برطانیہ نے جنگ سے گریز کرنے اور مصالحت ہو جانے کے لیے انتہائی کوششیں کی ہیں مگر جنگ کے انجام کا اُسے کچھ اندیشہ نہیں ہے۔ اُسے اپنے مطالبہ کی معقولیت۔ اور اپنی فوج کی قابلیت۔ پابندی ضابطہ اور شجاعت سے کامل یقین ہے کہ جو جنگ درپیش ہے وہ بہت جلد باعزت خاتمہ کے ساتھ انجام کو پہنچے گی۔ (۲۶۲)

بحکم ہز ایکسی لینسی گورنر جنرل

دستخط۔ جے ایڈم
معتمد حکومت

از مقام لکھنؤ
مورخہ یکم نومبر ۱۸۱۴ء

ضمیمہ (۸)

ہدایات[1] میجر جنرل سر جان ملکم جی سی بی۔ کے ایل ایس

(۲۶۳)

بنام

افسران ماتحت متعینہ سنٹرل انڈیا مورخہ ۱۸۲۱ء

یہ ہدایتیں ان اصولوں پر مبنی ہیں جن کو اپنے ماتحت افسروں کے دل نشین کرنے کے سلسلے میں نے ہمیشہ کوشش کی ہے اور اس وقت کریں

---

[1] یہ ہدایتیں سنٹرل انڈیا کے ضمیمہ میں شائع کی گئی تھیں مگر چونکہ سر طامس منرو گورنر مدراس کی یادداشت مورخہ ۲۹ مارچ ۱۸۲۵ء کے اقتباس سے ان کے مفید ہونے کی تصدیق ہوتی ہے اس لیے یہ ہدایتیں اب دوبارہ شائع کیجاتی ہیں۔ اس یادداشت میں گورنر موصوف نے ان ہدایتوں کو شتہر کیا اور اپنی یہ توقع ظاہر کی کہ ہر ایک سرکاری افسر جس کے استعمال کے لیے یہ ہدایتیں تحریر کی گئی ہیں اُس اسپرٹ کو اپنی مشعل راہ بنائے گا جو ان میں جاری و ساری ہے۔

سنٹرل انڈیا[1] سے رخصت ہو رہا ہوں (غالباً پھر واپسی نہ ہوگی) میں اپنے ذمہ
اُن کا سرکاری ملازمت کا اور اپنا یہ فرض محسوس کرتا ہوں کہ عام اور مقامی نظم و
نسق کی بابتہ اپنے خیالات کو زیادہ وضاحت کے ساتھ بیان کروں غالباً کسی
دوسرے موقع پر ان کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہ ہوگی جو حضرات کہ اپنے
علم اور تجربہ سے اس مسئلہ کے متعلق رائے قایم کرنے کے لایق ہیں ان سب کی
بالاتفاق یہی رائے ہے کہ ہندوستان میں ہماری حکومت کا انحصار صرف
اس بات پر ہے کہ اہل ہند عام طور پر اپنے فرماں رواؤں کے مقابلے
میں ہماری نیک نیتی۔ دانائی اور قوت کو اعلیٰ اور افضل سمجھتے رہیں۔ اور ہم
ان کے عادات و خصایل۔ رسم و رواج اور مذہب کا جس قدر لحاظ کریں گے (۲۶۴)
اور ان کے ساتھ جسقدر تحمل۔ خوش اخلاقی اور خوش مزاجی کے ساتھ پیش آئینگے
اُسی قدر اس زبردست اثر میں اضافہ ہوگا اور اگر ہم اپنے کسی فعل سے انکے
مذہبی عقیدے یا اُن کی باطل پرستی کو صدمہ پہنچائیں گے تو اس اثر کو نقصان
پہنچ جائے گا اور اس سے ظاہر ہوگا کہ افراد اور اقوام کا کچھ لحاظ نہیں کیا گیا
اور ہم نے فاتح ہونے کی نشے میں ان اصول کو فراموش کر دیا جن سے کہ
عظیم الشان سلطنت قایم کی گئی اور صرف انھیں اصول پر کاربند ہو کر یہ سلطنت
قایم رکھی جا سکتی ہے۔

اہل ہند کی نااتفاقی بھی ہماری سلطنت کی ایک زبردست بنیاد ہے
اور علاوہ دیگر امور کے اس نااتفاقی نے ہماری سلطنت کے قایم ہونے میں
بڑا حصہ لیا ہے لیکن اس کا پتہ لگانے سے ہمیں معلوم ہوا ہے کہ یہ نااتفاقی اس
حالت سے پیدا ہوئی ہے جس میں کہ ہم نے ہندوستان کو مبتلا پایا اور اسکا

---

[1] سنٹرل انڈیا (وسط ہند) ان علاقوں کے مجموعہ کا نام ہے جو ہندوستان کے وسط میں واقع ہیں اس کا طول البلد ۷۳ سے ۸۰ درجہ تک اور عرض البلد ۱۷ سے ۲۵ درجہ تک ہے اس میں وہ وسیع علاقہ داخل ہے جو شہنشاہ دہلی کے زمانہ میں صوبہ مالوہ کے نام سے مشہور تھا (سرگذشت سنٹرل انڈیا صفحہ ۱ جلد ۱)

باعث وہ روش ہے جو ہم نے اہل ہند کے ساتھ اختیار کی ہے اور یہ نا اتفاقی اس وقت تک قائم رہے گی جب تک کہ ہندوستان کی حالت نہ بدل جائیگی اور اپنے طرز عمل میں کوئی تبدیلی کرنا سر دست ہمارے اختیار سے باہر ہے۔ چونکہ اس بر اعظم کے باشندوں کی بڑے حصہ کی حالت یکساں ہے جو ہمارے زیر حکومت ہیں اس لئے یقیناً ان کی یہ یکسانیت ان میں مشترکہ مقاصد کے ساتھ کام کرنے کی ترغیب پیدا کر دیگی جو ہر قسم کے اتفاق کی جڑ ہے ہماری حکومت اس مقابلے کی زیادہ تر مرہون منت ہے جو سابق بد نظمی اور جور وستم سے کیا جاتا ہے لیکن ہم اس قوت کو یوماً فیوماً ضائع کرتے جاتے ہیں۔ ہمارے وسائل غیر محدود تصور ہونے سے بھی ہمیں فائدہ پہنچتا ہے لیکن یہ بات ہمارے وسائل کی حقیقی حالت کی لاعلمی ہی کے باعث پیدا ہوئی ہے اور اس کے متعلق واقفیت حاصل ہو جانے پر یہ خیال پست ہو جائے گا۔ اہل ہند کے ادنےٰ اور وسطےٰ طبقے ہماری حکومت کے حامی و معاون ہیں کیونکہ وہ ہماری حکومت کو اپنے حق میں شفیق تصور کرتے ہیں لیکن ان کے اس خیال سے ہماری حکومت کو سخت صدمہ پہنچتا ہے کہ ہمارا نظام حکومت کسی ہندوستانی کے رتبہ اختیارات اور وقار کو دواماً قایم رکھنے کا مخالف ہے یہ عقیدہ عام طور پر ہر ایک فرقہ کا ہے اور یہ بلاوجہ بھی نہیں ہے اور اس کے باعث مقتدر اور معزز حضرات ہر وقت پریشان اور متلون مزاج رہتے ہیں۔ ان کی اس حالت سے جو جذبہ پیدا ہوتا ہے اُس کو دیکھکر وہ حضرات جنھیں قدرے آزادی اور قوت میسر ہے بدانتی بے چینی اور حرص و ہوس کے فنون سیکھنے پر مائل ہو جاتے ہیں ہماری سلطنت کے حق میں یہ ایک خطرہ ہے اور تاوقتیکہ ہم اپنے نظم و نسق میں اس خطرہ کے مساوی ترقی دیکر اس کا رد عمل نہ کریں یہ خطرہ بڑھتا ہی رہے گا۔

(۲۶۵) غالباً ہمیں اپنی نگراں کار اور انتظامیہ حکومت کے عجیب و غریب ڈھانچے سے بڑی تقویت پہنچتی ہے اور غالباً اسی سے ہندوستان پر اپنی

عملداری کے قیام کی بابتہ ہماری امیدیں وابستہ ہیں ہندوستان کی مقامی حکومت کے جملہ شعبوں میں سرپرستی کو بہت کم دخل حاصل ہے۔ اس ملک میں رعایت اور مروت سے بہت کم کام لیا جاتا ہے۔ ہر ایک معاملے میں قابلیت کا سوال اسقدر زیادہ ہے جس کی کسی جگہ نظیر نہیں مل سکتی ہے افرادی جد و جہد کے واسطے ایک غیر محدود میدان موجود ہے اور اگرچہ اعلیٰ حکام تقریباً خود مختار ہیں (ہماری حکومت کی نوعیت اسی کی مقتضی ہے کہ وہ خود مختار ہوں) لیکن اس اختیار کے رشک و حسد میں جو ہمارے وطن کی خصوصیت ہے اس کے بے جا استعمال کی زبردست سپر موجود ہے اس کی بدولت لوگ چند روزہ حکومت کی نشے سے بدمست نہیں ہونے پاتے ہیں اور چونکہ ہندوستان میں انگریزوں کی نو آبادی قایم نہ ہونا ہمارے سیاسی اصولوں میں داخل ہے اس لیئے سرکاری ملازمان ہندوستان میں مستقل قیام کرنے سے باز رہتے ہیں اور وہ سرکاری فرائض ادا کرنے میں مشغول رہتے ہیں جس طرح کہ وہ دیگر ملکوں میں دفتر کا کام کرتے ہیں اور اسی میں وہ اپنی ساری قابلیت صرف کرتے ہیں اور ان کے ذاتی جذبات اور مفاد کو ایسی فکر لاحق نہیں ہوتی ہے جس سے ان کی قوت فیصلہ کو تکلیف یا نقصان پہنچے۔ مذموم جذبات اور سازش و رشک و حسد کے جملہ فنون کا فقدان جو سلطنتوں کو تباہ کرتے ہیں ان کے دل اور دماغ میں ایسا سکون پیدا کر دیتا ہے جو کسی ملک کے صرف ایسے حکمرانوں میں ہو سکتا ہے جیسا کہ ہندوستان کے انگریز حکام میں موجود ہے اور ان میں ایسا وصف پیدا ہو جاتا ہے جو قومی تعلقات کے فقدان کے خراب نتائج کی تلافی کر دیتا ہے جن سے عموماً حکومتوں کی قوت پیدا ہوتی ہے چونکہ اہل ہند کا کثیر حصہ زائد از یک صدی سے بدنظمی اور جور و ظلم کا شکار تھا اس کے مقابلے میں ہماری فتح مندیوں اور ہمارے صبر و تحمل نے انگریزی قوم کی ناموری کو اس وقت اس درجہ بلند کر دیا ہے کہ پر دیسیوں کی حکومت میں چین اور امن میسر آجانے سے وہ اپنی حب الوطنی کو بالکل بھول گئے ہیں

(۲۶۶)

لیکن یہ معلوم ہو جانے پر کہ ان جذبات کا پیدا کرنا ہمارے فرائض میں داخل
ہے یہ جذبات از سر نو پیدا ہوں گے اور پھر ان سے کام نکلے گا اہل ہند کو
اپنے فائدہ کے خیال سے ہمیشہ غیر ملکی بادشاہوں کی رعایا بن کر رہنے کی
ضرور شکایت ہونی چاہیے لیکن اس کی تلافی اس طرح ہو سکتی ہے کہ جو
حضرات اعتبار اور ذمہ داری کے عہدوں پر مامور ہیں وہ سب مل کر ہماری
حکومت کو ہر دل عزیز بنانے کی کوشش کریں جو اگرچہ قوی حکومت نہیں ہے
مگر اس کی گہری بنیاد رواداری۔ انصاف اور دانائی کے اصولوں پر مبنی ہے
ہر ایک سرکاری ملازم کو ان واقعات کا مطالعہ کرنا اور انھیں سمجھ لینا چاہیئے۔
جن لوگوں کے ساتھ اسکا ربط ضبط ہو ان کے رسم و رواج اور ان کی زبان
سے واقفیت حاصل کرنے ہی پر سرکاری ملازم کو قناعت نہ کرنی چاہیے۔

بلکہ اس کی جملہ مخصوص کارروائیاں (اور انکا طریقۂ کار بھی) ہماری
سلطنت کی بنیاد کو مستحکم کرنے کے واسطے انجام پذیر ہونی چاہئیں اور
اُسے نہایت احتیاط اور ہوشیاری کے ساتھ اُن اصولوں کا مطالعہ کرنا
چاہئے جن پر کہ ہماری سلطنت کی بنا قائم ہوئی ہے اور جن پر کاربند رہنے سے
وہ برقرار رہ سکتی ہے اور اس کی اہمیت کے متعلق اپنی رائے بیان کرنیکے لئے
میں اپنا یہ پختہ عقیدہ ظاہر کرتا ہوں کہ اپنے مقررہ فرائض انجام دیئے گئے
علاوہ جو ہر ایک سرکاری ملازم کے لئے مقرر ہیں۔ سرکاری ملازم خواہ وہ
کسی حیثیت کے عہدہ پر مامور ہو اپنی روزمرہ کی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے
اور جس طور پر کرتا ہے اُس کا اثر اپنے ماتحتوں اور اپنے حلقۂ اثر کے
لوگوں کے احساسات اور خیالات کے ذریعہ سے سلطنت کے
مفاد پر ضرور پڑتا ہے اور یہ اثر غیر محسوس طریقے پر اس حکومت کو کمزور
یا طاقتور بنانے کا موجب ہوتا ہے جس کا کہ وہ ملازم ہے۔
میں اپنے ماتحتوں کو قدرے تفصیل کیساتھ ہدایات کر رہا ہوں اور اسکی وجہ یہ ہے کہ
اپنے عقیدہ کے مطابق میرا ایسا بالکل درست ہے۔

اول اور نہایت اہم مسئلہ یہ ہے کہ یوروپین افسران اپنے ماتحت

(۲۶۷)

ہندوستانیوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کریں۔ افسران بالا کو اپنے زیر دستوں کے ساتھ نوازش کرنے اور سختی نہ کرنے کی ضرورت کا اس تحریر میں تذکرہ کرنا بالکل بے موقع ہے کیونکہ یہ کام اُن حضرات کا ہے جو اس تحریر میں ہمارے مخاطب ہیں انھیں بہت زیادہ شفقت آمیز برتاؤ کرنے کی ضرورت ہے جو ان کا ایک قسم کا فرض منصبی ہے لیکن اُن کی یہ شفقت جس وقت صرف ان کا فرض منصبی معلوم ہوگی تو اس کا نصف اثر جاتا رہے گا۔ ان کے دل کا یہ خاصہ ہونا چاہیے کہ جن لوگوں پر وہ اپنا اثر ڈالیں تو وہ اثر ان حضرات کی قابلیت اور اوصاف کو کرم گستری کے ساتھ ملحوظ رکھنے پر مبنی ہو اور مجھے یقین کامل ہے کہ ہر شخص یہ اثر ڈال سکتا ہے جسے ان لوگوں کے حقیقی کیرکٹر کی بابتہ کافی معلومات حاصل ہے جن سے کہ اس کا ربط ضبط ہے وہ بلا تعصب اور بغیر خودپسندی کے ایک ایسے معیار سے اُن کی جانچ کرے گا جو اُن کے عقائد رسم و رواج۔ عادات و خصائل اور اُن کے پیشوں اور مرتبہ اور ان کے ایسے خیالات کے عین مطابق ہے جو ایام طفولیت سے ان کے ذہن نشین ہیں اور جو شائستگی کی اس منزل کے لئے بھی موزون ہے جس تک ان لوگوں نے من حیث القوم ترقی کرلی ہے۔ اور اگر وہ اس معلومات اور اس طریقے سے کام لے گا جو رائے قایم کرنے کی اہلیت کے لئے ضروری ہے تو اسے بہت کچھ نیکی۔ حلم۔ ترقی کرنے کی خاصیت سوسائٹی کی بہترین اور مقدس کڑیوں کا ادب اور احترام کرنے۔ لوگوں میں اداب اور قوم میں دل چسپی پیدا کرنے کے اوصاف میسر آجائیں گے اور جب یہ اوصاف اس صحیح عقیدے پر مبنی ہوں گے کہ واقعی وہ انکا مستحق ہے تو اس کی نوازش فطری اور شفقت آمیز ہوجائے گی۔

سب انسان یعنی اعلیٰ سے لیکر ادنیٰ ترین تک اور بچے بھی دیگر لوگوں اور خصوصاً اپنے افسروں کے عادات و اطوار کا پتہ لگانے میں بہت تیز ہوتے ہیں۔ جبکہ بجائے دل کے دماغ سے اور بجائے

جذبات کے محض دلائل سے کام لیا جاتا ہے تو اس سے کوئی خوش نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ اگر اس میں محض نمایش اور ظاہرداری ہے تو وہ قابل نفرت ہے اور اس سے شبہات پیدا ہو جائیں گے اور جب یہ طریقہ دوسری صورت اختیار کرتا ہے مثلاً جب نوازش اور مروت کسرشان سمجھی جاتی ہے تو یہ بات سخت ناگوار گزرتی ہے لوگ ایسے حکام سے خائف ہو سکتے ہیں مگر ان کی عزت اور ان سے محبت نہیں کر سکتے ہیں جو کہ اپنی فضیلت کی نمایش سے انھیں ہمیشہ ذلیل کرتے رہتے ہیں۔

میں نے اہل ہند کے ساتھ برتاؤ کرنے کے ان بنیادی اصولوں کی (۲۶۸) سفارش کی ہے جن پر کہ خود میرا برتاؤ مبنی ہے۔ مجھے وہ زمانہ یاد ہے (اب یہ کہتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے) جبکہ میں اپنے کو ان لوگوں سے بہت اعلیٰ اور افضل تصور کرتا تھا جن کے ساتھ میرا تعلق اپنے فرض منصبی کے باعث ہو گیا تھا لیکن جب اُن کے اور اپنے متعلق میری معلومات میں اضافہ ہو گیا تو اس کے ساتھ ہی وہ تفاوت بھی کم ہو گیا۔ میں نے اُن پر اپنی فضیلت اور بڑائی کے متعلق بہت کچھ دیکھا اور سنا ہے لیکن اگر یورپ اور ہندوستان کے ہر ایک طبقے کی مختلف قوموں کا مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو اہل یورپ کو غرور کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں ملے گی اور نہ میں اہل یورپ کی اس عام رائے کا موئید ہوں کہ اہل ہند بالخصوص وہاں کے بہترین اشخاص نہ صرف بے اصول اور ناقابل اعتبار ہیں بلکہ ان کی عقل محدود اور ان کے خیالات پست ہیں اس لئے تعلیم یافتہ اور روشن خیال یورپین اصحاب کو ان سے بے تکلفانہ ربط ضبط پیدا کرنے کی اجازت نہ دینی چاہئے۔ اگر ان خیالات کو باور کر لیا جائے گا تو اہل ہند کے ساتھ برتاؤ کرنے میں انھیں اہمیت حاصل ہو گی اس لئے میں ان دلائل کی صحت کی بابت چند الفاظ عرض کرونگا جن پر کہ یہ دلائل مبنی ہیں۔

جو شخص کہ ہندوستانیوں کو اس نظر سے دیکھے گا وہ ان کے اعلیٰ کیرکٹر کی ہرگز داد نہ دے گا اور نہ بڑے آدمیوں کے اوصاف اور کارناموں کی

تعریف کرے گا جو ان کی تاریخ روایات اور کتابوں میں درج ہیں۔ وہ انکی قابلیت کا اندازہ اپنے نقطۂ خیال اور اپنے معلومات سے کرے گا اور وہ ان کے ہم رتبہ یوروپین صاحبوں سے مقابلہ کرنے کے بجائے حکومت کے یوروپین ملازموں سے مقابلہ کرکے اپنی رائے قایم کرے گا جنکی تعلیم و تربیت بڑی احتیاط سے ہوتی ہے اور جن کو اعلیٰ ترقیات کی توقعات کی تمنا رہتی ہے جن کی دیانت داری اعلیٰ مشاہروں کی بدولت ملازمت کے ہر ایک درجے میں برقرار رہتی ہے۔

(۲۶۹) قانون دیانت داری کے نافذ ہونے سے پیشتر (جسے ۳۰ سال سے کچھ زیادہ عرصہ گذرا ہے) حکومت کے یوروپین ملازم بھی ہندوستانی ملازموں کی طرح ناجائز وسائل سے روپیہ پیدا کرتے تھے جن کی کہ اب ہم مذمت کرتے ہیں اور اس لیے یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا آخر الذکر کی عادتیں بدلنے کے لئے ویسی ہی کوششیں کی گئی ہیں جیسی کہ اول الذکر کے واسطے عمل میں لائی گئی ہیں؟ میری رائے میں معاملہ بالکل برعکس ہے کیونکہ جب یہ قانون نافذ ہوا ہے تو اس سے یوروپین صاحبوں کی حالت تو کچھ بہتر ہوئی نہیں البتہ اسکی بدولت ہندوستانی ملازموں کا کیرکٹر اور بھی پست اور ذلیل ہو گیا ہے لیکن اس زبردست مسئلے پر بحث کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔

اہل ہند میں بہت سی اخلاقی خرابیاں اس بدنظمی اور جور و ستم کے باعث موجود ہیں جس سے کہ بڑی حد تک وہ نجات حاصل کر چکے ہیں مجھے کسی بڑے ملک کی کوئی ایسی مثال معلوم نہیں ہے جہاں کے باشندوں نے ان حالات کی موجودگی اور تغیر و تبدل کے زمانے اور ظالمانہ حکومت برداشت کرنے کے بعد بھی اپنی اسقدر نیکی اور اپنے اسقدر زیادہ نیک اور صاف قایم رکھے ہوں جو اس ملک کی رعایا کے بڑے حصے میں پائے جاتے ہیں۔ اور اس کا پورا ثبوت ہندوؤں کے قوانین بالخصوص تقسیم ذات کے نظام سے ملتا ہے جس میں کہ انسانی سوسائٹی نہایت قدیم زمانے ہی میں موجودہ درجے تک پہنچ گئی تھی لیکن اس کے باعث بیشک وہ

نظام تہذیب کی اس پستی پر پہونچکر ایک حالت پر قایم ہو کر رہ گئے جس حد تک کہ انھوں نے ابتدا ہی میں ترقی کر لی تھی ہم ان کے اکثر قوانین اور بالخصوص ان قواعد کے نتائج کی تعریف کرتے ہیں جن کے باعث ہندوؤں کی اعلیٰ اقوام میں چوری مے نوشی اور جور و ظلم نہ صرف مفقود ہے بلکہ ان میں خاندانی عزیزانہ تعلقات کے پاکیزہ رشتے بدستور قایم و برقرار ہیں البتہ ہم انکے چند اور رسوم اور بعض باطل پرستیوں پر افسوس کرتے ہیں لیکن بنی نوع انسان کے ایسے کونسے افراد ہیں جن میں بہت سے عیوب اور خامیاں نہیں پائی جاتی ہیں لیکن کیا جہالت یا غرور سے بھرا ہوا دماغ ان دلائل کی بناء پر اہل ہند کے سے انسانوں کے خلاف ایسی سخت رائے قایم کر سکتا ہے چنانچہ میں عرض کرتا ہوں کہ بجز ان معاملات کے جن میں ذاتی قابلیت اور خود بینی پر معلومات غالب نہیں آئے سول اور فوجی انگریز افسروں کو ہندوستانیوں کی زبان اور ان کے رسم رواج کے متعلق جسقدر واقفیت حاصل ہوگئی وہ اوسی قدر ان پر مہربان ہوگئے ہیں اور اس کے برعکس ان کے متعلق لاعلم رہنے سے غرور اور بے پروائی قایم رہی جس کے باعث وہ ہندوستانیوں کو ذلیل سمجھتے رہے اور ان کے ساتھ نہایت سختی کا برتاؤ کرتے رہے۔ (۲۷۰)

ہندوستانیوں نے انگریز افسروں کے برتاؤ سے یہ رائے قایم کی ہے کہ وہ ہمیں رذیل اور ذلیل قوم تصور کرتے ہیں اور مجھے اس امر کا کامل یقین ہے کہ ان کا یہ عقیدہ ہندوستان کی عام ترقیات کے لئے ہماری کوششوں کے مانع اور مزاحم رہے گا۔ اور اس کے برعکس اگر اس وسیع ملک کے نظم ونسق کے ہر ایک شعبے کے ملازمان جن کے طرز عمل میں کافی نگرانی کے ماتحت نیکی اور انصاف کے اصول موجود ہیں اگر ان لوگوں کے ساتھ جن کو خوشحال بنانا ان کے فرض منصبی میں داخل ہے سچے عجز و انکسار کا برتاؤ کریں جو حقیقی علم کا خاصہ ہے جس سے دوسرے مطیع بن جاتے ہیں اور اپنا مرتبہ بلند ہو جاتا ہے تو اس طرح سے وہ اپنی حکومت کی بقا اور استحکام کو بہت کچھ امداد پہونچا سکتے ہیں جو مغرورانہ دانشمندی کی کسی تدبیر سے حاصل نہیں ہو سکتی ہے

مسئلہ کے اس جزو کو ختم کرنے سے پیشتر میں اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں کہ اہل ہند کے ساتھ برتاؤ کرنے میں اگرچہ ان کے رسم و رواج کا احترام کرنا اور بوقت ضرورت انکے مذہبی قوانین اور انکے رتبہ کے موافق کارروائی کرنا ہمارا عین فرض منصبی ہے لیکن ہم ہمیشہ اپنے یوروپین اطوار قائم رکھنے چاہئیں کیونکہ اگر ہم انکے عادت و اطوار اختیار کرلیں گے تو ہمارا وہ اصول بالکل ترک ہو جائے گا اور ہماری فضیلت کے جملہ اثرات زائل ہو جائیں گے جو عمدہ اصولوں پر مبنی ہے۔

ہمیں ان سب باتوں سے سبق حاصل کرنا چاہئے کہ جو روسا وغیرہ (۲۴۱) انگریزی طرز معاشرت اور عادات و فضائل کی نقالی کرتے ہیں ان کا کیا انجام ہوتا ہے۔ اپنے طبقے کی نظر میں وہ ذلیل ہو جاتے ہیں اور دوسرے طبقوں میں ان کی وقعت میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا جس کی نظر میں وہ اپنا وقار بڑھانا چاہتے ہیں حقیقت الامر یہ ہے کہ آخر کار وہ دوسروں کی نظر میں بھی ذلیل ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی وفاداری کس مصرف کی ہے جبکہ اپنے ہی طبقہ میں ان کا کوئی اثر باقی نہیں رہا ہے۔ اسی طرح جو یوروپین افسر ہندوستانی وضع اختیار کرلیتا ہے تو وہ صرف معدودے چند اشخاص کو خوش کرسکتا ہے جو اپنی وضع ترک کرتے ہیں اسکی بے جا خوشامد کرتے یا اس سے متمتع ہوتے ہیں لیکن ان لوگوں کے ساتھ بے تکلفی ہو جانے سے اس کی وقعت میں اضافہ نہیں ہو جاتا ہے اور اس وضع کے اختیار کرنے سے ان ہندوستانیوں اور انگریزوں کی نظر میں وہ ذلیل ہو جاتا ہے جن کے ساتھ وہ رہتا ہے۔

اپنے حلقے کے ہندوستانیوں کے ساتھ تمہیں نجی اور سرکاری دو قسم کی ملاقات قایم رکھنی چاہئے۔ اول الذکر یعنی نجی ملاقات حتی الامکان ہر رتبے اور ہر طبقے کے لوگوں کے ساتھ نہایت بے تکلفانہ اور نوازش آمیز ہونی چاہئے اور جہاں تک کہ عادات و اطوار اور کاروبار کے اختلافات اجازت دیں بار بار ہونی چاہئے یوروپین افسروں اور اہل ہند کے درمیان ایک نقاب حائل ہے جس کے باعث وہ ہندوستانیوں کے اصلی کیرکٹر سے بڑی حد تک لاعلم رہتے ہیں۔ وہ اپنے نجی معاملات کا اندازہ ان امور سے کرسکتا ہے

جو وہ ہندوستانیوں کو اپنے سامنے کرتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن جس طور پر
کہ ہندوستانی زندگی کے دیگر فرائض انجام دیتے ہیں اگر وہ ان سے نابلد ہے
یا اسکی بابتہ اسے ناکافی معلومات حاصل ہیں تو بہت سی خفیف مشکلات
پوری واقفیت حاصل کرنے سے مانع رہیں گی جو قومیت رسم و رواج اور
مذہب پر مبنی ہوں گی لیکن نجی ملاقات سے ایسی بہت سی باتیں معلوم
ہو جائیں گی جن سے سرکاری خدمات انجام دینے میں سہولت پیدا ہو جائیگی
نیز ہندوستانیوں کے مختلف طبقے کے لوگوں کے خیالات اور رسم و رواج
کے متعلق ایسے معلومات حاصل ہو جائیں گے جن کی بدولت وہ ہر ایک کے
نبض شناس بن جائیں گے یورپین افسر کھیل کے میدان میں تشریف لیجانے
اور نہایت معزز و مقتدر ہندوستانیوں سے بے تکلفانہ ملاقات کرنے اور ذی علم
اصحاب کی صحبت میں بیٹھنے سے وہ نہ صرف بہت کچھ واقفیت حاصل کریگا (۲۷۲)
بلکہ اپنا پورا اعتبار قایم کر دے گا اور ذاتی محبت کی ایسی بنیاد قایم کر دے گا جو
سرکاری خدمات کی انجام دہی میں بے حد معین و مددگار ثابت ہو گی۔ اس قسم کی
نجی ملاقات سے اُسے ان لوگوں کی عزت افزائی کا موقع مل جائے گا جن کی
وہ عزت اور قدر کرتا ہے لیکن اُسے اس بات سے خبردار رہنا چاہئے کہ جن لوگوں کے
ساتھ اس نے میل جول اختیار کیا ہے ان کی کمزوریاں اور مذموم عادات
اختیار کر کے کہیں اس روش کے اختیار کرنے میں وہ اپنا اصل مقصد نہ فوت
کر دے۔ چونکہ اپنے فرض منصبی کے اس حصے کے تادیے میں اپنے عہدے
کی نخوت بالائے طاق ہو جاتی ہے اس لیئے اُسے اس امر کی بڑی احتیاط کے
ساتھ نگرانی کرنی چاہئے کہ وسیع معلومات اور اخلاق و مذہب کے سچے قوانین
کی بدولت جو حقیقی فضیلت اُسے حاصل ہے وہ برقرار رہے۔ کیونکہ ان اعلیٰ
اوصاف کے ساتھ عجز و انکسار اختیار کرنے ہی سے وہ فوائد حاصل ہو سکتے ہیں
جو اپنے زیر دست اور زیر حکومت ہندوستانیوں کے ساتھ بے تکلفانہ
میل جول کے وسیلے سے حاصل ہونے کی بابتہ میں نے بیان کیے ہیں۔
لیکن سرکاری راہ و رسم میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہندوستانی

خواہ کسی حیثیت ۔ طبقے ۔ یا پیشے کے ہوں انھیں بآسانی اپنے یوروپین افسروں تک رسائی حاصل ہو سکے ۔ اس کی ضرورت ہماری عملداری کی نوعیت اور ان لوگوں کی سرشت سے پیدا ہوتی ہے جن پر کہ ہماری حکومت قایم ہوئی ہے اہل ہند کو پردیسیوں کی حکومت سخت ناگوار گذرتی ہے لیکن اس جذبے سے جو اثر پیدا ہوتا ہے وہ صرف ان فوائد کے خیال سے کم ہو سکتا ہے یا بالکل رفع ہو سکتا ہے جو یوروپین افسروں کی فرزانگی اور معدلت گستری سے اہل ہند حاصل کر سکتے ہیں اور یہ بات اُن کے ساتھ براہ راست ربط پیدا کرنے ہی سے میسر آ سکتی ہے ۔ اگرچہ ہندوستانیوں کو ملازمت دینی چاہیے اور ان پر اعتبار کرنا چاہیئے اور ہر شخص کے ساتھ نوازش آمیز برتاؤ کرنا اور شرفا کو ایسے سلوک سے ترقی دینا چاہیئے جس میں ان کی توقیر اور لحاظ کیا جائے مگر اسی کے ساتھ انھیں نامہ و پیام کا کلیتاً وسیلہ بنا دینا بھی خالی از علت نہیں ہے اور خواہ کیسا ہی معاملہ کیوں نہ ہو اگر سرکاری کام کی انجام دہی میں اُن کی خواہش کے مطابق انھیں یوروپین افسروں تک بار بار شرف یابی حاصل کرنے کی اجازت دی جائے گی تو اس سے انھیں اپنے اعتبار کے غلط استعمال کا موقع مل جائیگا اور چونکہ ہمارے ہندوستانی ملازم شاذ و نادر ہی اعلیٰ طبقے سے لئے جاتے ہیں اس لئے اُن کے متعلق یہ قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے کہ وہ دیسی حکمرانوں کی مانند نیک نیت اور نیک چلن ہیں یا انھیں ان حکمرانوں کی طرح عزت حاصل ہو سکتی ہے لہذا بدیسیوں کی حکومت کی زبردستی سے جو جذبہ پیدا ہوتا ہے اس میں ان کا اور اضافہ ہو جائے گا کہ وہ اپنی ہی قوم کے ان حکام کے رحم و کرم کے محتاج ہو جائیں گے جن کا نہ وہ احترام کرتے ہیں اور نہ جن پر انھیں اعتبار ہے اس خرابی کا بجز اس کے کوئی علاج نہیں ہے کہ انھیں یوروپین حکام تک بآسانی رسائی حاصل ہو لیکن اعلیٰ حکام خواہ خود ہی اس کے خواہاں کیوں نہ ہوں یہ کام بلاوقت اور استقلال کے سرانجام نہیں پا سکتا ہے چونکہ اس کے اعلیٰ سے ادنیٰ ملازم تک کے حقوق اور ناموری پر اس کا اثر پڑتا ہے اس لئے اُس کے ماتحت ان خرابیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں گے اور ان کی کوششوں سے

(۲۷۳)

ساتھ یورپین افسر کو بھی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ دیگر تمام امور کے مقابلے میں اسکے ذاتی انتظام کی دیانت داری اور ملک کی فلاح کا انہی پر زیادہ انحصار ہے۔ کسی ہندوستانی ملازم کو خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ درخواست یا شکایت کو پیش کرنے یا روک لینے کی ہرگز اجازت نہ دینی چاہئے۔ اس قسم کی جملہ درخواستیں بصیغۂ راز یورپین اعلیٰ افسروں یا ان کے ایسے نائب کے نام آنی چاہئیں جن کے ملنے یا موصول کرنے کی اُسے خاص طور پر اجازت دیدی گئی ہو لیکن اس کے لئے بہت زیادہ نیک مزاجی۔ تحمل اور مستعدی کی ضرورت ہے اور ہندوستانیوں کے ساتھ اس اصول پر راہ ورسم قایم کرنے کے لئے بہت کچھ آرام و آسایش قربان کرنی ہوگی۔ اور تاوقتیکہ ایسا نہ کیا جائے (میں اپنے کافی تجربے کی بنا پر کہتا ہوں) تو حکومت کا جو اقتدار سنٹرل انڈیا میں[1] قایم ہو گیا ہے وہ زیادہ عرصہ تک قایم نہیں رہ سکتا ہے اور اس معاملے میں تساہل کرنے سے جو تبدیلیاں پیدا ہوں گی ان کا ہماری ناموری اور کیرکٹر پر بہت خراب اثر پڑے گا۔ (۲۷۴)

اس قسم کا ذاتی ارتباط پیدا کرنے کے لئے غالباً یہ بہتر ہوگا کہ کھانے کے اوقات کے علاوہ ہر حیثیت کے ہندوستانیوں کو ہر وقت آنے اور عرض معروض کرنے کی اجازت دیجائے لیکن اگر اس قسم کی ہر وقت کی آمد و رفت سے دوسرے کاموں میں ہرج واقع ہو تو جو لوگ ملنا چاہیں اُن سے ملاقات کرنے اور عرضیاں لینے اور سننے کے واسطے روزانہ چند گھنٹے مخصوص کردئے جائیں۔

---

[1] ۱۸۱۸ء و ۱۸۱۹ء میں جنگ پنڈاری میں فتح مندی حاصل ہونے پر ہماری عملداری تقریباً اس سارے ملک پر قایم ہو گئی جسے سنٹرل انڈیا کہتے ہیں لیکن چند اضلاع کے علاوہ اس کے صوبے دیسی والیان ریاست یا رؤسا کے پاس رہے جن کے قبضہ میں وہ بیشتر بھی تھے۔ یہ ریاستیں اور علاقے بھی مختلف معاہدوں اور صلح ناموں کی رو سے حکومت برطانیہ کی زیر سیادت اور زیر اقتدار رہے

میرے نزدیک براہ راست میل جول پیدا کرنا ہمارا اولین اور لازمی فرض ہے۔ پھر کوئی شخص ان اصحاب کی خواہش اور رائے کا اسقدر دست نگر نہیں رہے گا جن کے سپرد ان ممالک کا انتظام ہے جسقدر کہ وہ ایک ایسے افسر کا دست نگر ہوگا جو خواہ فوجی قواعد لیتا ہو یا چند گھنٹے عدالت میں بطور جج منکر اجلاس کرتا ہو۔ فی الحقیقت میرے نزدیک تو گذشتہ واقعات نے ہندوستان کی حالت اسقدر تبدیل کر دی ہے کہ سیاسی محکمے کی ہر ایک افسر کے فرائض بڑی حد تک مجسٹریٹی کرنے کے ہو گئے ہیں اس لئے انکے فرائض کی مزید توضیح اور تشریح ہونے کی ضرورت ہے۔

ہمارا حق مداخلت (جیسا بعد کو ظاہر ہوگا) اسقدر محدود ہے کہ تخمیناً سیکڑوں مقدمات کے جو پیش ہوتے ہیں کسی ایک مقدمے میں بھی حاکم مجانہ بجز اس کے کچھ نہیں کر سکتا کہ وہ نہایت متانت اور توضیح کے ساتھ مستغیث کے روبرو وہ دلائل اور قوانین بیان کردے۔ جن کی رو سے وہ اس کی درخواست یا استغاثہ کو نہیں منظور کر سکتا ہے۔ اور روزانہ کم از کم ۵۰ بار یہ بات اسے دہرانی پڑے گی لیکن اس کا جو عمدہ نتیجہ برآمد ہوگا اس کی خاطر اسے یہ تکلیف گوارہ کرنی چاہئیے۔ اہل ہند یہ بات نہیں سمجھ سکتے ہیں کہ ہمارے پاس چونکہ حکومت قایم کرنے کے وسائل موجود ہیں اس لئے ہم ایسی حرکت کرنے سے عرصہ دراز تک اجتناب کرتے رہیں گے اس اثر سے وہ دیسی فرماں روا۔ روسا اور وزرا جن کی اعانت کرنا ہماری حکمت عملی میں داخل ہے اس درجہ کمزور ہو جاتے ہیں کہ وہ حکومت کرنے کے لائق نہیں رہتے ہیں۔ اس کے خراب نتائج کا ازالہ صرف اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ سب لوگ حتی کہ ادنی ترین اشخاص بھی اس معاملے میں ہماری خو بو سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں وہ کسی ہندوستانی کارکن یا ملازم کی تحریر کا ہرگز اعتبار نہ کریں گے۔ انھیں فی الحقیقت ہماری صداقت کا اس وقت تک یقین نہ ہوگا جب تک کہ وہ سالہا سال اس بات کو نہ دیکھ لینگے کہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مطابق ہیں اور انھیں اس امر کا اطمینان

(۲۷۵)

دلانے کے لئے کہ جس بدنظمی کے وہ عادی تھے اب اس کے پیدا ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں ہے۔ یہ دکھا دینا چاہئے کہ اعلیٰ افسر ہر ایک بات سے خوب واقف ہے اور وہی ہر ایک حکم نافذ کرتا ہے۔ اس بات کے معلوم ہونے اور اعلیٰ افسر تک ہر وقت رسائی ہونے سے رفتہ رفتہ انھیں طمانیت حاصل ہو جائے گی اور پھر حتی الامکان وہ عیار اور خود غرض اشخاص کے جھانسے میں نہ آسکیں گے اس سے قبل یہ بات بیان کردی گئی ہے کہ ہر درجہ کے ہندوستانی ملازمان کے ساتھ اس تہذیب اور احترام کا برتاؤ کرنا چاہئے جس کے کہ وہ اپنے عہدہ اور کیرکٹر کے لحاظ سے مستحق ہیں۔

بیشک ان کی نہایت بے تکلفانہ ملاقات ہر وقت اعلیٰ افسر سے ہوا کرے گی لیکن تاوقتیکہ انھیں خاص طور پر نہ بلایا جائے انھیں اس وقت اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دینی چاہئے جبکہ اعلیٰ افسر دیگر ہندوستانیوں سے گفتگو کر رہا ہو۔ لیکن ان ہندوستانی افسران کو مضرت رسانی کا بہت کم اختیار حاصل ہوگا (خواہ ان کی نیت کچھ ہی کیوں نہ ہو) جبکہ براہ راست رعایا سے یوروپین افسران کا میل جول اچھی طرح قایم ہو جائے گا اور اس کے قوانین اور مقاصد سے لوگ عام طور پر واقف ہو جائیں گے فی الحقیقت اس راہ و رسم کا بہترین نتیجہ یہ برآمد ہوگا کہ ماتحت ملازمان کی نہایت مذموم (۲۷۶) کارروائیوں کی بڑی حد تک روک تھام ہو جائے گی اور جبکہ ہر شخص اعلیٰ افسر سے اپنی داستان ہر وقت بیان کرنے کا مجاز ہوگا تو ہر ایک قسم کے سرکاری ملازم کو یہ خوف دامن گیر رہے گا کہ کہیں پر وہ فاش نہ ہو جائے۔

رعایا کے ساتھ حکام کے ربط و ضبط میں دوسری ضروری بات اشاعت ہے۔ اس اصول کے فوائد کی تفصیل بیان کرنے کا یہ موقع نہیں ہے۔ ہندوستان میں انگریزوں کی جس قسم کی سلطنت ہے ایسی سلطنت کو یہ قابل تعریف موقع حاصل ہے کہ اپنی کارروائیوں کی نسبت سے وہ توت پکڑلی جاتی ہے اور وہ دلائل اور وجوہ شائع کر دئے جاتے ہیں جن پر کہ اس کی کارروائیاں مبنی ہوتی ہیں اور ہندوستان میں اس اشاعت کی شدید ضرورت ہے۔

جہاں پر ابھی تک لوگوں نے ہمیں بہت کم سمجھا ہے۔ ہماری معمولی کارروائیوں میں نہ کوئی راز ہے اور نہ ہو سکتا ہے اور اپنی کارروائیوں کو شایع کر دینے سے ہر ایک افسر کو فائدہ رسانی کے ذرایع زیادہ دستیاب ہو جائیں گے اس کی محنت و مشقت کم ہو جائے گی اور اس کی نیک نیتی اور کارروائیوں کے متعلق عیاروں اور بدکرداروں کو غلط بیانی کرنے کے بہت کم مواقع حاصل ہو سکیں گے۔ حاکم کو اپنے ماتحتوں اور دوسرے اشخاص سے حتی الامکان نجی مشورے بہت کم کرنے چاہئیں۔ ایسے موقعوں کے لوگ بہت شایق ہوتے ہیں اور جو شخص کہ اس قسم کے مشورہ کے لئے طلب کیا جاتا ہے وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ مجھ پر خاص نوازش ہے اور میں باثر سمجھا جاتا ہوں کیونکہ ہندوستانی اپنے افسروں کے دل میں اپنا حقیقی یا فرضی اعتبار قایم کرنے کے فن میں یدطولے رکھتے ہیں۔ میرے نزدیک اس اثر اور اس شر کے انسداد کی صرف یہی تدبیر ہے کہ ہر افسر اپنی کارروائیوں کو وقتاً فوقتاً شایع کرتا رہے۔

بیشک اس میں مشکلات پیش آئیں گی اور ان مشکلات میں اسوقت اور بھی اضافہ ہو جائے گا جبکہ خود غرض اشخاص اپنی شاطرانہ چالیں چلیں گے کیونکہ ہر درجہ اور رتبہ کے ہندوستانی ہر ایک چھوٹے اور بڑے معاملے کی کارروائی کو پوشیدہ کرنے اور چھپانے کو بڑی اہمیت دینے کے عادی ہیں تم جیسے سرکاری افسر کو ہمیشہ ایسے واقعات سے باخبر اور آگاہ رہنا چاہئے جن سے تمہارے ماتحت علاقے کے امن و سکون پر اثر پڑنے کا احتمال ہو۔ لیکن اپنے فرض منصبی کے کسی شعبے کی ادائگی میں اسقدر احتیاط اور فرزانگی سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اُسے آنکھیں بند کرکے نہ تو ہر ایک کا اعتبار کرنا چاہئے اور نہ صریح و نہایت مستند واقعات پر توجہ کرنے سے انکار کرنا مناسب ہے اور اُسے نجی و راز کی ملاقات کرنے اور جاسوسوں و مخبروں کو اپنے پاس آنے اور ان کی حکایتیں سننے میں بڑی احتیاط کرنی چاہئے کیونکہ ہندوستانیوں نے (اپنی حکومت کی نوعیت کے باعث) نہایت

(۲۷۷)

مذموم عادت یہ اختیار کی ہے کہ وہ افسران سے اس طور پر بات چیت کرتے ہیں کہ انھیں کوئی شبہ و شک نہ ہونے پائے۔ وسط ہند کی یہ حالت ہے کہ اس میں غیر مطمئن اور غضبناک لوگ چونکہ بکثرت موجود ہیں اس لئے سازشیں باغیانہ تقریریں اور تحریریں کچھ عرصہ تک اکثر رونما ہوں گی لیکن ان کی طرف توجہ نہ کرنی چاہئے۔ وہ اپنے آپ ختم ہو جائیں گی چونکہ اب ہماری عملداری قائم ہو گئی ہے اور اگر کچھ لوگ اسکو متزلزل کرنے کے ذرائع مہیا کریں گے تو ہمیں یہ حرکتیں فوراً معلوم ہو جائیں گی اس لئے بجز معمولی معاملات میں فرزانگی اور سلامتی اسی میں ہے کہ افراد اور اقوام کو عیاروں۔ خود غرض مخبروں اور جاسوسوں کے رحم پر چھوڑنے یا بد تعصب لوگوں کو ہمیشہ سختی اور شبہ کی نظر سے دیکھکر انھیں ہمیشہ کے لئے اپنا دشمن بنانے کے بجائے خود تھوڑی تکلیف برداشت کر لی جائے۔

اپنے حلقے کے ہندوستانیوں سے ملاقات کرنے کے دوران میں تحفہ تحایف کے لینے یا دینے کا تذکرہ آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس مسئلے کے متعلق نہایت سخت اور قطعی احکام آپ کے پاس بھیجدئے گئے ہیں لیکن اس اقتداری حکومت میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ ہمارا ہر ایک کارکن انگریزی کیرکٹر کی نہ صرف پاکیزگی بلکہ بے لوثی کو بھی اعلیٰ معیار پر قایم رکھے اور مجھے امید ہے کہ آپ مقامی حکام کے ممنون احسان ہونے سے حتی الامکان اجتناب کریں گے یہ لوگ آپ کو زیادہ آرام و آسایش پہنچانے کے لئے نہایت تن دہی کے ساتھ کوشش کریں گے اور اپنی خود غرضی یا نیک نیتی سے آپ کے ساتھ بہت سے سلوک کریں گے لیکن ان باتوں سے آزاد رہنے میں ایک ایسی قوت ہے جسے ہرگز ترک نہ کرنا چاہئے۔ (۲۷

ہماری سیاسی فضیلت نہایت نتیجہ خیز ہے اس لئے اسے اپنی یا کسی دوسرے کی ذاتی طمع و خود غرضی سے پاک رکھنا چاہئے جو اس اثر کو گندہ یا کمزور کر سکتی ہے جس پر اس کے کامیاب استعمال کا دارومدار ہے۔

حکومت میں اقتدار اعلیٰ حاصل کرنے سے پیشتر انگریز حکام اور ذی رتبہ ہندوستانیوں کی راہ و رسم کی اور اشکال تھیں جن میں ہم اس وقت جیسی کمی نہ کر سکتے تھے کیونکہ اس وقت ہمارے ارادوں اور منصوبوں کے متعلق غلط فہمیاں پیدا ہونے کا قوی احتمال تھا۔ یہ جو اقوام کہ رسم و رواج کی بہت قدر کرتی ہیں اور انھیں نہایت اہم تصور کرتی ہیں ان قوموں کے ساتھ راہ و رسم پیدا کرنے میں ہمیں ان نصائح کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے اور اپنے رتبہ کے موافق ان سے ادب و عزت کا طالب ہونا چاہئے تاکہ ہم اپنی رعایا کی نظر میں انگریز افسروں کی بے وقعتی نہ پیدا کریں۔ ہر درجے کے ہندوستانی والیان ملک اور رؤسا حکومت برطانیہ کے تحت ہیں لیکن ان میں سے بعض کی حکومت تو برائے نام ہے لیکن اگر آداب ملاقات میں کچھ بھی فروگذاشت ہو جائے تو وہ یہ سمجھیں گے گویا ہماری ریاست ضبط کرلی گئی اس نخوت آمیز خیال پر ہنسی آتی ہے لیکن رؤسا میں یہ خیال موجود ہے اور اسکی خلاف ورزی کرنا انسانیت اور حکمت عملی کے قوانین کے برعکس متصور ہوگا۔ ادنیٰ لوگوں کی ملاقات میں انگریز حکام کو ان کے ساتھ ملک کے رواج کے مطابق ایسا برتاؤ کرنا چاہئے جیسا کہ نہایت ہندوستانی حکام کرتے ہیں۔ ان کی حالت میں تہذیب و شائستگی کے متعلق معلومات حاصل ہونے سے جسقدر تبدیلی پیدا ہو جائے اُسی کے مطابق ان لوگوں پر توجہ کرنی چاہئے اور اسی وجہ سے عام رعایا کے مقابلے میں بھیل[1] (Bheel) کی طرف زیادہ توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ جو کریمانہ برتاؤ کیا جاتا ہے اس کی صداقت اور قیام کا یقین دلانا اور اس کے دل کو مطمئن کرنا بہت دشوار ہے کیونکہ اس کی حالت اس فریق سے بالکل جداگانہ ہے جس سے کہ وہ بات چیت کر رہا ہے اس لئے اس قابل بنانے سے قبل اُسے اپنی طرف راغب کرنا

(۲۷۹)

[1] بھیل پہاڑی ڈاکو ہیں اس مشہور قوم کے حالات کتاب موسومہ سرگذشت سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۱۱۶ و ۵۵۰ اور جلد دوم صفحہ ۱۷۹ میں مفصل درج ہیں۔

چاہئے۔ اس ملک میں ہمارے جو ایجنٹ مقرر ہیں ان کی بابت یہ قطعی طور پر
نہیں کہا جا سکتا کہ وہ دیسی والیان ملک ان کے درباروں اور ان کے مقامی
عہدہ داروں کے معاملات میں کس حد تک مداخلت کرنے کے مجاز ہیں
لیکن ان سب کو چند واضح اور عام اصول پر کاربند ہونا چاہئے۔ جو ہماری حکومت
کی نوعیت۔ ہمارے اغراض و مقاصد یہ مختلف ریاستوں سے ہمارے سیاسی
تعلقات۔ اور وہاں کے فرمانرواؤں کے ذاتی طرز عمل پر مبنی ہوں کہ وہ کس
حد تک ہم سے دست گیری اور امداد حاصل کرنے کی حاجت رکھتے ہیں۔ اور
کس حد تک اپنے اندرونی انتظامات میں ہماری امداد پسند یا ناپسند کرتے ہیں۔
وہ زبردست اصول جس سے ہمیشہ استدلال کرنا پڑے گا ہماری اقتداری
قوت اور اس کے اغراض پر مبنی ہے۔ سلطنت برطانیہ کی یہ مسلمہ حکمت عملی
ہے اور میرے نزدیک یہ بالکل صحیح بھی۔ ہے کہ ملک کے عام امن کو برقرار
رکھا جائے علاوہ بریں جو مختلف ہندوستانی والیان ملک اور رؤسا باضابطہ
ہمارے زیر حفاظت ہیں ان کا نہ صرف اقتدار برقرار رہے بلکہ وہ اپنے
شاہی فرائض کو عملاً ادا کرنے میں بالکل بااختیار ہوں۔ (عہدناموں کی پابندی
سے قطع نظر کرکے) ہمارا خاص مدعا یہ ہے کہ ہم اس نازک موقع سے دور رہیں
جو باوجود ہماری کوششوں کے رفتہ رفتہ نزدیک آتا جاتا ہے جبکہ سارے
ہندوستان پر ہماری حکومت قایم ہو جائے گی۔ ہمارا ارادہ ان نتائج پر
یہاں بحث کرنے کا نہیں ہے جو اس واقعے کے رونما ہوتے سے برآمد ہونگے
انتظامی اور تحتانی افسروں کو صرف اسقدر جان لینا کافی ہے کہ جس سلطنت
کے وہ خدمت گذار ہیں اس کی دلی خواہش یہ ہے کہ مذکورۂ بالا موقع سے دور
رہیں اور اس فیصلے کی تکمیل میں اپنی جملہ کوششوں کو صرف کرنا اپنا عین
فرض منصبی تصور کریں اور جان لیں کہ اس حکمت عملی کی کامیابی کا زیادہ تر
انحصار ان کی مداخلت اور ان کے طرز عمل پر ہوگا۔

معاہدہ کی رو سے جن ریاستوں کی امداد کا ہم نے اقرار کیا ہے یا انکے
اور دیگر ریاستوں کی نزاعات میں دخل دیکر تصفیہ کرا دینے کا وعدہ کیا ہے

ایسے معاملات میں ہمیں نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ شرائط معاہدہ کی پابندی کرنی چاہئے۔ اور کسی ایسے معاملہ میں ہدائتیں کرنے کی کچھ ضرورت نہیں ہے لیکن یہ بتا دینا غالباً مفید ہوگا کہ ایسے موقعوں پر معاہدوں اور صلح ناموں کے شرائط کی توضیح ان فرمانرواؤں اور رؤسا کا لحاظ رکھکر کرنی چاہئے جن کے ساتھ وہ معاہدے کئے گئے ہیں۔ اکثر متضاد تعلیم و عادات و خصائل کے باعث ایسے معاہدوں کی بابتہ ان کی اور ہماری تاویل میں بہت کچھ فرق ہو جاتا ہے مگر ان معاہدوں کے الفاظ کی پابندی میں ڈھیل ڈالنے یا شرائط معاہدہ سے گاہے ماہے روگردانی کرنے کی ہرگز اجازت نہ دینی چاہئے تاکہ اس کے خراب نتائج مرتب ہونے پائیں جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ معاہدہ کے منشا اور اقرار کی خلاف ورزی کرنے کا ارادہ نہیں ہے۔ اور جب معاہدہ کی کوئی دفعہ مبہم ہو تو اس کی توضیح کمزور فریق کی توقعات کے بموجب نہ کہ طاقتور فریق کے مفاد کے موافق کرنی چاہئے۔ اس قسم کے جو مسائل زیر بحث ہوں ان سب کا اعلیٰ حاکم کو فیصلہ کرنا چاہئے لیکن مقامی افسر کی رائے اور اطلاعات کا اس فیصلہ پر ہمیشہ زیادہ رنگ چڑھیگا۔

میرے نزدیک ایسا ہر ایک مسئلہ نہایت اہم ہے جس کا خفیف سا تعلق بھی ہماری دیانتداری کی شہرت سے ہے اور ہماری اصلی قوت یہی ہے جو ہندوستانیوں کے دل میں بے کم و کاست موجود ہے۔ ہم ان کے ساتھ جو معاہدے کریں ان کی ہر ایک دفعہ کو انہیں سمجھا دینے میں بڑی احتیاط کے ساتھ توجہ کرنی چاہئے کیونکہ ہندوستان میں ہماری عملداری (۲۸۱) کے اس سنگ بنیاد کو اگر خفیف سا بھی صدمہ پہونچے گا تو اس کی تلافی کسی مقامی یا مالی فائدہ سے ہرگز نہ ہو سکے گی۔

دولت راؤ سندھیا[۱] کی حکومت کے ساتھ ہمارے عام دوستانہ تعلقات ہیں

---

[۱] یہ مرہٹہ فرمانروا (جسکے خاندان اور ریاست کا مفصل حال سر لڈسٹ سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۱۱۶ میں درج ہے) یہی صرف ایسا واحد راجہ ہے جو سلطنت برطانیہ سے کسی قدر آزاد ہے لیکن اُسے بھی ہمارا اسقدر اعتماد ہے جسقدر کہ ان رؤسا کو ہو سکتا ہے جو اپنے معاہدوں کی رو سے ہماری سیادت میں ہیں

(اس صوبہ میں جس کی ریاست کا بڑا علاقہ ہمارے ماتحت رفیقوں کے علاقوں سے ملا ہوا ہے) اور خواہ واقعات نے اُسے حقیقتاً ہمارا ماتحت بنا دیا ہو مگر ہم (بجز ان معاہدوں کی پوری تعمیل کرنے کے جو ہم نے اُس کے ساتھ یا اس کے مامور کردہ افسروں یا اس کے باجگذار رؤسا کے ساتھ کئے ہیں) اس کی ریاست کے اندرونی نظم و نسق میں کسی قسم کی دست اندازی کرنے کے استحقاق کا ہرگز دعوےٰ نہیں کرسکتے ہیں۔ اور تاوقتیکہ کوئی ایسی شدید ضرورت لاحق نہ ہو جس سے ملک کے امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو یا ہمارا رزیڈنٹ متعینہ گوالیار[1] خاص طور پر درخواست کرے اُس وقت تک ہمیں مداخلت کا ہرگز ارادہ نہ کرنا چاہئے۔ لیکن ان شرائط کے باعث جن کے بموجب ہم مادھو راؤ سندھیا کے افسروں کے ساتھ نامہ و پیام اور دیگر کارروائی کرتے ہیں ہمارا نہایت مفید اقتدار دولت راؤ سندھیا اور اس کے افسروں پر قایم ہے جب یہ لوگ نیک خصلت ہوتے ہیں اور اپنی ریاست کی مرفہ الحالی اور رعایا کی فلاح کے خواستگار ہوتے ہیں تو ہم اپنے دوستانہ و شفقانہ برتاؤ سے اور ان کے، ہمارے رفیقوں کی رعایا کے مابین معمولی جھگڑوں کا تصفیہ کرکے اور دیگر دوستانہ کارروائیوں سے ان کی امداد اور حمایت کرسکتے ہیں جس سے ان کی ریاست کے نظم و نسق کی کامیابی کو ترقی حاصل ہو جائے اور اسی اصول پر عملدرآمد کرکے (بجز اس صورت کے کہ بدامنی کا اندیشہ ہو) ہم سندھیا کے ان ملازمان سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں اور ان سے کسی قسم کی مراسلت اور مخاطبت نہیں کرتے ہیں جو اپنی بدنظمی اور بددیانتی کے لئے مشہور رہیں۔ (۲۸۲)

ہمارے اس طرز عمل سے صاف طور پر معلوم ہو جائے گا کہ ہم ان کی کارروائیوں کی گندگی سے علیحدہ رہنا چاہتے ہیں اور اس سے ہماری مقامی شہرت میں اور اضافہ ہو جائے گا علاوہ بریں اس کی بدولت ایسے اشخاص کو اپنے یہاں ملازم رکھنا ریاست کے حق میں بھی تکلیف دہ اور بے سود ہوگا اور اس طرح

---

[1] گوالیار دولت راؤ سندھیا کا دارالحکومت ہے جس کے یہاں ہمارا رزیڈنٹ رہتا ہے۔

ریاست کے اندرونی انتظام کی اصلاح کا ایک وسیلہ ہمارے ہاتھ آجائے گا۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے کیونکہ ہماری قوت کا اسقدر زبردست اثر ہے کہ اگر کسی مقامی افسر کے ہم سے دوستانہ تعلقات ہیں اور ہماری رائے اُس کے متعلق اچھی ہے تو وہ اپنے افسران بالا کی مخالفت کی کچھ پروا نہیں کرتا ہے اور اگر ہم اس سے ناخوش ہیں تو پھر خاص اس کے ضلع اور گوالیار میں اس کے دشمن پیدا ہو جائیں گے۔

ہلکر[1]، دھار، اور دیواس کے درباروں اور دریائے چمبل کے مغرب کی تقریباً سب چھوٹی چھوٹی راجپوت ریاستوں کے ساتھ ہمارے تعلقات مختلف اقسام کے ہیں۔ یہ ریاستیں ہماری کوششوں کی بدولت خراب وخستہ حالت سے ترقی کر کے نہایت عمدہ حالت پر پہونچ گئی ہیں اور اگرچہ ابتداً ہم نے مجبوراً ہر ایک معاملہ کے تصفیہ میں ان کی امداد کی اور جب ان میں خود کام کرنے کی قوت پیدا ہو گئی تو ہم نے ان کے اندرونی انتظامات کے چھوٹے چھوٹے معاملات میں دست اندازی کرنے سے رفتہ رفتہ دست کشی اختیار کر لی اور اپنی اعانت کو صرف امن عامہ کو برقرار رکھنے کی ضرورت تک محدود کر دیا۔

(۲۸۳) مذکورۂ بالا والیان ریاست ساز وسا اور ان کے افسران (وزیر اعظم سے لیکر معمولی اہلکار تک) کے دل میں سلطنت برطانیہ کے زیر سایہ رہنے کی ایسی تمنا ہے کہ یہ بات اُن کے ذہن نشین کرنا تقریباً ناممکنات سے ہے کہ ہم اُن سے اس امر کے خواہاں اور متوقع ہیں کہ وہ اپنے اندرونی انتظامات خود مختاری کے ساتھ انجام دیں۔ اس بارے میں ہمارا جو اصول ہے انہیں اس کے سمجھنے اور اس پر بھروسہ کرنے میں اپنی خصلت اور معلومات کے باعث سخت دشواریاں پیش آتی ہیں۔ صرف امتداد زمانہ اور ہر ایک یورپین ملازم کی انتہائی نگہبانی ہی ان کے دل میں وہ اعتبار پیدا کر سکتی ہے جو ان میں حکومت کرنے کی

[1] ہلکر، دھار اور دیو داس کے مرہٹہ خاندانوں کا حال سرگذشت سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۱۴۲، ۷۰ و ۹۹ و ۱۱۲ میں درج ہے اور اسی کتاب کے صفحہ ۴۶۳ میں راجپوت رؤساء کے مفصل حالات مندرج ہیں۔

قابلیت پیدا کرنے کے لئے لازمی اور ضروری ہے۔

ہمیں اس مقصد کے حصول کے لئے نہایت استقلال کے ساتھ ان اصولوں پر عمل پیرا ہونا چاہئے جو ہم نے ان کے ذہن نشین کئے ہیں اور گراسیہ[1] بھیل وغیرہ لیٹروں کے معاملات کے علاوہ ہر قسم کی مداخلت سے احتراز کرنا چاہئے۔ ان لیٹروں کی حالت اور قوت اس قسم کی ہے کہ صرف سلطنت برطانیہ ہی ان کا انسداد کر سکتی ہے لیکن ان کے معاملات میں بھی ہم اپنی مداخلت کے حدود کو صراحت کے ساتھ بتا دیں تاکہ ان مواعید کی خلاف ورزی کرنے کا ہم پر گمان نہ ہونے پائے جو ہم نے کر لئے ہیں۔ چونکہ عام طور پر یہی خیال ہے اور اس کی تصدیق ہماری احتیاطی کارروائی سے ہوتی ہے اور مختلف ہندوستانی حکام میں قابلیت پیدا کرنے کی کامیابی کا انحصار اسی خیال پر ہے جس کی ضرورت ان کو اس قابل کرنے کے لئے ہے کہ وہ اپنے مقررہ فرائض کو باحسن وجوہ انجام دے سکیں۔

اصلاح شدہ راجپوت اور بھیل سرداروں جیسے معمولی فرمانرواؤں کے معاملات میں ہم کو زیادہ تفصیل کے ساتھ مداخلت کرنی چاہئے لیکن وہی اصول ہمیشہ مدنظر رہیں اور جب ہم اس بات کی نگرانی کرنا چاہتے ہیں کہ ان میں ڈکیتی کی عادت دوبارہ نہ پیدا ہونے پائے تو اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ یہ لوگ جو عرصۂ دراز تک یہ پیشے کرتے رہے ہیں ان کے پاس ایمانداری سے گذر اوقات کرنے کے وسائل موجود ہیں۔ ہم ان کے تعصبات اور احساسات کی قدر کریں اور ہمیں ہرگز مناسب نہیں کہ ہم ان کی اندرونی حکومت کے سیدھے سادے ڈھانچے کو ختم کر ڈالیں (تردہ یا بھیل پورہ کے مکھیا تک) بلکہ ہر ایک سردار کو اس کے قبیلے کے قدیم خیالات اور رواج کے مطابق اپنے (۲۸۴)

[1] گراسیہ وہ راجپوت سردار ہیں جو ان اضلاع کی پیداوار کا ایک حصہ جبریہ وصول کر کے اپنی بسر اوقات کرتے ہیں جہاں سے مرہٹہ فاتحین نے انہیں نکال دیا ہے۔ ان سرداروں کے مفصل حالات سرگذشت سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۵۰۸ اور جلد دوم صفحہ ۲۴۴ میں درج ہیں۔

ماتحتوں پر حکومت کرنے کی پوری آزادی دینی چاہیئے۔
چونکہ گراسیہ اور بھیل اس علاقے کے تقریباً جملہ والیان ریاست اور روٴساسے متنفر اور ناراض ہیں اور اپنے ان نام نہاد حکمرانوں کا انہیں مطلق اعتبار نہیں ہے اس لئے وہ ہم سے مداخلت کرنے کی بار بار درخواست کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اور خواہ ایک فریق کا کیرکٹر اور اس کی حالت کیسی اعلیٰ اور ارفع اور دوسرے فریق کی خواہ کیسی ہی خراب و خستہ کیوں نہو لیکن جب تک کہ ہم معاملے کی حالت پورے طور پر نہ سمجھ لیں یا ہم فریق سے براہ راست خط و کتابت نہ کرلیں اس وقت تک ہمیں کسی جابرانہ اور ظالمانہ کارروائی کی حمایت نہ کرنی چاہیئے ورنہ ہم سخت پریشانی میں مبتلا ہو جائینگے اور ناانصافی اور جور و ستم کا نادانستہ طور پر آلہ کار بن جائیں گے۔
اگر ایسے معاملات پیش آئیں گے جن کا نہایت گہرا تعلق ہماری نیک نیتی کی شہرت سے ہوگا جو مقررہ قوانین کی رو سے فیصل نہ ہو سکیں گے لیکن جب کبھی ایسے معاملات پیش آئیں تو ہمارے خیالات کا معیار نہایت بلند ہونا چاہیئے۔ اس عظیم الشان سلطنت میں ہماری حکومت کے اخلاقی پہلو کا انحصار اسی قسم کی باتوں پر ہے اور چونکہ ان ممالک میں ہماری حکومت اور اقتدار نیا ہے اور یہاں کے باشندے کسی ایسی توضیح اور تشریح کو نہیں سمجھ سکتے ہیں جو بین دلائل اور براہین پر مبنی نہ ہو اسی لئے اس معاملے میں بڑی توجہ درکار ہے۔ بہت سے ایسے بھی معاملات ہیں جن کا نابالغ یا نالائق والیان ریاست یا روٴسا کے وزرا سے خاص طور پر تو نہیں البتہ ہمارا ضمناً تعلق ہے۔ جن کی حکومت کو ہم نے تسلیم یا قایم کیا ہے اور اس لیے وہ ہماری اعانت و حمایت کے مستحق ہیں اگرچہ اپنی بدچلنی کی وجہ سے وہ ہماری امداد سے محروم ہو سکتے ہیں۔ بیشک ہمیں ایسی مداخلت میں بڑی احتیاط سے کام لینا چاہیئے جس کے نتیجے میں اس قسم کی ذمہ داریاں عائد ہوں۔ البتہ اگر ملک کے امن اور اس کی مرفہ الحالی کے لئے ضرورت لاحق ہو تو یہ ذمہ داریاں اپنے سر لینی چاہئیں لیکن نہایت استحکام کے ساتھ ان کی پابندی کرنی چاہیئے کیونکہ اس ملک کے باشندے جملہ

(۲۸۵)

سرکاری معاملات میں قوانین کے بجائے افراد کا زیادہ خیال کرتے ہیں اور اگر بدچلنی کے علاوہ کسی اور وجہ سے ہم کسی ایسے شخص کا ساتھ چھوڑ دیں گے جس کو ہم نے سر بلند کیا ہے یا جس کی ہم علانیہ حفاظت و حمایت کرتے ہیں تو معاہدہ کی کسی شرط کی خلاف ورزی کرنے سے کہیں زیادہ ان لوگوں کے جذبات برانگیختہ ہوں گے اور ہماری یہ حرکت مقامی طور پر تو اور بھی زیادہ مضرت ناک ثابت ہوگی کیونکہ اس سے ہماری نیک نیتی پر اعتماد ہونے کا عقیدہ کمزور ہو جائیگا جو ہماری قوت کی حقیقی بنیاد ہے۔

ہمیں مطمئن رہنا چاہیئے کہ جب ہم اس روش کو اختیار کر لیتے ہیں جو میں نے بیان کر دی ہے (اور یہی وہ روش ہے جس پر ہر ایک معاملے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ ہماری ساکھ قایم ہے) تو ہم اپنی اعلیٰ قوت کی بدولت ان ریاستوں اور فرقوں کو اپنے قابو میں کر لیتے ہیں جن کے فرماں رواؤں، افسروں اور سرداروں کو فوراً معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی نیک چلنی کے باعث ہماری اعانت و حمایت حاصل کر سکتے ہیں ورنہ بدچلنی کی صورت میں اس سے محروم رہیں گے ان معلومات اور ان وسائل سے جو اگرچہ نہایت محدود ہیں ہمیں ہرگز یہ امید نہیں ہے کہ وہ ہمیں ناخوش کرنے کی کوشش کریں گے کیونکہ جن شرائط سے وہ ہماری حمایت حاصل کر سکتے ہیں وہ نہایت نرم ہیں کیونکہ جس شخص میں ذرا سی عقل اور سمجھ ہے (جن اوصاف کی اہل ہند میں کچھ کمی نہیں ہے) اس سے یہ توقع نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ اس طور پر کام کرے گا۔ لیکن ہمیں اپنے سے یہ بات پوشیدہ نہ رکھنی چاہیئے کہ اس معاملے اور اسی قسم کے جملہ دیگر معاملات میں ان کا طرز عمل بالخصوص اس حالت کی عمدگی پر منحصر ہوگا جس میں وہ رکھے یا چھوڑے جائیں گے اور ہم جسقدر آسائش اور عزت انھیں دیں گے وہ اپنے متعلق اسی قدر ہماری اچھی رائے برقرار رکھنے کا لحاظ کریں گے اور ہمارے اعتماد کی قدر کریں گے۔ فی الحقیقت چھوٹی اور بڑی ریاستوں پر اپنی سیادت برقرار رکھنے کا انحصار ان کے وقار کی (۲۸۶) حمایت کی کامیابی پر ہے جو ہم نے ہندوستان کے اس علاقے میں قایم کر رکھا ہے۔ اپنے فرض کے اس نازک اور مشکل حصے کی ادائی کے وسائل کا انتخاب

ہمارے قبضۂ قدرت میں نہیں ہے اگرچہ نہایت معقول نگرانی کی جاتی ہے لیکن وہ نامعلوم ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ اعلیٰ قوت کے استعمال سے نہیں بلکہ اس کے اثر سے برآمد ہوتا ہے۔ ہمارا خاص مدعا یہ ہونا چاہئے کہ ہم ان حکام کی سربلندی کریں جن کے ہاتھ میں ہم نے ان کی ریاستوں کی زمام حکومت دیدی ہے ہم اور مداخلت کے جملہ معاملات میں ہم ان کی رعایا کے روبرو انہیں واجب الاحترام اور واجب الاطاعت ثابت کرکے دکھائیں اور ہمارا ایجنٹ اس موقعہ پر اپنے نام ونمود سے محترز رہے کیونکہ اُسے یہ کارروائی ایسے موقع پر کرنی چاہئے جہاں کہ اس کی ضرورت لاحق ہو یا جس سے اس کا تعلق ہو۔

جب ہم کسی حکمران یا رئیس کی حمایت اسکی رعایا کے مقابلہ میں کریں تو اُس رئیس کا نام علانیہ طور پر استعمال کرنا چاہئے اور ہمیں اس بات کی بڑی احتیاط کرنی چاہئے کہ ہمارے ہندوستانی ایجنٹ اور ملازمان اس رئیس کی حکومت کے ہر شعبہ کی پوری تعظیم وتکریم کریں اور مقامی حکام کی ناقدری کرنیکی عادت سے انہیں باز رکھا جائے جو ان میں عام طور پر پائی جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے آقا کے نام سے اس خاص عزت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں جو دراصل دیسی حکومت کے مقامی افسروں کے لئے ضروری ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کوئی ذی حیثیت اور ذی اختیار شخص ہماری سیادت کو صرف اس وقت تک گوارا کر سکتا ہے جبتک کہ وہ مذکورہ بالا اصولوں کے بموجب معمولی طور پر کام میں لائی جائے لیکن اگر مال گذاری کی وصول یابی، مقدمات کے تصفیہ نیز نالان فریق کی شکایات کے سننے میں مداخلت کی جائے گی اور ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر روک ٹوک ہو گی یا جب اعلیٰ حکومت کے نام سے اس کے ہندوستانی ملازمان کو دست اندازی کرنے کی اجازت دیجائے گی تو پھر کسی خود مختار حکمران یا رئیس کا ہمارے ماتحت رہنا نہ صرف نامناسب بلکہ نہایت خطرناک ہو گا۔ کیونکہ اس کے اعزا اور ملازمان اور وہ خود اپنی حالت کو مضحکہ انگیز اور ذلیل محسوس کریں گے اور ان جذبات کا کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور ہو گا کہ وہ اپنے نیک اور عظیم الشان منصوبوں سے دست کشی اختیار کرے گا۔

(۲۸۷)

کیونکہ جب اقتدار کی عظیم الشان اور فیاضانہ نوعیت جاتی رہتی ہے اور وہ تنگ صورت اختیار کرلیتا ہے تو ریاست کے نظم ونسق کی خوبیوں کے مستحق وہ شخص یا اس کے ملازمان ہوجاتے ہیں جو درحقیقت اس اقتدار سے کام لیتے ہیں اور نام نہاد فرمانروا یا اس کے افسران حکومت کے مشبتہ اور ناکارہ آلے متصور ہونے لگتے ہیں۔

میں نے ہندوستان کے اس حصے کے چھوٹے اور بڑے فرمانرواؤں کے معاملات میں دست اندازی کرنے کے تمہید میں زیادہ تر وہ سیاسی خیالات بیان کئے جن پر کہ یہ تمہید مبنی ہے۔ کیونکہ میری رائے میں اس مسئلہ کا یہ جزو اسقدر اہم ہے کہ ہر ایک ماتحت افسر اسے بخوبی سمجھ لے اور اس کا بغور مطالعہ کرلے کیونکہ اس کے فرائض کا کوئی پہلو اسقدر نازک اور دشوار نہیں ہے اور اسکی کامیابی اور ناکامی کا انحصار صرف اسکی ذاتی کوشش پر منحصر ہے۔ اُسے اپنی ذاتی شہرت میں اضافہ ہونے کی توقعات اور اپنی نیک نیتی سے اس مقررہ روش کو ترک کرنے کی ترغیب وتحریص پیدا ہوگی لیکن اسے ان عام اصولوں کی اہمیت معلوم ہوجانے پر نہایت استقلال کے ساتھ اس روش پر گامزن رہنا چاہیئے کیونکہ ان اصولوں ہی پر ہمارا موجودہ نظام حکومت قایم ہے۔ آپ کے فرض منصبی کے اس پہلو کی ادائی میں آپ کے طرز عمل اور میل جول کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے وہ آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کیونکہ مداخلت کے ہر ایک معاملے میں جن لوگوں سے آپ کو واسطہ پڑے گا وہ محض انصاف کردینے سے رضامند نہ ہوجائیں گے اور نہ ہماری حکومت کی وہ کچھ قدر کریں گے حالانکہ ہمارا فائدہ اسی میں ہے کہ وہ ہماری حکومت کی قدر کریں۔

دیسی حکمرانوں کو نیک چلنی کی ترغیب وتحریص دینی چاہیئے اور ہمارے ایجنٹ کو بھی کوشش کرنی چاہیئے کہ والیان ملک اپنے نظم ونسق پر نازاں ہوں اور اپنے اس مقصد کے حصول کے لیئے نہ صرف فرمان روا کو بلکہ ریاست کے عمائدین اور معززین کو اپنا طرفدار بنا لینا چاہیئے۔ ہمارے ایجنٹ کو اس بات سے آگاہ رہنا چاہیئے کہ ریاست کے عمائدین رائے عامہ سے مستغنی نہ ہونے پائیں (۲۸۸)

جو ان کی بد نظمی کی روک تھام اور ان کی خوش انتظامی کا صلہ دینے کے لئے لازمی اور ضروری ہے لیکن رائے عامہ کا احساس بالکل جاتا رہے گا جسوقت کہ رئیس اور رعایا کے تعلقات منقطع ہو جائیں گے یا انہیں کوئی خاص صدمہ پہونچے گا۔

جبکہ امن عامہ میں خلل واقع ہو جس کے کہ ہم مسلمہ حامل ہیں یا جب خونریزی اور ڈکیتی کے جرائم کا ارتکاب ہو اس وقت ہمیں مقامی حکام کو یہ صلاح دینے کا استحقاق حاصل ہو جائے گا (جن کو حتی المقدور ہم ایسے جرائم کی سرزنش اور انسداد کے لئے مدد دیتے ہیں) کہ اپنے یہاں کے دستور کے موافق رعایا کی جان و مال کی حفاظت کے لئے بہترین طریقہ اختیار کریں البتہ عدل اور انصاف کے معاملات میں دست اندازی کا ہمیں کوئی حق حاصل نہیں ہے لیکن ان کے فائدے اور اپنی ناموری کے لئے قدیم قوانین کی طرف توجہ دلانے کا کوئی موقعہ نہ چھوڑنا چاہئے اور خصوصاً پنچایتی عدالتوں کی جانب ضرور متوجہ کرنا چاہئے جس سے ناموری اور نفع دونوں باتیں حاصل ہوں گی یہ پنچایتی عدالتیں بدامنی اور غدر کے علاوہ ہر ایک زمانے میں برقرار رہی ہیں۔

مالوہ میں ستی[1] کا کچھ زیادہ رواج نہیں ہے اور دختر کشی کی رسم تو اس سے بھی کم ہے۔ اول الذکر یعنی ستی کی رسم اگرچہ نہایت وحشت انگیز ہے لیکن ہندوؤں کے ہر ایک فرقے میں اس کے حامی موجود ہیں۔ دختر کشی کا رواج صرف راجپوتوں میں ہے باقی سب لوگ اس سے سخت نفرت کرتے ہیں اور اکثر راجپوت رؤسا بھی دختر کشی کی رسم سے سخت تنفر ظاہر کرتے ہیں۔ اپنے ذاتی اثر سے کام لینے کے سوا آپ ان دونوں قبیح رسموں کے انسداد کے لئے کوئی دست اندازی نہیں کر سکتے ہیں اور اگر آپ اس سے زیادہ کوشش کرنے کا ارادہ

(۸۹

[1] ستی ایک ہندوانی اصطلاح ہے جس کے معنی ایک عورت کے اپنے مرحوم شوہر کی چتا پر بیٹھکر اوسکے ساتھ جل کر راکھ ہو جانے کے ہیں۔

کریں گے تو غلط فہمیاں پیدا کرنے کی مصیبت اپنے سر مول لیں گے اور آپ کا وہ مقصد فوت ہو جائے گا جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں قبیح رسموں کے انسداد کا بہترین علاج یہ ہے کہ جو لوگ ان سے احتراز کرتے ہیں ان کی تعریف کی جائے اور جو حضرات کہ ان پر عامل یا ان کے حامی ہیں انہیں منہ نہ لگایا جائے۔ میں نے تو یہی روش اختیار کی اور اس سے بہت کامیابی حاصل ہوئی۔

بیشک ہمیں بھی اس سے انکار نہیں کہ مداخلت کا جو طریقہ بتایا گیا ہے وہ نہایت دشوار ہے لیکن ہندوستان کی دیسی ریاستوں پر اقتدار قایم رکھنے کے متعلق آیندہ ہم جو طریقہ بھی اختیار کریں گے وہ مشکلات سے کبھی خالی نہ ہو گا۔ یہ مسئلہ اگرچہ نہایت مشکل اور پیچیدہ ہے لیکن اکثر لوگ اس مسئلے پر نظر ڈالتے ہی اس کو آسان بنانے اور سلجھانے کی خواہش سے دھوکے میں آجاتے ہیں ہمارے بہترین اور پرجوش جذبات کی تائید اخلاقی خیالات کرتے ہیں اور نئی تجاویز اختراع کرنے کا خیال ہمارے دل میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ہم اس جرم اور بدنظمی کا اپنے کو ساجھی تصور کرتے ہیں اور ہمارا یہ خیال ہوتا ہے کہ ہماری دست اندازی سے اس جرم کا انسداد یا ازالہ ہو جائے گا اور اپنی اس نیک نیتی کے جوش میں ہم اس بات کو بالکل فراموش کر دیتے ہیں کہ اکثر جزوی یا عارضی بھلائی کا انجام دائمی اور عام برائی ہوا کرتا ہے۔ کیونکہ جس تجویز پر ادا ہوا عمل ہوتا ہے وہ اصولاً خواہ کیسی ہی اچھی کیوں نہ ہو مگر عملاً وہ خراب ثابت ہوا کرتی ہے۔ ہم اپنی علمی فضیلت کے گھمنڈ میں دوسروں کی حالت بھول جاتے ہیں اور ہر شخص کے دل میں جوش مسرت یہ امنگ پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی ملازمت کے زمانے میں نصف صدی کا کام صرف چند سال میں انجام دے ڈالے۔ اس لئے بہت سی ایسی تجاویز پیش ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں جو اس قوم کی حالت سے اعلیٰ اور افضل ہوتی ہیں جس کے فائدہ کے لئے وہ پیش کیجاتی ہیں۔ جو ہونا تھا سو ہو گیا اب اسکا تذکرہ ہی فضول ہے لیکن مستقبل ہمارے اختیار میں ہے اور میں اس مسئلے کے اس جزو کو نہیں ختم کر سکتا ہوں جس کا تعلق

ہماری مداخلت سے ہے اور جس کے طرز استعمال سے وہاں پر براہ راست
ہماری حکومت کے قایم ہونے میں تقدیم و تاخیر واقع ہوگی۔ جبتک کہ میں
اپنے ماتحت افسران کو اس طرز عمل کے محفوظ رکھنے کی اہمیت نہ جتا دوں
(۲۹۰) کیونکہ اسی کی بدولت ملک کی دیسی ریاستوں کی ترقی اور فرماں رواؤں کی
اصلاح ہو سکتی ہے اس کا یہ بھی فرض ہے کہ دیسی فرماں رواؤں اور ان کی
رعایا کے مختلف فرق سے کیرکٹر کے لحاظ سے بغیر فرماں رواؤں کی شہرت کو
بٹہ لگائے ہوے اصلاحات کرنے کی ترغیب اور شوق دلایا کرے۔ میری
یہ رائے نہایت غور و خوض اور تجربہ کے بعد قایم ہوئی ہے کہ ہندوستان میں
ہماری سلطنت کو جو خطرے درپیش ہیں وہ ان خطرات کے مقابلہ میں بالکل
ہیچ ہیں جو اہل ہند کی حالت بدلنے کے لئے پرجوش کوشش کرنے سے رونما
ہو جائیں گے جن سے ہم ابھی تک پورے طور پر واقف نہیں ہیں اس سلسلے
میں جس شخص کے میرے سے خیالات ہیں وہ دھیمی اصلاح کا ضرور حامی
ہوگا میں تو اپنے اس عقیدہ کی بناء پر دھیمی اصلاح کا موید ہوں کہ اصلاح
و ترقی کی کوشش میں اگر ہم تعجیل کریں گے تو ان حضرات کو پیچھے لوٹنا
پڑے گا جو آگے بڑھنا چاہتے ہیں لیکن اس کے برعکس اگر تیز روی کی
بجائے ہم ہندوستان کی عظیم الشان رعایا کے ساتھ ساتھ چلیں گے
اور ان کے قوانین، مذہب اور رسم و رواج کو ملحوظ خاطر رکھیں گے تو
ہم رفتہ رفتہ انھیں سوچنے اور کام کرنے کے بہتر طریقے سکھا دیں گے
بیشک اس روش میں بہت وقت صرف ہوگا لیکن تیز گامی سے منزل
مقصود تک پہونچنے میں تاخیر ہو جائے گی۔

ہندوستانی ملازمان کو سرکاری عہدوں پر مامور کرنے اور ان کا
انتخاب کرنے کے متعلق چند اور مسائل بھی توجہ طلب ہیں ان میں سے
اعلی اہلکار مثلاً منشی، متصدی اور عرائض نویس ایسے اشخاص ہوں جو اپنے
فرقہ میں باوضع، ذہین اور نیک چلن سمجھے جاتے ہیں۔ کسی افسر پر ایک
ایسے شخص کو اپنے یہاں ملازم رکھنے سے کوئی اعتراض نہ ہونا چاہئے جسے

وہ کسی دوسرے صوبہ سے اپنے ہمراہ لایا ہے اور جس کی وفاداری اور قابلیت پر
اسے پورا اطمینان ہے لیکن عموماً یہی مناسب ہے کہ وہ افسر جس شہر میں مامور
ہو وہ اسی شہر کے شرفا یا قدیم باشندوں کو اپنے یہاں نوکر رکھے۔ ممکن ہے کہ (۲۹۱)
ان لوگوں کے خصائل پسندیدہ نہ ہوں اور ان میں اطاعت کا مادہ بھی کم ہو
لیکن نگرانی اور اصلاح سے ان کے خصائل درست ہو جائیں گے اور عنایت
و نوازش سے وہ بہت جلد مطیع اور فرماں بردار بن جائیں گے۔ پردیسیوں کی
بجائے ان کو ملازم رکھنے میں بہت سی منفعتیں ہیں از ان جملہ خاص خاص
یہ ہیں کہ وہ اپنے ملک کے معمولی حقوق سے واقف ہیں اور اپنی قوم کے
مختلف فرقوں کے تعصبات اور آپس کے رشک و حسد سے بخوبی آگاہ ہیں۔
اعلیٰ افسر کو ان سب امور کے متعلق مفصل اطلاع دینی چاہئے اور اگر وہ ایسے
آدمی اپنے یہاں ملازم رکھے گا جو بذات خود اس کے حلقہ حکومت کی رعایا
کی حالت اور ان کے مزاج سے بذات خود واقف نہیں ہیں تو ان معاملات
کے متعلق اس کی معلومات کے ذرائع مختلف ہوں گے جو ایک قسم کی فاش
غلطی ہے۔ علاوہ بریں دوسرے صوبہ کے باشندوں کو ملازمت دینا ہمیشہ بدنامی
کا موجب ہوتا ہے اور جس علاقے میں وہ نوکر رکھے جاتے ہیں وہاں کے
مقتدر صاحبان انھیں ہمیشہ شک اور نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اس وجہ
سے ان ملازمان کے دل میں ایک ایسا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جس کے باعث
وہ وہاں کے باشندوں سے بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں اور پھر وہ بداطوار
اور شوریدہ سروں سے دوستی گانٹھتے ہیں اور انھیں اپنی مطلب براری کا
آلہ بناتے ہیں۔ اب یہ بیان کرنا دشوار ہے کہ ان میں سے کس درجہ کا بدترین
نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ کیونکہ ایک وجہ سے تو اگر نفرت نہیں تو غرور ضرور
آجاتا ہے اور دوسری سے سازش کرانے اور جوڑ توڑ ملانے کا مادہ پیدا ہو جاتا
ہے اور ان دونوں وجوہ سے ان کے آقا کی مقامی شہرت کو نقصان پہونچتا
ہے۔ میں بیان کر چکا ہوں کہ جو ہندوستانی ہماری حکومت کے اصولوں سے
بہت کم واقفیت رکھتے ہیں وہ بھی انگریز افسر کی تعظیم و تکریم اور اس کا اعتبار کرتے ہیں

حالانکہ وہ اپنے ہی فرقہ کے آدمیوں کی توقیر اور اعتبار نہیں کرتے ہیں لیکن اگر اس افسر کے یہاں پردیسی نوکر ہیں اور ان میں کسی قسم کی آوارگی موجود ہے تو اس سے وہ اس افسر کے مزاج اور چال چلن کے متعلق بھی بہت بری رائے قایم کر لیتے ہیں اور اس کے برعکس اگر اس افسر کے یہاں اُن کے ہم قوم ملازم ہیں تو ان کے قصور اور جرایم کے ظاہر ہونے پر ان کی قوم بدنام ہوتی ہے مگر اس کا ایک مفید اثر یہ ہوتا ہے کہ ان کی نظر میں انگریزوں کی وقعت کم ہونے کی بجائے اور بڑھ جاتی ہے۔ ان عام دلائل میں اور ایسے بہت سے وجوہ شامل کئے جا سکتے ہیں جو وسط ہند کی خاص حالت سے متعلق ہیں اس علاقے کے باشندوں نے دکن[۱] اور ہندوستان[۲] کے ہندو اور مسلمانوں کے ہاتھ سے بڑے ظلم اٹھائے ہیں اس لئے وہ فطرتاً ان لوگوں سے بہت ڈرتے ہیں علاوہ بریں یہاں کے بہت سے شریف خاندان نہایت افلاس کی حالت میں مبتلا ہیں اس لئے بھی ایک معقول وجہ ہو سکتی ہے کہ پردیسیوں کے مقابلے میں ہم ان لوگوں کو ترجیح دیں اور سرکاری ملازمت دیکر ان کی تھوڑی بہت امداد کر دیں۔

(۲۹۲)

مذکورۂ بالا خیالات سے ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ جو ہندوستانی یا دکنی خاندان مالوہ میں سکونت گزیں ہو گئے یا کئی پشت سے یہاں آباد ہیں انھیں خارج کر دیا جائے کیونکہ اس دلیل کی رو سے اس صوبہ کے بعض نہایت قابل اور معزز اشخاص ہماری ملازمت سے علیحدہ ہو جائیں گے اس سے قبل یہ بیان کر دیا گیا ہے کہ ہماری کارروائیوں کی اشاعت نہایت ضروری بات ہے

---

[۱] دکن جنوب کو کہتے ہیں اور ہندوستان کے جنوبی حصے دکن کہلاتے ہیں مگر اب محدود معنی میں حضور نظام یا والئے حیدرآباد کی مملکت محروسہ یا ان پہاڑی مقامات کو دکن کہتے ہیں جو بیشتر پیشوا یا سلطنت پونا کے حکمراں کے قبضہ میں تھے۔

[۲] مقامی اور مخصوص معنی میں ہندوستان اس صوبہ کا نام ہے جس میں ہندوستان کے غربی حصے لکھنو سے لیکر پنجاب تک اور راجپوتانہ سے لیکر ہمالیہ پہاڑ تک داخل ہیں۔

کیونکہ اس کی اشاعت سے ہماری خائف اور پریشان رعایا اور اس کے علاوہ ان کے فرماں روا اور سردار ہم سے مطمئن ہو جاتے ہیں۔ موزوں ملازمان کے انتخاب سے اس مقصد کو بہت کچھ ترقی دی جا سکتی ہے۔

دربار ہلکر کے متعلق میں جو کارروائی کرنی چاہتا تھا اس کے متعلق ابتدا میں ہلکر کے وزرا خائف نہ سہی مگر بیحد مضطرب ضرور تھے اور ان کے اضطراب کو رفع کرنے کے لئے میں نے ایک ہوشیار برہمن کو اپنا منشی بنا لیا جس کا سارا خاندان ہلکر کے یہاں ملازم تھا اور اس کے تعلقات کی وجہ سے مجھے معلوم ہو گیا کہ اس ریاست کا جو فرض اس کے ذمہ ہے اس کے علاوہ اس منشی کے کچھ ذاتی اغراض نہیں ہیں میں نے عمداً اس منشی سے کوئی بات پوشیدہ نہیں کی اور اب مجھے تانتیا[1] جوگ وغیرہ کے مطمئن ہو جانے کی اہمیت معلوم تھی کہ وہ جان لیں گے کہ یہ معاملہ ہے۔ اس کارروائی سے ان کے دل بالکل مطمئن ہو گئے اور میں اس واقعے کو اس لئے بیان کئے دیتا ہوں کہ روزمرہ کے معاملات میں اس مثال سے مدد ملے گی۔ (۲۹۳)

اگر شریف ہندوستانیوں کو سرکاری ملازمت دیجائے تو حتی الامکان ان کے ذمے جداگانہ فرائض قرار دئے جائیں اور اس بات کی سخت نگرانی کیجائے کہ (تاوقتیکہ ہدایت نہ کی جائے) وہ ایک دوسرے کے کام میں دخل نہ دیں اور نہ دوسروں کی رہبری کریں۔ ان لوگوں کو ان کی مقررہ جگہ پر رکھنا سخت دشوار ہے کیونکہ ہندوستانیوں کے عادات و خصائل ان قواعد کے بالکل برعکس ہیں مگر یہ نہایت ضروری بات ہے کیونکہ مختلف فرائض کی گڑبڑ سے اگر کچھ نقصان نہ بھی ہو تو کام میں بہت سی غلطیاں ضرور واقع ہوں گی اور اس کی وجہ سے وہ افتخار جاتا رہے گا جو نیک آدمی اپنے معتبر ہونے کی وجہ سے محسوس کرتے ہیں اور جس کے باعث خراب لوگ اس ذمہ داری سے علیحدہ ہو جاتے ہیں جس سے ان کے کام کی خاص طور پر نگرانی ہوتی ہے۔

[1] تانتیا جوگ ملہر راؤ نابالغ ہلکر کا وزیر تھا۔

ادنیٰ اقوام کو نوکر رکھنے کا مسئلہ نہایت غور طلب ہے ان کا انتخاب بھی انھیں اصول پر کیا جائے جو ہم نے بیان کر دئے ہیں اور ان کے متعلقہ کام انہیں مشرح طور پر بتا دئے جائیں اور ان کے چال چلن کی سخت نگرانی کیجائے ان کی ملازمت کی نوعیت کی جسقدر بھی اشاعت کیجائے گی اسی قدر وہ سود مند ثابت ہوگی اور جملہ مقامی حکام سے درخواست کیجاتی ہے کہ وہ ظلم اور ناانصافی کے ان بے ضابطہ اور بیہودہ حرکات کے انسداد میں ہماری مدد کریں جنکا ارتکاب اس مظلوم فرقہ پر کرنے کے لئے انھیں باوجود ہماری سخت کوشش کے موقعہ مل جاتا ہے۔

میں اپنے پورے تجربہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگرچہ ہندوستانی لوگ ہماری نیک نیتی اور ہماری حکومت کے قوانین کی خوبی کے قائل ہیں اور وہ ہمارے نظم ونسق کے اس حصے کے متعلق اپنے خیالات کو ہرگز پوشیدہ نہیں کرتے ہیں جب ہیں کہ ان کی قوم کے بدترین افراد ملازم ہیں۔ فی الحقیقت وہ ایک ایسے شخص کو نہایت تنفر اور خفگی کی نظر سے دیکھتے ہیں جو ان کی جماعت میں نہایت ذلیل اور رذیل تھا اور اب ترقی پاکر وہ اعلیٰ رتبہ پر پہونچ گیا ہے اور اس کے سینہ سے سرکاری تمغے اور سول یا سیاسی افسر کے اعزازی نشانات آویزاں ہیں اور اس قسم کا اعزاز ملتے ہی کمینہ شخص ان اصحاب کی شان میں بڑی گستاخیاں کرنے لگتا ہے جن کے یہاں وہ یا اس کے خاندان والے سالہا سال سے ملازم رہے تھے یا پھر یہ شخص ان لوگوں سے استحصال بالجبر کرکے روپیہ وصول کرتا ہے جن کے درمیان اس نے ایک ادنی آدمی کی طرح بیشتر زندگی بسر کی تھی۔

اس طبقے کے ملازمان کی قوت سے ہماری شہرت کو ہر جگہ سخت نقصان پہونچتا ہے اور بالخصوص ایسے مقامات پر ہماری اور بھی زیادہ بدنامی ہوتی ہے جہاں کے باشندے ہمارے اصلی کیرکٹر سے ناواقف ہیں اور ہماری حکومت سے بہت زیادہ خائف ہوتے ہیں۔

ان ملازمان نے مالوہ میں جو شرارت کی ہے یا جس شرارت کے کرنیکی

(۹۴)

کوشش کی ہے۔ میں اپنے ذاتی علم کی بنا پر بیان کرسکتا ہوں۔ اور میں نے اعلانات شائع کرکے اور ان لوگوں کو بڑے بڑے انعامات دیکر جنھوں نے میرے ملازمان کو شہر میں کچھ دست درازی کرتے ہوئے یا خطوط پہونچانے کے علاوہ کچھ اور کرتے ہوئے گرفتار کیا یا مجھے اس کی اطلاع دی، ان کے جور و ستم کارروائی کا قلع قمع کرنے کے لئے مسلسل توجہ کے ساتھ کوشش کی ہے۔ میں نے تنگ آکر ان تین سال کے دوران میں اپنے ایک منشی اور دو متصدیوں اور تین جمعداروں[1] اور پچاس ہرکاروں[2] کو سزائیں دیں اور برخاست کردیا اور تقریباً اسی قدر دیگر سرکاری ملازموں کو میں نے گرفتار کیا، سزائیں دیں یا شہر بدر کردیا۔

(٢٩٥) ان مثالوں سے معلوم ہوگا کہ اپنے آرام کی خاطر یا اپنے مقاصد کی تکمیل میں سہولت پیدا ہونے کی غرض سے اگر ہم ایسے لوگوں کو ملازم رکھیں گے اور ان کی باگ ڈھیلی کردیں گے تو ہمارے لئے کیسا خطرہ پیدا ہو جائے گا ہندوستان کی ماتحت ریاستوں کو اپنا کام خود انجام دینے اور حتی الامکان معمولی کاموں کے لئے ہماری طرف منہ جھکنے کی ترغیب دینے کی اہمیت کو ہم پیشتر بیان کرچکے ہیں اور جب تک ہم اس قسم کی دست اندازی سے گریز کرتے رہیں گے جو ریاست کو کمزور اور پریشان کرتی ہے اور اسکے خراب نتائج کی کچھ تلافی ہوتی ہے اس وقت تک ہماری ماتحت ریاست میں جسقدر عمدہ کارروائیاں ہوں گی ان سے اور احمقانہ و غیر منصفانہ حرکتوں سے بھی ہماری ناموری کو فائدہ پہونچے گا۔ لیکن اس معاملے میں کوتاہ اندیشی سے کام لینے سے آخر الذکر نصف فائدہ ضائع ہو جائے گا اور اپنے ہندوستانی ملازمان کی خدمات دیسی ریاست کو مستعار دینا سخت مضرت ناک ثابت ہوگا

---

[1] ہرکاروں کے افسر یا صدر ہرکارہ کو جمعدار کہتے ہیں۔

[2] ہرکارہ کے لغوی معنی "ہر ایک کام کرنے والا" کے ہیں لیکن اس کے اصطلاحی معنی اس قاصد کے ہیں جس کی ایک خاص قسم کی وردی ہوتی ہے اس کے ہاتھ میں ایک برچھا ہوتا ہے اور ایک نشان لگا ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں شخص کا ملازم ہے۔

کسی عنوان سے بھی دیسی ریاستوں کے معاملات میں ہندوستانی اعلیٰ عہدداروں کا
داخل کرنا اس اصول کے بالکل منافی ہوگا جو ہم نے اس بارے میں قائم کیا
ہے اور اپنے یہاں کے اونی ہندوستانی ملازمان کو اگر ان ریاستوں کے
حکمراں۔ وزرا یا حکام کی امداد پر مامور کیا جائے تو اس سے ہماری شہرت کو
اور بھی زیادہ نقصان پہونچے گا۔ کیونکہ جب انھیں ایسی ترغیبات حاصل ہونگی
تو اعلیٰ عہدہ داروں میں سے تو بہت سے نیک اور مستقل مزاج لوگ
مل سکیں گے جس کی دیگر ملازمان میں سے دستیاب ہونے کی توقع نہیں ہوسکتی
ہے۔ ان ملازمان سے اگر ظلم وستم کے نہیں تو سختی اور زیادتی کے کام ضرور
لیے جائیں گے اور ریاست کے جو حکام ان سے یہ کام لیں گے ان میں اسقدر
عیاری ضرور موجود ہے کہ ان ملازموں نے جو کارروائیاں کی ہوں گی انکے
مکروہ ہونے کا سارا الزام انگریزی حکومت کے سر تھوپ دیں گے۔ لیکن
عموماً افراد یا اقوام کو اپنے مطالبات کی تعمیل کے لئے ڈرانے دھمکانے کی
خواہش انگریزی امداد کے نام ہی سے محدود ہو کر رہ جائے گی۔ وہ بخوبی آگاہ
ہوں گے کہ جو ہر کارہ یا ملازم ان کی مدد کے واسطے بھیجا گیا ہے گویا وہ
ان کی کارروائیوں کی نگرانی کرتا ہے اور اس وجہ سے وہ اسے رشوت (۲۹۶)
دینے پر آمادہ ہوں گے اور اگر وہ ظلم وستم کا آلہ بننا گوارہ نہ کرے گا تو اسکی
وجہ صرف یہ ہوگی کہ اسے اپنے آقا کے یہاں سے معقول مشاہرہ ملتا ہے
جس نے اسے ریاست میں جور وستم کرنے کے لئے بھیجا ہے دیسی ریاستوں
میں ایسے لوگوں کو مامور کرنے سے خراب نتائج پیدا ہونے کی ہم نے بہت
مثالیں دیکھی ہیں اس لئے میں عرصہ زائد از تین سال سے ہندوستانی
فرماں رواؤں کو اس قسم کی امداد دینے سے قطعی انکار کر دیتا ہوں اور میں اپنے
ماتحتوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی نصیحت کرتا ہوں اس قسم کی جملہ درخواستوں کا
بہترین جواب یہ ہے کہ اس کی تعمیل اس نظام کے منافی ہے جس کے ہم
پیرو ہیں اور اس قسم کی امداد دینے کے رواج میں اگرچہ آسانی ہوگی اور بعض
صورتوں میں یہ امداد ہمارے بعض مقاصد کی تکمیل میں معاون ثابت ہوگی

لیکن بالآخر اس سے بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی اور اس سے انگریزی حکومت
کی ناموری کو بٹہ لگ جائے گا جس کی نیک نامی ادنیٰ ملازموں اور کم ظرف
نائبوں کے سپرد نہیں کی جا سکتی ہے جو انگریزی افسروں کی سخت نگرانی سے
باہر کام کرتے ہیں۔ ہم مداخلت کے عنوان میں مفصل بیان کر چکے ہیں کہ
جب امن عامہ خطرے میں ہو اس وقت ہمیں کیا کارروائی کرنے کا استحقاق
حاصل ہے۔ لیکن اس استحقاق کے استعمال کے طریقے کے متعلق بالخصوص ایسے
معاملات کی بابتہ جو پولس اور فوجداری کے مقدمات سے علاقہ رکھتے ہیں
چند الفاظ عرض کر دینا سود مند ثابت ہوگا۔ ایسے ممالک میں جن کی حالت
وسط ہند جیسی ہے امن عامہ میں خلل ڈالنے والے نہایت زبردست
اور بہت معمولی لوگوں کے درمیان ایک تعلق قایم ہو گیا ہے اس لئے
آخر الذکر کی ہر ایک حرکت کی ہمیں نہایت احتیاط سے نگرانی کرنی چاہیئے
تاکہ ان کی غدارانہ اور باغیانہ اسپرٹ عود نہ کرنے پائے البتہ معمولی معاملات
میں ہم مقامی حکام کو مناسب کارروائی کرنے کا اختیار دیدیں گے۔ لیکن
جب ہم سے امداد طلب کی جائے اور جب ہمارے ماتحت کام کرنیوالی
فوجیں یا اشخاص قصوروار معلوم ہوں تو یہ لوگ ان والئے ملک یا رئیس کے
حوالہ کر دئے جائیں جن کی عملداری میں جرائم کا ارتکاب ہوا ہے۔ وہی انکی
جانچ کریں گے اور اپنے یہاں کے دستور کے موافق انھیں سزا دیں گے (۲۹۷)
میں نے مالوہ کی دیسی ریاستوں کے نظم و نسق میں اپنی مداخلت کو صرف
دو امور تک محدود رکھا ہے اول یہ ہے کہ چوری اور ڈکیتی کے مقدمات
میں اور خاص کر سرقہ مویشی کے معاملہ میں (بھیل وغیرہ زیادہ تر مویشی چراتے
ہیں) جب مال مسروقہ کا ثبوت ہو جائے تو وہ اس کے مالک کو واپس
دیدیا جائے اور اصلی یا فرضی فروخت کے ذریعہ سے مال مسروقہ جن ہاتھوں
سے گزرا ہے انھیں چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ اپنے جھگڑے اور الزامات کو رواج
کے مطابق خود طے کر لیں اور اپنا روپیہ واپس لے لیں۔
یہ کارروائی اب عام طور پر کیجاتی ہے اور دیگر جملہ تدابیر کے مقابلے میں

گذشتہ دو سال کے دوران میں بھیلوں وغیرہ کی ڈاکہ زنی کا خاتمہ کرنے میں بہت زیادہ کام دیا ہے۔

دوسرے یہ کہ میں نے مالوہ کی دیسی ریاستوں میں مقدمات فیصل کرنیکی کارروائی میں یہ تبدیلی پیدا کر دی ہے کہ قتل عمد کے مقدمات میں خونبہا دلانیکے رواج کو منسوخ کر دیا جائے اور اس قسم کے مقدمات میں اگر بمجبوری ہمیں دست اندازی کرنی پڑے تو جب تک کہ جرم پورے طور پر ثابت نہ ہو جائے ملزم کو پھانسی کی سزا نہ دیجائے۔ اس قاعدہ کی پابندی ایسے مقدمات میں زیادہ ضروری ہے جبکہ ملزم ڈکیتی پیشہ قوم کے مثلاً بھیل یا باگڑیہ[1] ہوں۔ کیونکہ ہندوستانی فرماں روا یا رئیس الزام عائد ہوتے ہی پھر انھیں سزا دینا ضروری سمجھے گا لیکن ان لوگوں کے بارے میں ہمیں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینے کی ضرورت ہے تاکہ جو اثر ہم ان لوگوں پر ڈالنا چاہتے ہیں وہ کسی عنوان سے جور و ظلم کی حمایت کرنے کیسے ہم ضائع نہ کر دیں۔

ایسے سب معاملات میں جبکہ مقامی قوت کافی ہو تو مناسب یہی ہے کہ اسی سے کام لیا جائے تاکہ اندرونی امن کے برقرار رکھنے میں وہ ہماری دست نگر نہ رہے۔ ایسے مقامات میں اس پر عمل ہونا نہایت مناسب ہے جہاں پر کہ سنگین جرائم کا ارتکاب ہوتا ہے جن کے حقیقی یا فرضی وجوہ باطل پرستی کے یا مذہبی جذبات ہوتے ہیں ایسے معاملات میں بجز اس صورت کے جبکہ ان میں سیاسی اغراض بھی شامل ہوں یا کسی فوری خطرہ کا اندیشہ ہو ہمیں اس دیسی حکومت سے یہ مطالبہ کرنا چاہئے کہ سلطنت برطانیہ کے اطاعت کیش ہونے کی حیثیت سے آپکا یہ فرض منصبی ہے کہ جملہ باغیوں کی سرکوبی کریں۔ بالخصوص جب پرتاب گڈھ[2] والوں جیسے مذہبی دیوانے اپنی ظالمانہ حرکتوں میں

---

[1] باگڑیہ بھی ڈکیتی پیشہ لوگ ہیں۔ سرگذشت سنٹرل انڈیا جلد دوم صفحہ ۱۸۲ ۔

[2] پرتاب گڈھ ایک شہر کا نام ہے جو ایک چھوٹے راجہ کا مستقر ہے یہاں پر ایک عورت اپنے کو کسی دیوتا کا اوتار بتاتی تھی اس کی ہدایت پر یہاں کے مذہبی دیوانوں نے کئی قتل

ہماری حکومت کے خلاف مخاصمانہ جذبات ظاہر کریں۔

سنٹرل انڈیا کی حقیقی حالت اس کی مقتضی ہے کہ مذکورۂ بالا کوششیں عمل میں لائی جائیں (خواہ وہ کیسی ہی حقیر معلوم ہوں) لیکن ان پر نہایت احتیاط کے ساتھ عملدرآمد کرنا چاہئے ہمیں اپنا یہ خاص اصول قرار دینا چاہئے کہ حتی الامکان ہم دست اندازی سے گریز کریں اور جب ہم مداخلت کرنے کیلئے بالکل مجبور ہو جائیں تو اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم خود مدعی بنکر نمودار نہ ہوں بلکہ وہاں کی مقامی حکومت کے معاون سمجھے جائیں کیونکہ جو اسپرٹ اس قسم کے مظالم کا خطرہ پیدا کرتی ہے خواہ وہ ظالمانہ حرکتیں کسی سازش کے باعث ہوں یا مذہبی جنون کی وجہ سے کی گئی ہوں تو ان کی مخالفت کرنے سے ان مظالم کو اور تقویت پہونچے گی اور اگر ہم کوئی سخت کارروائی کریں گے تو اس کا بہت خراب اثر وہاں کی جاہل اور متعصب رعایا پر پڑے گا خواہ ان جرائم اور مظالم کے باعث سخت کارروائی کرنا مناسب ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ وہ رعایا اگرچہ ہماری عام حکومت اور اقتدار کو تسلیم کرتی ہے لیکن نہایت آسانی کے ساتھ اسے خائف کر کے اشتعال دلایا جا سکتا ہے کہ ہماری کامیابی کا آخرکار یہ انجام ہوگا کہ ہم ان کے آباو اجداد کا مذہب اور رواجی قوانین تبدیل کر دیں گے اور اس صورت میں جبکہ باغی اور ڈاکو لوگ ایسی بڑی تعداد میں مجتمع ہو جائیں کہ ان کو مغلوب کرنے کے لئے انگریزی فوج کی ضرورت لاحق ہو (اگر فوری ضرورت آپ کو اعلیٰ حاکم سے درخواست کرنے سے باز رکھے) تو آپ اپنے قریب کے کمان افسر سے درخواست کریں جو فوجی امداد بھیج سکتا ہے۔ (۲۹۹)

ایسے مطالبات کے قواعد مشتہر کر دئے گئے ہیں۔ پولٹیکل ایجنٹ

بقیہ صفحہ گذشتہ۔ کرڈالے اور جب ان جرائم کا ارتکاب ہو رہا تھا اس عورت نے اپنے باطل پرست چیلوں کو ایک آئینہ دکھایا جس میں راجپوتوں کی فتح اور انگریزوں کی شکست کی تصویر نظر آتی تھی۔

مفصل طور پر اطلاع دے گا کہ فوج کو کیا خدمات انجام دینی ہوں گی اس شہر یا غنیم اور اس کے وسائل کی کیا کیفیت ہے اور پھر فوج کی تعداد اور ساز و سامان کا تعین اور انتخاب فوجی افسر کے ذمہ ہوگا جو فراہم کرکے پولیٹیکل ایجنٹ کے سپرد کیا جائے گا۔ لیکن پولیٹیکل ایجنٹ اور فوجی افسر دونوں کو یہ بات بخوبی ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ جن وسائل سے کام لینا ہے وہ پیش نظر مقصد کی تکمیل کی ضرورت سے زیادہ ہوں کیونکہ کسی معرکہ میں ناکامی یا شکست نصیب ہونے کے نتائج بہت برے ہوں گے۔ گزشتہ تین سال کے دوران میں نہایت تن دہی کے ساتھ آپ کے ذہن نشین کر دیا گیا ہے کہ آپکا اولین فرض یہ ہے کہ ہر ایک انسدادی کارروائی میں حتی المقدور فوجی قوت سے کام لینے کی ضرورت سے اجتناب کیا جائے اور اس کا بار بار اعادہ کرنا محض فضول ہے کیونکہ ہر ایک معاملہ میں اسوقت تک صرف فوج کی موجودگی ہی حصول مقصد کے واسطے کافی ثابت ہوئی ہے اور معدودے چند مواقع پر جب فوجی قوت سے کام لینا پڑا تو فتح مندی حاصل ہونے کے بعد فوراً ہی مصالحت ہو گئی۔ اور اگر اس کے خلاف عملدرآمد ہوگا اور اپنی قوت کی حسب ضرورت نمایش کرنے کے علاوہ اگر ان وحشی لوگوں کا انتقام کے طور پر تعاقب کیا جائے گا جو امن عامہ میں رخنہ اندازی کرتے ہیں تو وہ لوگ اپنی عادت نہ چھوڑیں گے اور علاوہ ان میں ناراضی اور مایوسی کے جذبات اور پیدا ہو جائیں گے۔ جب ایسے لوگوں سے ہمیں جنگ کرنی پڑے تو اس بات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے کہ ان میں سے جو لوگ ہمارے قابو میں آجائیں انھیں ہم ہلکی سزا دیں۔ یہ لوگ جرائم کے ارتکاب کا آلہ ہوتے ہیں اور وہ اپنے سرداروں کے احکام کی تعمیل ہمارے فوجی سپاہی کی طرح کرتے ہیں اور یہ توقع محض فضول ہے کہ عبرت ناک سزا دینے سے ان لوگوں کی عادت بدل جائے گی کیونکہ یہ تو ایسی ہی حرکت ہوگی کہ کسی قوم کی اسپرٹ کو مغلوب کرنے کے لئے ہم ہر ایک سپاہی کو قتل کر ڈالیں جو میدان جنگ میں ہمارے مقابلہ پہ آیا ہو۔

اس مزید خطرہ میں مبتلا ہونے سے ان لوگوں کے دل میں اپنے سرداروں کی اطاعت کا جذبہ اور قوی ہو جائے گا اور ہمارے اس سلوک کو ناانصافی اور بیرحمی تصور کرکے ان میں انتقام کا جذبہ اور پیدا ہو جائے گا۔ اس لئے حکومت برطانیہ کے جملہ ایجنٹوں کا یہ فرض منصبی ہے کہ ان اقوام کے نظم کو تبدیل کرنے کے لئے کوشش کریں اور بے اصول وجود مختار ہندوستانی فرماں رواؤں کا اتباع نہ کریں جو ان کے ساتھ فضول اور غیر مختتم لڑائیاں لڑتے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو ہرگز مجرم نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ یہ لوگ ان سرداروں کے صریح احکام کی تعمیل کرتے ہیں جن کی اطاعت وہ اور ان کے آبا و اجداد صدیوں سے کرتے چلے آئے ہیں۔ کوہ بندیاچل کے مشہور بھیل سردار نادر سنگھ[1] کے مقدمہ میں ان مجالس کے تعلقات کی طاقت اور نوعیت پورے طور پر معلوم ہو چکی ہے۔ اس کی سزایابی کی واجبیت پر کسی شخص نے اعتراض نہیں کیا ہے مگر ان لوگوں کی سزایابی ضرور ظالمانہ حرکت متصور ہوگی جنھوں نے اس کے احکام کی تعمیل میں وحشیانہ جرائم کا ارتکاب کیا جن کی پاداش میں وہ جلا وطن کر دیا گیا۔

امن قائم کرنے کا نہایت موثر طریقہ یہ ہے کہ آپ سب لوگوں کے ذہن نشین کر دیں (نہایت غریب اور وحشی لوگوں تک کے) کہ آپ کے زیر سایہ رہنے سے انھیں کیا فوائد میسر ہوتے ہیں جو لوگ کسی عنوان سے بھی انگریزوں کا نام استعمال کرتے ہیں مثلاً ہماری فوجیں ملازمان باربرداری اور وہ تاجر جنھیں تجارت کا اجازت نامہ دیا گیا ہے ان کے متعلق یہ اعلان کر دینے کی اشد ضرورت ہے کہ یہ لوگ کسی قسم کا جور و ستم نہیں کر سکتے ہیں مختلف صوبوں کی حکومتوں کو عرصۂ دراز سے یہ خرابی محسوس ہو گئی ہے اور انھوں نے اپنے سخت احکام اور اعلانات کے ذریعہ سے اس خرابی کے دفعیہ کی کوشش کی ہے۔

---

[1] ڈاکوؤں کے اس مشہور سردار کا مفصل حال سرگذشت سنٹرل انڈیا کی جلد اول صفحہ ۵۰۰ میں درج ہے۔

(۳۰۱) بیگاریوں[1] اور چھکڑوں[2] کے پکڑنے کی ممانعت کر دی گئی ہے لیکن سول اور پولٹیکل افسران کو ان احکام کی نہایت سختی کے ساتھ تعمیل کرانی چاہئے ورنہ یہ محض بے مصرف ثابت ہوں گے میرا خیال ہے کہ میرے ماتحتوں کو اپنے اس فریضہ کے متعلق کچھ عذر و اعتراض نہ ہوگا۔ چونکہ اس حکم کا تعلق رعایا کی عادت و مزاج اور ملک کی مرفہ الحالی سے ہے اسلئے وسط ہند کی موجودہ حالت میں اس امر کی اشد ضرورت ہے کہ حکام اپنے سرکاری کام کی سہولت کے لئے اس حکم کی خلاف ورزی نہ کریں کیونکہ اول الذکر جب نامناسب یا غیر دانشمندانہ نفس پروری کے لئے ملک پر کسی قسم کا بھروسہ کرنا ترک کر دینگے تو پھر وہ اسکی امداد سے مستغنی ہونا سیکھ جائیں گے اور سرکاری محکمے اپنی ضروریات کا خود انصرام کرنے سے اور بھی درست ہو جائیں گے اور جب رعایا کو اس امر کا اطمینان ہو جائے کہ کسی عہدہ دار یا اہلکار کی طاقت سے یہ بات باہر ہے کہ وہ اُن پر یا ان کے مویشیوں پر جبر و ظلم کرے تو انھیں یہ شوق پیدا ہو جائیگا کہ فوج اور مسافروں کی ضروریات کے لئے اپنے نفع کی خاطر فرید و سائل فراہم کریں جو ظالمانہ رواج کی رو سے اُن سے جبریہ حاصل کئے جاتے تھے اور میں نے سب لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ اس بارے میں ہماری عملداری میں ان پر اسقدر ظلم ہوتا ہے کہ خود ان کے یہاں کی بدترین حکومت میں بھی نہیں ہوتا ہے۔

غالباً ان ہدایتوں میں بہت سی باتیں فروگذاشت ہو گئی ہیں لیکن ان کو مکمل کرنیکے شوق میں کس قدر طوالت ہو گئی ہے میرا خاص مدعا یہ ہے کہ نہایت زور کے ساتھ وہ فوائد آپ کے ذہن نشین کر دوں جنکی توقع اپنی محکوم رعایا کیساتھ نوازش اور شفقت کے برتاؤ اور دوستانہ ربط ضبط سے ہو سکتی ہے کیونکہ ان عادات کے اختیار کرنے سے آپ کے دل میں ایسے خیالات پیدا ہوں گے اور آپ کو اس قسم کی معلومات حاصل ہو گی جس کی بدولت آپ ان اصولوں پر کاربند ہو سکیں گے جو آپ کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ آپ سے جو کام لیا جاتا ہے وہ کوئی آسان کام تو ہے نہیں۔ آپ کو اختیار تو حاصل ہے مگر اس سے شاذ و نادر ہی کام لیجئے۔ خرابیاں (۲) دیکھئے جنھیں آپ اپنے پندار میں درست کر سکتے ہیں یہ بیہودہ مذہبی تعصب کے جرائم نہ سمجھئے

---

[1] بیگاری ادنی قوم کے ہندوستانی ہیں جو مزدوری پیشہ ہیں۔
[2] چھکڑا ایک قسم کی گاڑی ہوتی ہے۔

خطاؤں اور بدنظمی کی مصیبتیں آپ کو دیکھنا ہوں گی مگر صبر و تحمل سے کام لیجئے تاکہ ان عظیم الشان فوائد کو نقصان نہ پہونچ جائے جو آپ کے محدود فرائض کے حلقے سے باہر ہیں اور مقامی فائدہ کی خاطر رسم و رواج میں فوری تغیر و تبدل کر کے آپ عام ترقیات کی دھیمی مگر یقینی رفتار میں کوئی پیچیدگی اور رکاوٹ نہ پیدا کر دیں۔ آپ ان ہدایات پر ٹھیک ٹھیک اسی وقت عمل کر سکتے ہیں جبکہ آپ اپنی معلومات میں اضافہ کرنے اور اپنی طبیعت کو ہندوستان میں انگریزی سلطنت و عملداری کی نوعیت پر غور کرنے کا عادی بنائیں۔ ہماری اس عملداری میں بہت سے قبائل اور اقوام مع اپنے قوانین اور حکومتوں کے موجود ہیں اور نسبتاً یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یہ ایک زبردست اور قدیم عمارت ہے جس میں شکل اور خوبصورتی موجود ہے لیکن اس کے بہت سے حصے خراب و خستہ ہو رہے ہیں اور تقریباً ساری عمارت میں گھاس پھونس لگی ہوئی ہے لیکن پھر بھی یہ ایک سالم عمارت ہے اور اسکے سب حصے موجود ہیں اسکی بنیادیں بہت عمیق ہیں اور عمارت کی چوٹی تک ایک محراب پر دوسری محراب بنتی چلی گئی ہے۔ اب ہم اس عمارت پر قابض ہیں اور اگر ہم اسکو محفوظ رکھنا اور اسکی درستی کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسکے جملہ حسن و قبح معلوم کر لینے چاہئیں اور جب تک کہ دوسرا پتھر تیار نہ ہو جائے ہمیں اس عمارت میں سے ایک چھوٹا پتھر بھی نہ نکالنا چاہیئے جو خالی جگہ کو پُر کر سکے ورنہ ہماری عدم توجہ سے یہ عمارت اسی مقام پر ہمارے اور دیگر لوگوں کے سر پر گر کر سب کو تباہ کر دے گی جس مقام پر کہ ہم ایک شاندار یادگار قایم کرنے کے آرزومند ہیں فقط

جان میلکم　　　　از کیمپ دھولیا

مورخہ ۲۸؍ جون ۱۸۲۱ء

صحت نامہ

سیاسی تاریخ ہند جلد دوم

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳	۱۶	مصنف	مصنفؒ
۱۱	۱۱	اصول	حصول
۱۶	۱۸	روشنی ہیں	روشنی میں
۲۸	۴	وریلیٹ	وریلیسٹ
۳۰	۹	لکھتا ہے	لکھتا ہےؒ
۳۲	۸	فرانیسی	فرانیس
۳۴	۲۴	نیچ	نچ
۳۸	۱۹	فرلینی	فرانس
۵۷	حاشیہ سطر ۲	۱۱۷۹۳ء	۱۷۹۳ء
۶۴	۱۵	پڑے	ٹرے
۷۱	۱۵	آسان نہیں	آسان ہیں
۷۲	۱۰	اعلیٰ فسر	اعلیٰ افسر
۷۸	۲۳	مسٹر برٹ	مسٹر برکؒ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۸	حاشیہ	مسٹر برٹ	مسٹر برک
۹۳	۳	سمجھائی دینگے	سمجھائی دینگے
۹۴	۲۳	پڑی	بڑی
۹۷	۱۵	بیٹے	بیٹےؒ (حاشیہ برصفحہ ۹۸)
۹۹	۶	خفیہ رائے دہی	خفیہ رائے دہی
۱۱۰	۱۴	مختلف انھیں	مختلف النوع
”	۱۶	کیجا رہی ہے	کیجا رہی ہےؒ
۱۱۶	۱۲	محکمانہ	محکمانہ
۱۱۷	۳	قیام کی وقت	قیام کے وقت
۱۲۰	حاشیہ سطر ۲	۲۱ / ۱۶	۲۱ / ۱۸
”		کشنزول	کمشنزول
۱۳۱	۲	کبھی	کس
۱۳۳	۹	ابھی	جبھی

۱۳۶	آخری سطر حاشیہ	اس کی قوت	اس پولس کی قوت	۲۶۷	۲۴	(Oossor)	(Oosour)
۱۴۰	۱۲	ہماری	ہمارے	۲۷۷	۱۱	جنرل ایپرکرومبی	جنرل ایبرکرومبی
〃	۱۴	اسے کیساتھ	اسی کیساتھ	〃	〃	Aberrombie	Abercrombie
۱۴۱	۱۴	کی	کے				
۱۴۲	۵	کی	کے	〃	۲۵	جنرل کرایپرکرومبی	جنرل ایبرکرومبی
۱۴۴	۱۶	کی باعث	کے باعث	〃	〃	کیمباڑی	کینمباڑی
۱۴۷	۵	کی ذریعہ	کے ذریعہ	۲۸۲	۳	لوٹ مار کے	لوٹ مار کی
۱۵۰	۱۴	تودہ	مقررہ	۲۸۵	۲۵	اوسٹور	اوسور
۱۵۳	۱	انتہائی مقامات پر پہنچنے	تنہائی کے مقامات پر بھیجنے	۲۸۶	۱۳	دینور	ویلانور
				〃	۲۱	صوبہ راؤ	بھاراؤ
۱۵۴	۱۹	عقل	مستقل	۲۸۷	۱۵	لاپنیاد	اورپلناد
۱۵۷	حاشیہ سطر	جو	جملہ	۲۹۶	۲۱	گوئی	گوٹی
۱۶۲	۱۲	تحدید	تجدید	۳۱۱	۲۱	مسودو	مسودہ
۱۶۵	۱۴-۱۵	فاصلے سے واقع ہوئی۔	فاصلے پر واقع ہوگی۔	۳۱۹	۱۴	داپئی	دائمی
				۳۴۰	۴	مانیورڈی پروس	مانشیورڈی بروس
۱۶۶	۱۵	تذکرہ کہ	تذکرہ کے	۳۴۱	۱۱	برمیل	ترسیل
۱۷۷	۱۱	بیماری	ہماری	۳۶۹	۱۳	ان پتہ	ان کا پتہ
۱۸۵	۱۴	حاصل کرنے کی	حاصل کرنے کے	۳۶۹	۲۴	اوجوٹنٹ	ادجوٹنٹ
۲۱۹	۳	وجہ روزمرہ	وجہ سے روزمرہ	۳۸۵	۱	مدافلت	مداخلت
۲۲۱	۶	اصحاب کے ذمہ کوئی دنیا دہندہ	اصحاب کے ذمہ کوئی دنیا کا دہندہ	۴۰۴	۱۱	تخت تاراج	تاخت وتاراج
				۴۱۰	۱	رحایا	رعایا
۲۲۶	حاشیہ سطر ۱	سائیکوکس	سائیکوس	۴۲۷	۱۰	پرو	ہیرو
۲۲۷	حاشیہ ۲	بیٹنڈٹ	بیپٹسٹ	۴۳۰	۲۰	یں	ہیں
۲۳۷	حاشیہ سطر ۲	متعصات	معتقدات	۴۷۴	۱۷	درج ہے	درج ہیں
۲۵۹	۳	روپیہ اور یعنی	روپیہ یعنی	۴۸۹	۶	سردار ونکو	سردار ونکور

۴۹۴	۱۸	زغطے	ضغطہ
۵۰۶	۲۴	ہونے کی	ہونے کے
۵۱۲	۱۷	بیزا	بیزار
۵۱۳	۵	متوقع مل بھی	مواقع بھی
۵۱۳	۱۵	فوج	قوم
۵۴۷	۶	محکمے کی	محکمے کے
۵۴۹	۱۱	یلوطوسلے	ید طوسلے